بے بسی

(ناول)

آفاق خان

جملہ و حقوق محفوظ برائے مصنفہ

کتاب: بے بسی
مصنف: آفاق خان
ایڈیشن: 2026
سرورق: ہمایوں ایوب
قیمت: 3000/-

انتساب

اُن عورتوں کے نام جو ظلم سہتے سہتے خود کو کھو بیٹھی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی میں کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جو صرف پڑھی نہیں جاتیں، بلکہ محسوس کی جاتی ہیں۔
کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو صرف کاغذ پر نہیں اترتے، بلکہ دل کے کسی کونے میں ہمیشہ کے لیے جگہ بنا لیتے ہیں۔
میری یہ تحریر "بے بسی" بھی انہی احساسات، درد، خاموشیوں اور حقیقتوں کا ایک عکس ہے۔
سب سے پہلے میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اتنی کم عمر میں سوچنے، محسوس کرنے اور اپنے جذبات کو لفظوں میں ڈھالنے کی ہمت دی۔
میں کوئی بہت بڑا لکھاری نہیں ہوں، نہ ہی میرے پاس الفاظ کی وہ دولت ہے جو بڑے بڑے مصنفین کے پاس ہوتی ہے، لیکن میرے پاس ایک سچا دل ضرور ہے، اور اسی سچے دل کے جذبات کو میں نے اس ناول میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔
میرا نام آفاق خان ہے اور میری عمر صرف پندرہ سال ہے۔
میں ایک عام سا لڑکا ہوں، لیکن میرے خواب عام نہیں ہیں۔
بہت کم عمری میں میں نے زندگی کے کئی ایسے رنگ دیکھے جنہوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا کہ آخر کیوں کچھ لوگ اپنی خاموشیوں میں قید ہو جاتے ہیں؟ کیوں کچھ لڑکیاں اپنے ہی خوف، مجبوریوں اور کمزوریوں کے ہاتھوں ہار جاتی ہیں؟ کیوں کچھ عورتیں ساری زندگی دوسروں کے ظلم سہتے سہتے خود کو بھول جاتی ہیں؟
شاید انہی سوالوں نے میرے دل میں اس کہانی کو جنم دیا۔
یہ میرا دوسرا ناول ہے۔
اس سے پہلے میں "رنگِ عشق" لکھ چکا ہوں، اور اب پوری محبت، محنت اور احساس کے ساتھ میں نے اپنی دوسری تحریر "بے بسی" آپ سب کے سامنے پیش کی ہے۔
میں نے اس ناول کو صرف ایک کہانی سمجھ کر نہیں لکھا، بلکہ میں نے اس کے ہر کردار کے درد کو محسوس کیا ہے۔ ہر منظر کو اپنے دل میں جیا ہے۔ ہر خاموشی کو لفظ دینے کی کوشش کی ہے۔

"بے بسی" صرف ایک نام نہیں، بلکہ ایک احساس ہے۔
وہ احساس جو انسان کو اندر سے توڑ دیتا ہے۔
وہ احساس جب انسان چاہ کر بھی کچھ نہ کر سکے۔
وہ احساس جب آنکھوں میں خواب تو ہوں مگر قسمت ساتھ نہ دے۔
وہ احساس جب ایک عورت خود کو اتنا کمزور سمجھ لے کہ وہ اپنی زندگی سے ہی ہار مان جائے۔
اس ناول میں دو عورتوں کی زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔
ایک وہ عورت جو ظلم، خوف اور مجبوری کو اپنی قسمت سمجھ کر خاموش رہی، اور اپنی خاموشی میں آہستہ آہستہ خود کو کھو بیٹھی۔
اور دوسری وہ عورت جس نے حالات سے لڑنا سیکھا، اپنے آنسوؤں کو اپنی طاقت بنایا، اور اپنی زندگی کو سنبھال لیا۔
میں نے یہ کہانی خاص طور پر اُن لڑکیوں کے لیے لکھی ہے جو خود کو کمزور سمجھتی ہیں۔
جو ہر بات پر یہ سوچ لیتی ہیں کہ وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔
جو دوسروں کے فیصلوں کے نیچے اپنی خواہشات کو دفن کر دیتی ہیں۔
جو اپنی خاموشیوں کو ہی اپنی قسمت سمجھ لیتی ہیں۔
میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ انسان تب تک کمزور نہیں ہوتا جب تک وہ خود کو کمزور نہ مان لے۔
زندگی ہمیشہ ایک نیا موقع دیتی ہے، بس خود پر یقین ہونا چاہیے۔
یہ ناول لکھتے ہوئے کئی بار ایسا ہوا کہ میرے ہاتھ رک گئے، میری آنکھیں نم ہو گئیں، اور میں کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔
کیونکہ کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف لکھا نہیں جاتا، محسوس بھی کیا جاتا ہے۔
میں نے کوشش کی ہے کہ اس ناول کے ہر لفظ میں حقیقت، احساس اور جذبات کی جھلک نظر آئے۔
میں جانتا ہوں کہ میری عمر ابھی بہت کم ہے۔
ممکن ہے میری تحریر میں کہیں غلطیاں ہوں، کہیں لفظ مکمل نہ ہوں، کہیں جملے کمزور ہوں، لیکن میں نے یہ ناول اپنے دل و جان سے لکھا ہے۔
اگر کہیں کوئی کمی رہ گئی ہو تو میں دل سے معذرت چاہتا ہوں، کیونکہ میں ابھی سیکھنے کے سفر میں ہوں، اور یہی

سفر میرے خوابوں کی پہلی سیڑھی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ جب آپ یہ ناول پڑھیں تو صرف ایک کہانی نہ پڑھیں، بلکہ ہر کردار کے احساسات کو محسوس کریں۔

ان کے درد کو سمجھیں۔

ان کی خاموشیوں کو سنیں۔

اور سب سے بڑھ کر یہ جانیں کہ زندگی میں انسان کو کبھی خود سے ہار نہیں ماننی چاہیے۔

اگر میری یہ چھوٹی سی کوشش کسی ایک انسان کے دل کو بھی چھو گئی، اگر کسی ایک لڑکی کو بھی ہمت مل گئی، اگر کسی ایک شخص نے بھی خود کو دوبارہ سنبھالنے کا فیصلہ کر لیا، تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت کامیاب ہو گئی۔

میں تہہ دل سے اُن تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میری تحریروں کو وقت دیتے ہیں، مجھے سپورٹ کرتے ہیں، اور میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

آپ لوگوں کی محبت ہی میری اصل طاقت ہے۔

آپ کی دعائیں ہی میرے خوابوں کا سہارا ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ سب کو میرا یہ ناول پسند آئے گا، اور آپ ہمیشہ کی طرح مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے تاکہ میری یہ ادبی جرنی اسی طرح آگے بڑھتی رہے، اور میں مستقبل میں بھی آپ لوگوں کے لیے ایسی ہی خوبصورت اور احساسات سے بھری کہانیاں لکھتا رہوں۔

آخر میں بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ:

"الفاظ کبھی صرف الفاظ نہیں ہوتے،

کچھ لفظ انسان کی پوری زندگی بیان کر دیتے ہیں۔"

دل کی گہرائیوں سے شکریہ۔

آفاق خان

فہرست

باب اول	08
باب دوم	49
باب سوم	88
باب چہارم	124
باب پنجم	158
باب ششم	201
باب ہفتم	233
باب ہشتم	284
باب نہم	325
باب دہم	353

باب اول:

رنگ برنگے پھول اپنی مہک سے ماحول کو مزید معطر بنا رہے تھے، جبکہ دور ٹائروں کی چہچہاہٹ فضا میں دلکشی گھول رہی تھی۔

اسی مسحور کن ماحول میں دو ہمشیرہ قہقہے لگاتی ہوئی ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔ بڑی بہن نے اپنے ریشمی دوپٹے کا پلو کمر کے گرد لپیٹ کر مضبوطی سے تھاما ہوا تھا، دوڑنے کی وجہ سے اس کی صندلی پیشانی پر عرق کے ننھے قطرے چمک اٹھے تھے اور رخساروں پر غازیانی سرخی تیرنے لگی تھی۔ وہ اپنی اکھڑتی سانسوں کو سنبھالتی، چہرے پر تبسم سجائے، چھوٹی بہن کے عقب میں بھاگ رہی تھی جو ہنستے ہوئے تیز قدموں سے آگے گریزاں تھی۔

"رکو! آج تو تم میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتیں!" اس کا اندازِ گفتگو پکارنے والا اور والہانہ تھا، جس میں حکم نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

آگے بھاگتی ہوئی چلبلی لڑکی نے اچانک اپنی ایڑیوں پر گھوم کر پینترا بدلا۔ اُس کے ریشمی بال ہوا کی وجہ سے لہرائے اور چہرے پر بکھر گئے۔ اُس نے اپنی بڑی بڑی کاجلی آنکھوں کو سکیڑا، اور ہنستے ہوئے بولی،

"پہلے پکڑو تو سہی!" اُس کے لہجے میں شوخی، چیلنج اور بے فکری تھی، وہ اپنی پھرتی پر نازاں تھی۔ پاؤں کی پازیب کی جھنکار اور دونوں کی ہنسی پورے سبزہ زار میں گونج رہی تھی۔ ان کے پاؤں زمین پر پڑتے تو یوں لگتا جیسے ہرن کے بچے قلانچیں بھر رہے ہوں۔ وہ دونوں کبھی سبز گھاس پر دوڑتیں، کبھی اشجار کے پیچھے چھپ جاتیں اور کبھی ایک دوسرے کو چھیڑتے ہوئے قہقہوں میں کھو جاتیں۔ ان کے چہروں پر بے فکری اور خوشی صاف جھلک رہی تھی، اس وقت دنیا کی ساری مسرتیں ان کے حصے میں آ گئیں تھیں۔ دونوں کے سینے تیز سانسوں کے اتار چڑھاؤ سے متحرک تھے۔ ہوا کے جھونکے ان کے بالوں سے کھیل رہے تھے، ان کی معصوم شرارتیں دیکھ کر قریب بیٹھے لوگ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ وہاں موجود بوڑھے چہروں پر جھریاں ان کی مسکراہٹ سے کھل اٹھیں، ان لڑکیوں نے پورے ماحول کو زندگی بخش دی تھی۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ بہنوں کا رشتہ صرف خون کا نہیں بلکہ دوستی، محبت اور ان گنت خوبصورت لمحوں کا نام بھی ہوتا ہے۔

اتنے میں اچانک مریم کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس اچانک گونج پر مریم نے بھاگتے ہوئے قدموں کو روکا، اُس کا سینہ تیز سانسوں سے دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے فون نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اُس

کی امی کی کال آ رہی تھی۔ مریم نے ایک لمحے کے لیے ماہم کی طرف دیکھا اور پھر قدرے بلند آواز میں بولی،

"ارے رک جاؤ... بس کرو اب! امی کی کال آ گئی ہے۔" اُس کی آواز میں گھبراہٹ اور جلدی نمایاں تھی۔

ماہم اپنی شرارتوں میں مصروف تھی مگر مریم کی بات سنتے ہی اُس کی توجہ اُس کی طرف ہو گئی۔ مریم نے کال ریسیو کی اور فون کو کان سے لگایا، اُس کے چہرے کی لکیریں یکدم سنجیدہ ہو گئیں اور پھر سامنے والی کی بات سن کر مسلسل سر ہلانے لگی۔ پھر مریم نے فون واپس سے کرتے کی جیب میں ڈالا اور ماہم سے مخاطب ہوئی۔

"چلو، اب گاڑی میں بیٹھو۔ گھر چلتے ہیں، کافی دیر ہو چکی ہے۔"

اُس کے لہجے میں سنجیدگی تھی جسے محسوس کرتے ہی ماہم بھی مزید ضد اور مذاق کرنے کے بجائے خاموشی سے گاڑی کی طرف قدم بڑھا گئی۔

وہ دونوں واپس گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ ماحول جو چند لمحے پہلے ہنسی مذاق اور باتوں سے بھرا ہوا تھا، اب قدرے پُرسکون ہو چکا تھا۔ مریم نے گاڑی اسٹارٹ کی، اُس کی انگلیاں اسٹیئرنگ ویل پر مضبوطی سے جم گئیں۔ پھر اُس نے ایک لمبا سانس لیا اور ونڈو سے باہر نظریں جما دیں، جبکہ ماہم اپنی جگہ پر خاموش بیٹھی سڑک پر دوڑتی روشنیوں اور گزرتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ سڑکوں پر گاڑیوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی تھی۔ شب کا اندھیرا ہر سو پھیلتا جا رہا تھا اور ہیڈلائٹس کی زرد و سفید روشنیاں شیشے پر عکس بنا رہی تھیں۔

مریم احتیاط سے گاڑی چلا رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر تعب نمایاں تھا اور گھر پہنچنے کی تعجیل بھی تھی۔ دونوں راستے میں کبھی کبھار باتیں کر لیتیں اور کبھی خاموشی چھا جاتی۔ مریم کے ابرو کے درمیان ہلکا سا بل تھا جو اُس کی ذہنی الجھن کو ظاہر کر رہا تھا۔

ابھی وہ ایک مصروف شاہراہ کے قریب سے گزر رہی تھیں کہ اچانک سب کچھ پل بھر میں بدل گیا۔ سڑک کے کنارے ایک گاڑی غلط انداز میں کھڑی تھی، اُس کا آدھا حصہ سڑک کی طرف نکلا ہوا تھا۔ اِس سے پہلے کہ مریم مکمل طور پر کچھ سمجھ پاتی اور وہ کار کو موڑتی، سامنے سے آنے والی گاڑی کی تیز روشنی ایک لمحے کے لیے اُس کی آنکھوں میں پڑی جس نے مریم کو چند سیکنڈز کے لیے بالکل نابینا کر دیا۔ اُس نے گھبرا کر اسٹیئرنگ کو پوری طاقت سے گھمانا چاہا، لیکن تاخیر ہو گئی تھی۔ اُس کے ہاتھ لرز اٹھے، ٹائروں کے رگڑ کھانے کی ہولناک آواز فضا میں گونجی اور اگلے ہی لمحے... "دھڑام!" شیشے ٹوٹنے اور لوہے کے لوہے سے ٹکرانے کی آواز نے اُس خاموشی کے پرخچے اڑا دیے۔

اُس زوردار جھٹکے کے ساتھ گاڑی بری طرح ہل گئی تھی۔ اچانک لگنے والے صدمے سے دونوں کے جسم اپنی جگہ سے آگے کو جھک گئے۔ ان کے سر سامنے ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچے، جبکہ سیٹ بیلٹ ان کے سینوں میں

بری طرح پیوست ہو گئی تھیں۔ چند لمحوں کے لیے جیسے وقت رک سا گیا۔ کانوں میں سائیں سائیں کا شور تھا اور دماغ سن ہو چکے تھے۔

"یا اللہ!" مریم کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی، اُس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جم گئے تھے جبکہ چہرے کا رنگ ایک دم فق ہو گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور ماتھے پر سرد پسینے کی لکیریں ابھر آئیں۔ اُس کے ساتھ بیٹھی ماہم بھی خوف سے سہم گئی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور ہاتھ کانپنے لگے۔ اُس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا، ایک لمحے کے لیے اُسے سمجھ ہی نہ آیا کہ ہوا کیا ہے۔ صدمے کی شدت سے ماہم کا پورا وجود بری طرح لرز رہا تھا، اُس کی انگلیاں اپنی ہی قمیض کے دامن کو بے رحمی سے مروڑ رہی تھیں۔

"مریم... یہ... یہ کیا ہوا؟" اُس کے الفاظ ٹوٹ رہے تھے اور دانت خوف کے مارے آپس میں بج رہے تھے۔ وہ مریم کے کندھے کو جھنجھوڑنا چاہتی تھی مگر اُس کے ہاتھ بے جان ہو چکے تھے۔ مریم نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے چینی سے سامنے دیکھا۔ اُس کی پتلیوں میں اب بھی سامنے والی گاڑی کی روشنی کا عکس لہرا رہا تھا۔ اُس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ چند لمحے دونوں خاموش رہیں، صرف دل کی بے قابو دھڑکنیں اور باہر گزرتی گاڑیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گاڑی کے اندر کا ماحول اس قدر بوجھل ہو گیا تھا کہ سانس لینا بھی محال معلوم ہو رہا تھا۔

چند ہی لمحوں میں وہاں کا پُرسکون ماحول مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ ٹکر کی آواز اتنی زوردار تھی کہ آس پاس موجود لوگ فوراً اپنی جگہوں سے چونک گئے۔ کچھ ہی دیر میں سڑک کے کنارے لوگوں کا اژدھام جمع ہونا شروع ہو گیا۔ تماشائیوں کے قدم تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے، انہوں نے کار کو چاروں طرف سے حصار میں لے لیا تھا۔ گاڑی کے بند شیشوں کے پار سے ان کے چہرے بھیانک اور دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر طرف سرگوشیاں تھیں، سوال تھے، اور بے شمار نظریں گاڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟"

"کس کی غلطی تھی؟"

"اتنی زور سے ٹکر کیسے لگ گئی؟"

باہر موجود مجمعے کی یہ آوازیں آپس میں گتھم گتھا ہو رہی تھیں، جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ ہر کوئی اپنی اپنی رائے دے رہا تھا۔ کسی کو بھی پوری بات معلوم نہیں تھی، مگر سب بول ضرور رہے تھے۔ کچھ لوگ گردنیں اچکا اچکا کر اندر جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دوسری طرف مریم کی حالت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اُس کے کانوں میں لوگوں کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ سامنے دیکھ تو رہی تھی، مگر کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو چکی تھیں، نظریں سامنے ہڈ پر لگی پینٹ کی خراش پر جم کر رہ گئیں۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے، مگر آواز باہر نہیں آ رہی تھی۔ حلق جیسے بالکل کانٹے دار جھاڑی کی طرح خشک ہو چکا تھا، جس میں سے ہوا کا گزرنا بھی محال تھا۔

مریم گھبراہٹ سے دونوں ہاتھ آپس میں مسلنے لگی۔ آنکھوں میں خوف صاف جھلک رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ انگلیاں اتنی بے رحمی سے ایک دوسرے کو جکڑ رہی تھیں کہ پوریں سفید پڑ گئیں۔ یہ سب دیکھ کر ماہم فوراً اُس کے قریب آئی۔ اُس نے مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک نظر اُس کے چہرے کو دیکھا۔ مریم کے ماتھے پر ابھرنے والی نیلی رگیں اور اُس کی اکھڑتی ہوئی ہچکیاں دیکھ کر ماہم کی اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ سے مریم کے ٹھنڈے یخ گال کو چھوا۔

"مریم... سانس لو، سب ٹھیک ہے..." اُس نے دھیمی آواز میں کہا، اُس کا لہجہ منت آمیز اور گریہ زاری کے قریب تھا، وہ مریم کو اِس صدمے کے غار سے باہر کھینچ لانا چاہتی تھی، مریم کی نظریں ایک جگہ جم گئی تھیں۔ اُس کے وجود پر طاری جمود ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا، جبکہ باہر کھڑا ہجوم اب گاڑی کے شیشے پر دستک دینے لگا تھا۔

اسی دوران اژدھام کو ہٹاتے ہوئے ایک درمیانی عمر کا آدمی غصے سے ان کی طرف بڑھا۔ غالباً وہ اسی گاڑی کا مالک تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر اپنی گاڑی پر پڑی، اُس کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ طیش کی ایک لہر اُس کے ماتھے پر شکنیں ابھار گئی، آنکھیں غیظ و غضب سے ابل پڑیں اور پھر وہ بپھرے ہوئے شیر کی مانند کار کی ونڈو پر جھک گیا۔

"یہ کیا، کیا بی بی تم نے؟!" وہ تقریباً چیختے ہوئے بولا۔ "گاڑی کا یہ حال کر دیا؟ دیکھ رہی ہو کتنا نقصان ہو گیا ہے؟"

اُس کی جاہلانہ پکار میں درشتگی کا عنصر نمایاں تھا، جو بند شیشوں کی رکاوٹ کو پامال کرتا ہوا ان دونوں کے کانوں میں گونجا۔ اُس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مریم مزید سہم گئی۔ اُس نے بے اختیار نشست کی پشت سے خود کو منقبض کر لیا اور ہراساں ہو کر اپنے کندھے سکیڑ لیے۔

لیکن اِس سے پہلے کہ وہ شخص مزید کچھ کہتا، ماہم غصے سے آگے بڑھی۔ اُس نے اپنی نشست سے مریم کے آگے ہاتھ پھیلایا اور جھٹکے سے کار کا شیشہ مسدود کر کے غضب ناک تیوروں کے ساتھ اُس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "ایک منٹ!"

اُس کی آواز میں ایسا اعتماد تھا کہ چند لمحوں کے لیے آس پاس موجود لوگ بھی خاموش ہو گئے۔ اُس کے عزمِ مصمم کے سامنے مجمع کا شور یکدم تھم گیا تھا۔

"پہلے آپ اپنی غلطی دیکھیں۔ گاڑی غلط جگہ پارک کیوں کی تھی؟ آدھی گاڑی سڑک کے بیچ میں کھڑی تھی! اگر صحیح جگہ پارک ہوتی تو یہ سب ہوتا ہی نہیں!" اُس کا انداز حد درجہ کاٹ دار، نپا تلا اور مدلل تھا، جس نے حریف کو سہم جانے پر مجبور کر دیا۔ اُس آدمی نے غصے سے ماہم کو دیکھا، اُس کا چہرہ رنج سے تمتما اٹھا تھا۔

"تو اب قصور میرا ہو گیا؟"

اُس نے تمسخر اڑانے والے انداز میں استہزائیہ دانت پیستے ہوئے استفسار کیا۔ "جی ہاں!" ماہم فوراً بولی۔ "غلط پارکنگ بھی قانون کے خلاف ہے۔ صرف شور مچانے سے آپ صحیح نہیں ہو جائیں گے۔" اُس نے شہادت کی انگلی کے اشارے سے شاہراہ پر معطل کھڑی گاڑی کی غیر قانونی حالت کی طرف اشارہ کیا، جہاں اب ٹریفک کا اژدھام بڑھ رہا تھا۔ دونوں کے درمیان بحث بڑھنے لگی۔ آس پاس کھڑے لوگ بھی اپنی اپنی رائے دینے لگے۔ کوئی ماہم کی بات سے اتفاق کر رہا تھا، تو کوئی گاڑی والے کی طرف داری۔ شور بڑھتا جا رہا تھا۔ آوازوں کے اِس طوفان میں مریم نے ہراس کے مارے اپنی آنکھیں موند لیں۔

اور پھر... اچانک سیٹی کی آواز سنائی دی۔ سب کی نظریں ایک طرف اٹھ گئیں۔ ایک پولیس والا لوگوں کے ہجوم کو ہٹاتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی سرکاری قبا پر نصب علامات چمک رہی تھیں، اُس کا پر رعب سراپا مجمع کو پسپا ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو، سب لوگ پیچھے ہٹو!" اُس نے سخت آواز میں کہا۔

اُس کے ہاتھ میں موجود لاٹھی کی حرکت دیکھ کر چند لمحوں میں کافی لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ پولیس والے نے پہلے گاڑیوں کا معائنہ کیا، پھر سب کے چہروں پر نظر ڈالی اور اپنی عقابی نگاہیں ماہم اور اُس اشتعال انگیز شخص پر مرکوز کر دیں۔

"کیا مسئلہ ہے؟"

اُس کے بھاری، سنجیدہ اور صیغہِ آمرانہ میں ادا کیے گئے لفظ نے ماحول کے رہے سہے غوغا کو بھی یکدم نیست و نابود کر دیا۔ چند لوگ ایک ساتھ بولنے لگے مگر پولیس والے نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کروا دیا۔ اُس کی چوڑی ہتھیلی کا فضا میں لہرانا ہی مجمع کی زبانوں پر قفل لگانے کے لیے کافی ثابت ہوا، اور تماشائیوں کا شور یکدم دم توڑ گیا۔

"ایک ایک کر کے بات ہو گی۔

"اُس کے حاکمانہ اندازِ گفتگو میں عدالتی پختگی تھی جس نے بحث کی گنجائش ختم کر دی۔ اُس کی نظریں پھر مریم پر گئیں۔

مریم اب بھی خاموش بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں واضح گھبراہٹ تھی، اور وہ مسلسل نظریں جھکا رہی تھی۔ اُس کا چہرہ اس قدر سپید پڑ چکا تھا جیسے جسم کا آخری قطرۂ خون بھی نچوڑ لیا گیا ہو، وہ اسٹیئرنگ پر جمی اپنی ہی انگلیوں کے لرزتے ہوئے پوروں کو تکے جا رہی تھی تاکہ کسی کی نگاہوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

پولیس والے نے کچھ لمحے اُسے دیکھا، پھر قدرے نرم لہجے میں بولا: "بیٹا... گھبراؤ نہیں۔ پہلے سکون سے سانس لو۔"

مریم نے نظریں اٹھائیں مگر بول نہ سکی۔ اُس کے خشک ہونٹ کھلنے کی ناکام کوشش میں لرز کر رہ گئے، لیکن حلق سے کوئی لفظ نکل نہ سکا۔

مریم کی اِس بے بسی کو بھانپتے ہوئے ماہم نے آگے بڑھ کر پوری بات بتائی۔ اُس نے چہرے پر استقامت سجاتے ہوئے نہایت بے باکی اور روانی سے سڑک کی غلط نقشہ سازی اور دوسری گاڑی کی غیر قانونی پارکنگ کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔ پولیس والا خاموشی سے سنتا رہا، پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے...

ابھی یہیں کھڑے ہو کر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔" اُس نے اپنی ٹوپی کو پیشانی سے تھوڑا پیچھے سرکایا، اور کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں اُس نے مریم کی طرف دیکھا۔ "تم کسی گھر والے کو کال کرو۔

اپنے بھائی کو... والد کو... یا جسے بلانا ہو۔ کسی بڑے کو یہاں آنا ہو گا۔ پھر آگے بات ہو گی۔"

سرپرست کو بلانے کا یہ حکم سنتے ہی مریم کے ہاتھ مزید کانپ گئے۔ گھر والوں کو اِس آفت کی اطلاع دینے کا خوف اُس کے اعصاب کو شل کرنے لگا۔ بے قابو دھڑکنوں کے ساتھ اُس نے لبوں کو دانتوں تلے دبا لیا۔ اور پھر کانپتے، لرزتے پوروں سے آہستہ سے فون نکالا، جس کی اسکرین کی نیلی روشنی اُس کے زرد پڑتے چہرے پر آسیب کی مانند منعکس ہو رہی تھی۔ اُس کی نظریں فون اسکرین پر جم گئیں۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت اُسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کال کس کو کرے۔ مریم کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے۔ مریم کی انگلیاں اب فون اسکرین پر تھیں مگر گھبراہٹ کی شدت ایسی تھی کہ وہ صحیح سے نمبر تک نہیں ملا پا رہی تھی۔ اسکرین کی نیلی ضیا پاشیوں کے سامنے اُس کا مضطرب انگوٹھا بار بار ہندسوں کی ترتیب کو خلط ملط کر رہا تھا، جس سے اُس کی الجھن حدِ ادراک سے سوا ہونے لگیں۔ آس پاس لوگوں کی نظریں، گاڑی والے کی تلخ آوازیں، پولیس والے

کی موجودگی، اور اِس اچانک پیش آنے والے حادثے نے اُس کے حواس جیسے بکھیر دیے تھے۔

اُس نے پھیپھڑوں میں محبوس حبس کو خارج کرنے کے لیے لمبا سانس لیا اور جلدی سے اپنے بھائی کا نمبر ڈائل کیا۔

ایک بار... دوسری بار... اُس کی نظریں بے چینی سے فون کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے دل کی تیز رفتاری اِس حد تک فزوں تھی کہ پسلیوں سے ٹکراتی ہوئی دھمک اُس کے اپنے ہی کانوں کے پردوں میں محشر برپا کر رہی تھی۔ فون کے دوسرے سرے سے بالآخر کسی مانوس آواز کے بجائے مشینی آواز نمودار ہوئی:

"The number you are trying to call is switched off..."

یہ سنتے ہی مریم کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے بیٹھ گیا۔ گویا اُس کے پیروں تلے سے زمین یکسر سرک گئی۔ اُس کی بصارت کے آگے تاریک دھند چھانے لگی تھی۔

"بند ہے..." اُس کے نحیف حلق سے خارج ہونے والے یہ دو لفظ اس قدر نڈھال اور بے جان تھے کہ کسی نے بمشکل ہی سنے ہوں گے۔

"کیا؟" ماہم فوراً اُس کی طرف متوجہ ہوئی۔ اُس نے فکرمندی کے عالم میں مریم کے کانپتے ہوئے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔

"بھائی کا فون بند آ رہا ہے..." اُس کے زیرِ لب میں شدید ارتعاش تھا جسے وہ دانتوں تلے دبا کر چھپانے کی لاحاصل کوشش کر رہی تھی۔ ابھی کچھ لمحے پہلے تک وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اب اُس کے چہرے پر پریشانی مزید نمایاں ہونے لگی تھی۔ اُس کے ضبط کا آخری رشتہ بھی تاش کے پتوں کی طرح بکھر رہا تھا، آنکھوں کے گوشوں میں قید آنسو اب پلکوں کی باڑھ کو توڑ کر بہہ نکلنے کے لیے مچل رہے تھے۔

ماہم نے ایک لمحے کے لیے سوچتے ہوئے اُسے دیکھا۔ پھر جیسے اچانک اُسے کچھ یاد آیا۔ اُس نے فوراً مریم کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں تشویش کے ساتھ ساتھ امید کی چمک ابھری۔

"مریم..."

اُس کی آواز پہلے سے نرم تھی،

"تم... زرار کو کال کر لو۔"

ماہم کی بات سن کر مریم نے چونک کر سر اٹھایا، اُس کی ساکت پتلیاں یکدم پھیل گئیں، چہرے پر ہراس کے ساتھ انجانی جھجک ابھر آئی۔

"ض... ضرار؟" ماہم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں، وہ آجائے گا۔

ابھی کسی کا یہاں ہونا ضروری ہے نا۔"

اُس کی بات سن کر مریم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے۔ مریم کے اندر یادوں اور وسوسوں کا نیا طوفان سر اٹھانے لگا تھا، جس نے باہر کے ہنگامے کو پسِ پشت ڈال دیا تھا، نظریں بے اختیار فون اسکرین پر جم گئیں۔ دل کی دھڑکن نہ جانے کیوں پہلے سے زیادہ تیز ہونے لگی تھی۔ کچھ لمحوں تک وہ خاموش بیٹھی اسکرین کو تکتی رہی، پھر آخر کار اُس نے ضرار کا نمبر ڈائل کر دیا۔ ہر ہندسا چھوتے ہوئے اُس کی پوریں پگھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ اُس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ فون کو کان سے لگائے وہ ساکت، سانس روکے بیٹھی تھی، جبکہ اُس کا ماتھا سرد پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ ایک رنگ... دوسری بار...

تیسرا... اور پھر کال اٹینڈ ہو گئی۔

"ہیلو؟" دوسری طرف سے ضرار کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

صرف ایک لفظ... لیکن نہ جانے کیوں مریم کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے رک سی گئی۔ اُس کا پورا وجود برف کی مانند جم گیا، اور سانسیں حلق کے پھندے میں قید ہو کر رہ گئیں۔ اُس نے ہونٹ کھولے، مگر آواز حلق میں ہی اٹک گئی۔ "و... وہ..." وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی مگر الفاظ ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اُس کے رخساروں پر حیا اور خوف کا ملا جلا تاثر ابھرا، وہ لمبا سانس لینے کے باوجود ایک جملہ بھی ترتیب نہ دے سکی۔ مریم کی اِس شدید اعصابی مفلوج حالت کو بھانپتے ہوئے، ماہم نے فوراً اُس کے ہاتھ سے فون لے لیا اور خود کو سیدھا کرتے ہوئے بولی،

"ہیلو ضرار؟" ماہم کے فون لیتے ہی مریم نے نڈھال ہو کر اپنی پیشانی اسٹیئرنگ پر ٹکا دی۔ لائن کے دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھائی۔ "جی، ماہم؟ سب ٹھیک ہے؟" اُس کی آواز میں پریشانی تھی۔ اُس کی آواز نے ماہم کی دھڑکنوں کو بھی مہمیز دی۔ ماہم نے ایک لمبا سانس لیا اور پوری بات ترتیب سے بتانا شروع کی۔ اُس نے مریم پر ایک اڑتی ہوئی نگاہ ڈالی، جس کی انگلیاں اب بھی لرز رہی تھیں، اور پھر اپنے لہجے کو جتنا ممکن ہو سکے مستحکم رکھتے ہوئے بولنا شروع کیا،

"ہم لوگ واپس آرہے تھے کہ راستے میں گاڑی کا ایکسڈنٹ ہو گیا ہے۔ یہاں کافی لوگ جمع ہو گئے ہیں، پولیس بھی آچکی ہے... اور مریم کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا؟" ضرار کی آواز سنجیدہ ہو گئی۔ اُس کا لہجہ حد درجہ گراں بار اور حاکمانہ حد تک فکر مند ہو چکا تھا۔ "سب

ٹھیک تو ہیں؟ کسی کو چوٹ تو نہیں لگی؟" اُس کے الفاظ کی تیز رفتاری اُس کے اندر برپا تشویش کی وجہ سے تھی۔ ماہم نے فوراً جواب دیا،

"نہیں... ایسی کوئی بات نہیں، مگر آپ آ جائیں پھر بات کرتے ہیں۔"

"لوکیشن بھیجو۔" ضرار کے کہتے ہی ماہم نے فوراً مقام بتایا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوسری طرف سے صرف ایک جملہ سنائی دیا تھا،

"میں آ رہا ہوں۔"

اسکرین کے تاریک ہوتے ہی اور کال ختم ہوتے ہی ماہم نے مریم کی طرف دیکھا۔ مریم خاموش بیٹھی تھی۔ اُس کا سر اب بھی سیٹ کی پشت سے ٹکا ہوا تھا، اُس کی لمبی پلکیں رخساروں پر جھکی ہوئی تھیں، لیکن نہ جانے کیوں... ضرار کے صرف یہ تین الفاظ سننے کے بعد اُس کے دل کی بے چینی میں عجیب سا سکون اترنا شروع ہو گیا تھا۔ اُس کے اعصاب کا وہ تلاطم جو چند لمحے پہلے اُسے سانس لینے سے معذور کر رہا تھا، اب یکدم تھمنے لگا تھا۔

وقت جیسے بہت آہستہ گزر رہا تھا۔ مریم بار بار بے چینی سے سڑک کی طرف دیکھتی، پھر نظریں جھکا لیتی۔ اُس کے دل کی دھڑکن اگرچہ پہلے سے کچھ بہتر ہوئی تھی، مگر آس پاس کا ماحول اب بھی اُس کے لیے پریشان کن تھا۔ وہ اب بھی کار کے اسٹیئرنگ کو تھامے ہوئے تھی۔

دوسری طرف ماہم بار بار غصے سے اُس گاڑی والے کو دیکھ رہی تھی، جیسے ابھی اُس سے بحث شروع کر دے گی۔ اُس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے، وہ کسی بھی وقت دوبارہ مدافعت کے لیے تیار تھی۔

پولیس والا ایک طرف کھڑا کسی سے بات کر رہا تھا جبکہ آس پاس موجود لوگوں کا اژدھام بھی اب آہستہ آہستہ کم ہونے لگا تھا۔ تماشائیوں کی دلچسپی اب سرد پڑ رہی تھی، مگر ان تینوں کے لیے ہر گزرتا لمحہ بہت لمبا محسوس ہو رہا تھا۔

تبھی دور سے ایک کالی گاڑی آ کر سڑک کے کنارے رکی۔ ٹائروں کے سڑک پر رگڑ کھانے کی مدہم سی آواز فضا میں گونجی۔ ماہم کی نظریں بے اختیار اُس طرف اٹھیں۔ اُس کی آنکھیں امید کی ایک نئی جوت سے چمک اٹھی تھیں۔ جیسے ہی گاڑی کا دروازہ کھلا اور ضرار باہر نکلا، ماہم کے چہرے پر ایک دم سے سکون اور خوشی کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے۔ اُس کے تنے ہوئے اعصاب یکدم ڈھیلے پڑ گئے۔

"آ گئے..." اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ دوسری طرف مریم بھی خاموشی سے اسی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی ساکت پتلیوں میں ہلچل سی مچی تھی۔

ضرار ہمیشہ کی طرح سنجیدہ انداز میں تیز قدموں سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی نیلی آنکھوں میں واضح پریشانی تھی۔ ضرار عالم مریم کے لیے پریشان تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور وجیہہ مرد تھا، جو اِس وقت گرے رنگ کے پینٹ شرٹ میں چہرے پر بکھرے بالوں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا کار کی طرف آ رہا تھا۔

وہ سیدھا ان دونوں کے سامنے آ کر رکا، سب سے پہلے اُس کی نظریں مریم پر گئیں۔ چند لمحوں تک وہ اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کی نیلی پر تفکر نظریں مریم کے سراپے کا بغور معائنہ کر رہی تھیں، وہ اُسے لگی چوٹ کا سراغ لگا رہا تھا، لیکن شکر تھا وہ ٹھیک تھی۔

مریم کا چہرہ اب بھی زرد تھا، آنکھوں میں گھبراہٹ باقی تھی، وہ اب گاڑی سے باہر نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ پھر بھی وہ ضرار کی آنکھوں میں جھانکنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اُس نے مختصر، سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ اُس کی آواز میں حد درجہ اپنائیت اور فکر تھی، جس نے مریم کے رہے سہے خوف کو بھی یکسر مٹا دیا۔

مریم نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ اُس کی پلکوں پر لرزتا ہوا ایک آنسو اُس کے سر کی جنبش کے ساتھ ہی اندر کہیں جذب ہو گیا تھا۔ "جی..." اُس کے حلق سے بر آمد ہونے والا یہ واحد لفظ حد درجہ نحیف اور تشکر سے بھرپور تھا۔

جبکہ اُس کے ڈگمگاتے لہجے میں جو خوف تھا وہ ضرار سے چھپ نہ سکا، جس کی وجہ سے ضرار کے اپنے ابرو کے درمیان بل ابھر آیا تھا۔ اُس نے مزید کچھ نہیں کہا اور فوراً پولیس والے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کے مضبوط بوٹوں کی ٹک ٹک ماحول پر اُس کے تسلط کا اعلان کر رہی تھی۔ ماہم بھی اُس کے پیچھے جانے لگی مگر پھر ضرار کے چہرے کا غصہ دیکھ کر اُس کے قدم خود بخود زمین سے پیوست ہو گئے۔

کچھ دیر تک ضرار پولیس والے کی بات سنتا رہا۔ پولیس والے نے پوری صورتحال اُسے سمجھائی۔ پھر اُس نے گاڑی والے سے بھی بات کی اور نقصان کے بارے میں پوچھا۔ ضرار کا چہرہ کسی سنگِ مرمر کی مانند سپاٹ اور تاثرات سے عاری تھا، وہ دونوں فریقین کے بیانات کو غور سے سن کر صورتحال کا احاطہ کر رہا تھا۔ دوسری طرف وہ آدمی اب بھی بار بار اپنی گاڑی کی طرف اشارے کر کے نقصان گنوا رہا تھا۔ وہ آدمی اِس حادثے کو ناجائز فائدے کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

اِس شخص کی یہ مکارانہ طمع دیکھ کر ماہم کا پارہ ایک بار پھر چڑھ گیا۔ وہ فوراً غصے سے آگے قدم بڑھانے لگی۔ اُس کی بھوری آنکھیں شعلے اگلنے لگی تھیں، وہ مٹھیاں بھینچے، اُس متکبر شخص کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"یہ سراسر زیادتی ہے! غلط پارکنگ ان کی تھی۔ اگر گاڑی ٹھیک جگہ کھڑی ہوتی تو یہ سب ہوتا ہی نہیں۔ اب

سارا قصور ہم پر کیوں ڈالا جا رہا ہے؟" اُس کا اندازِ تخاطب حد درجہ جارحانہ اور جذباتی تھا۔

"بی بی، نقصان تو ہوا ہے نا!" اُس نے اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں لہرا کر مظلومیت کا ڈھونگ رچایا۔

"تو آپ..."

"ماہم۔" اِس بار ضرار کی آواز قدرے سخت تھی۔ صرف ایک لفظ۔ اور ماہم فوراً خاموش ہو گئی۔ اُس نے حیرت سے ضرار کی طرف دیکھا تو اُس کی آنکھیں پھیل گئیں، وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ ضرار اُس کے بجائے اُس شخص کے حق میں بات ختم کر رہا ہے۔

ضرار نے ایک لمحے کے لیے اُسے دیکھا، پھر پر سکون لہجے میں بولا: "بس رہنے دو۔ ابھی یہیں بحث ختم کرتے ہیں۔" اُس کا لہجہ دھیما تھا، ضرار اِس سڑک کو تماشہ گاہ بنانے کے حق میں بالکل نہ تھا اِس لیے اُس نے معاملے کو جلد سے جلد نمٹانا ہی صحیح سمجھا۔

"لیکن ضرار! غلطی ہماری نہیں تھی...." ماہم نے مدافعت میں اپنے دائیں ہاتھ کو آگے بڑھا کر اپنی بات پر اصرار کرنا چاہا، مگر ضرار نے اپنی سرد اور نیلی نظریں اُس کے چہرے پر ٹکا دیں۔

"میں نے کہا نا... بس۔" ماہم نے بے بسی سے اپنے لب بھینچے اور پیچھے ہٹ کر مریم کے پاس جا کھڑی ہوئی، جبکہ ضرار نے ایک بار پھر پولیس والے کی طرف رخ کر لیا۔

اُس کا یہ سنجیدہ، تبسم سے عاری اور متین چہرہ ایسا تھا کہ مجمع کے شور کو سانپ سونگھ گیا۔ ماہم نے خفگی سے بازو باندھ لیے اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اُس کے نتھنے غصے سے پھول رہے تھے، وہ زمین پر اپنا پیر پٹک کر اپنی ناراضی کا اظہار کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ضرار نے خاموشی سے اپنی جیب سے بٹوہ نکالا اور گاڑی والے کو نقصان کی رقم دے دی۔ اُس کے طویل، جاندار ہاتھوں کی متوازن حرکت مریم نے صاف دیکھی، پورے غور سے۔

وہیں ماہم نے حیرانی سے مریم کی طرف دیکھا، اور پھر ضرار کی طرف اُس کی بھویں تن گئی تھیں اور آنکھیں شکوہ کرنے لگیں۔

"آپ واقعی اسے پیسے دے رہے ہیں؟ اتنی دیر سے میں اس لیے بول رہی تھی؟ پیسے تو ہم بھی دے سکتے تھے۔" اُس نے اپنے دونوں ہاتھ جھٹک کر اِس ناانصافی پر احتجاج کرنا چاہا، مزید بولنا چاہا مگر ضرار نے اُس کی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اُس نے بٹوے کو واپس اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں محفوظ کیا اور مڑ کر ماہم کی آنکھوں میں اپنی نیلی، مسکراتی اور پر سکون نظریں ڈالیں۔

"ہر بار جیتنا ضروری نہیں ہوتا، مسئلہ ختم کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یوں بھی، سڑک پر تماشہ کرنا ضروری ہے؟ وہ بھی اِس وقت؟ جب رات ہونے والی ہے، اور پھر تم نے مریم کی حالت دیکھی ہے؟" اُس کے نپے تلے فلسفہِ حیات کو سن کر ماہم فوراً خاموش ہو گئی۔ وہ کچھ کہنا تو چاہتی تھی، مگر نہ جانے کیوں اِس بار الفاظ اُس کے پاس نہیں تھے۔ اُس کا ابلتا ہوا غصہ ضرار کی فہم و فراست کے آگے پگھل کر رہ گیا، پھر کیا تھا؟ اُس نے اپنے سر کو جھکا لیا۔

معاملہ ختم ہونے کے بعد ضرار واپس ان دونوں کی طرف آیا۔ اُس نے ایک نظر مریم کو دیکھا جو اب بھی خاموش کھڑی تھی۔ مریم کے عارض پر پھیلی زردی اب کم ہو رہی تھی۔ ضرار نے اُس کے تاثرات کا جائزہ لیا، پھر مختصر انداز میں بولا: "چلو۔" بس ایک لفظ۔ اِس ایک لفظ میں مریم کے لیے کیا کیا تھا، یہ ضرار ہی جانتا تھا بس۔

اور پھر ماہم اور مریم خاموشی سے اُس کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھ گئیں۔ راستے بھر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ ٹائر سڑک پر مدہم سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے، باہر اسٹریٹ لائٹس کا زرد عکس شیشوں پر تیر رہا تھا۔ ماہم کبھی کھڑکی سے باہر دیکھتی، کبھی خفگی سے ضرار کو پسِ آئینہ تکتی جو نہایت مہارت اور سکون سے گاڑی چلا رہا تھا۔

جبکہ مریم... وہ خاموش بیٹھی ضرار کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ایسے لوگ نصیب والوں کو ہی ملتے ہیں، جو مشکل وقت میں سب سے پہلے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ شور نہیں ڈالتے، اظہار کرنے میں جھجھکتے ہیں لیکن حرکت کرنے کی بات آئے تو سب سے پہلے یہی ہمارے محافظ ہوتے ہیں۔

اس نے اپنی نظریں جھکا کر اپنے ہاتھوں کو گود میں دھر لیا۔ ہونٹوں پر دلنشین مسکراہٹ ابھر آئی تھی، دنیا کے ہر ہنگامے اور طوفان کے سامنے ضرار نامی یہ چٹان ہمیشہ اس کے سامنے کھڑی رہے گی۔

کچھ دیر بعد جب کار کے اندر کے ماحول میں پھیلا ہوا تناؤ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا، تو ضرار نے لمبا سانس لیا۔ اس کے چوڑے شانے اس فراغت پر ہلکے سے ابھرے، پیشانی پر آئے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور پھر بغل میں بیٹھی مریم کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد بیک ویو مرر سے نسیم کی طرف۔ دونوں کے چہروں پر تھکن اور پریشانی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے، خاص طور پر مریم ابھی تک مکمل طور پر نارمل نہیں ہو پائی تھی۔ اس کے اکھڑے حواس اب بھی اس کی مرجھائی ہوئی رنگت سے عیاں تھے۔

گاڑی کی کھڑکیوں سے باہر شہر کی روشنیاں تیزی سے پیچھے چھوٹتی جا رہی تھیں۔ مریم اب خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی، کار کے شیشے پر پڑتا ہوا اسٹریٹ لائٹس کا زرد عکس اس کے چہرے پر لکیریں بنا رہا تھا، جبکہ ماہم کبھی مریم کو دیکھتی تو کبھی ضرار کو، جو پوری توجہ سے اسٹیئرنگ تھامے گاڑی کو منزل کی طرف گامزن کیے ہوئے تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک بڑے سے گھر کے سامنے آ کر رکی۔ لوہے کا بھاری گیٹ کھلا اور گاڑی اندر پورچ میں

داخل ہوئی۔

ضرار نے گاڑی بند کی اور ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا،

"آؤ، پہنچ گئے۔"

تینوں گاڑی سے اترے اور گھر کے اندر داخل ہوئے۔ مریم نے اپنے دوپٹے کو درست کیا اور ضرار کے پیچھے چل دی۔

جیسے ہی ضرار اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور وہ بلند آواز میں بولا: "السلام علیکم ممانی جان!" اس کا لہجہ حد درجہ شگفتہ، پرجوش اور احترام سے لبریز تھا۔ وہ باہر کے تمام تر دباؤ اور حادثے کو اسی دہلیز پر چھوڑ آیا تھا تاکہ گھر کا کوئی فرد پریشان نہ ہو۔ اس کی آواز سنتے ہی اندر بیٹھی خاتون نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے کی جھریاں مسرت سے کھل اٹھیں اور پھر انہوں نے پیار سے اپنے دونوں ہاتھ ضرار کے استقبال کے لیے آگے بڑھا دیے۔

"وعلیکم السلام! ضرار بیٹا تم؟" ممانی جان حیران ہوئیں۔ ضرار ان کا بہت لاڈلا اور منہ بولا بیٹا تھا، گھر کے ہر فرد کے ساتھ اس کا بے حد خوبصورت اور اپنائیت بھرا رشتہ تھا۔ خاص طور پر اپنی ممانی سے اس کا تعلق صرف رشتے کا نہیں بلکہ دل کا بھی تھا۔ وہ آگے بڑھا اور جھک کر ممانی سے ملا۔ ممانی نے بھی پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کے لمس کی گرمی نے ضرار کے چہرے کی رہی سہی سنجیدگی کو مٹا دیا، اور پھر اس نے نہایت عاجزی سے اپنا سر ان کے سامنے جھکا دیا۔

اتنے میں ممانی کے پاس بیٹھی ایک لڑکی نے ضرار کو دیکھا، اور فوراً مسکرا دی۔ وہ میرب تھی... جسے گھر کے سب لوگ پیار سے "میرا" کہتے تھے۔ میرا کی عمر تقریباً 13 سال تھی اور وہ بہت معصوم دل کی مالک تھی۔ اس کی دنیا دوسروں سے تھوڑی مختلف تھی، وہ کمزور طبیعت کی تھی اور بعض باتیں دیر سے سمجھتی تھی، لیکن اس کے دل میں کسی قسم کی برائی نہیں تھی۔ وہ 13 سال کی ہونے کے باوجود بچوں جیسی تھی، اس کا دماغ ابھی 5 سال کے بچے جتنا ہی تھا اور وہ بڑی عمر کے بچوں جیسا نہیں سوچ سکتی تھی۔

جیسے ہی اس نے ضرار کو دیکھا، اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے خوشی کے مارے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں بجائے۔ وہ ہر بار ضرار کو دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجانے لگتی تھی۔

"ضرار بھائی!" وہ خوشی سے بولی اور فوراً اٹھ کر اس کے پاس آگئی۔ ضرار بھی ہولے سے مسکرایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا،

"کیا حال ہے میری میرا کا؟" اس نے اپنا سر ضرار کے ہاتھ کے نیچے مزید جھکا دیا۔

اُسے پیار کرنے کے بعد، ضرار ممانی کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا،

"ممانی... ماموں کہاں ہیں؟ نظر نہیں آرہے۔" اُس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی تھی جبکہ اُس کی نگاہیں ڈرائنگ روم کے خالی گوشوں کا طواف کر رہی تھیں۔ ممانی نے ایک طویل اور گہرا سانس لیا اور جواب دیا،

"آفس گئے ہیں بیٹا، ابھی تک واپس نہیں آئے۔"

ان کے ماتھے پر موجود فکر کی لکیریں گواہ تھیں کہ وہ ماموں کے لیٹ ہونے پر بے حد مضطرب تھیں۔ ضرار نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اور پھر اُس نے اپنی آستین کو تھوڑا پیچھے سرکا کر وقت کا جائزہ لیا۔

"اوہ... ابھی تک نہیں آئے۔

"وہ مستغرق سا ہوتا بولا تھا۔ یہ کہتے ہی اُس کی نظریں چند لمحوں کے لیے دروازے کی طرف اٹھ گئیں... گویا وہ کسی اور کے آنے کا بھی انتظار کر رہا تھا۔ اُس کے ماموں کے علاوہ کوئی اور وجود بھی تھا جس کی آہٹ سننے کے لیے اُس کے اعصاب بیدار اور منتظر تھے۔

ضرار جو ممانی کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا، اُس کی نظریں بار بار اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا، مگر کسے؟ یہ تو ضرار ہی جانتا تھا۔

اُس نے ایک بار ڈرائنگ روم پر نظر دوڑائی، پھر ہال کی طرف دیکھا، جسے وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے وہ پھر بھی پر سکون نہیں تھا اور ممانی جان کی باتوں کا جواب دینے کے دوران بھی رہ رہ کر راہداری کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ "ممانی... ماہم اور مریم کہاں ہیں؟ ابھی تو میرے ساتھ اندر آئی تھیں۔" ضرار پریشان سا ہوتا آخر کار پوچھنے لگا، ممانی نے بھی چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"ہاں... ابھی تو یہی تھیں۔" ان کے ماتھے پر بھی یکدم حیرت کے بل ابھر آئے۔ اتنے میں میرا معصومیت سے بولی،

"وہ... وہ دونوں اندر گئی تھیں۔" اُس نے اپنی چھوٹی انگلی سے سیڑھیوں کے پار بنے کمروں کی سمت اشارہ کیا تھا۔

ضرار کو تھوڑا سکون ملا اور پھر وہ صوفے سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا، اُس کی نظریں چھت پر تھیں اور پھر اُس نے اپنی پلکیں موند لیں، وہ افکار کے سمندر میں اترا تھا، وہ مریم کے بارے میں سوچ رہا تھا اور وہ مریم کی اعصابی کیفیت سے بخوبی واقف تھا۔

اصل میں جیسے ہی وہ گھر کے اندر آئے تھے، مریم کی حالت دوبارہ عجیب سی ہونے لگی تھی۔ باہر کے سارے ہنگامے، لوگوں کا ہجوم، پولیس کی باتیں، اچانک حادثہ... یہ سب شاید ابھی تک اُس کے ذہن سے نہیں نکلا تھا۔

ڈرائنگ روم میں پھیلی روشنی ضرار کو کاٹنے کو دوڑ رہی تھی۔

اُدھر مریم کو ابھی بھی وہی سب یاد آ رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا، پھر خاموشی سے ماہم کی طرف دیکھا۔ گھنگریالے بالوں والی ماہم پرسکون تھی اور تھکی ہوئی بھی، وہ اندر آتے ہی بیڈ پر نڈھال ہو گئی تھی۔

ماہم کے بال گھنگریالے تھے، رنگت سفید اور آنکھیں بھوری، وہ کافی خوبصورت تھی۔ جبکہ مریم کے بال سیدھے تھے، وہ بھی پیاری تھی لیکن ماہم جتنی نہیں۔

"میں... میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔" مریم کی آواز بہت دھیمی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُس کے اندر بولنے کی سکت بھی دم توڑ چکی ہو۔ ماہم فوراً بیڈ پر اٹھ بیٹھی اور اُس کے قریب آئی۔ اُس نے مریم کے ٹھنڈے پڑتے ہوئے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لیا۔

"مریم؟ تم ٹھیک ہو؟" مریم نے بس سر ہلایا۔ مگر اُس کے چہرے کی زردی اور آنکھوں کی گھبراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ حادثہ اتنا بڑا تو نہیں تھا پھر جانے کیوں اُس کی حالت اتنی غیر ہو رہی تھی۔

اور پھر اِس سے پہلے کہ ماہم مزید کچھ پوچھتی، مریم آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی، وہ پہلے ہی اپنے کمرے میں جانے والی تھی لیکن بے خیالی میں ماہم کے ساتھ اُسی کے کمرے میں آ گئی تھی اور اب جب یاد آیا تو وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی۔

ماہم نے اُسے جاتے دیکھا اور ایک لمبا سانس لیا۔ اُس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا تاکہ اپنے بڑھتے ہوئے تفکرات کو دبا سکے۔ وہ جانتی تھی کہ مریم کو اِس وقت سکون کی اشد ضرورت ہے۔ اسی لیے وہ سیدھا کچن کی طرف چلی گئی تاکہ مریم کے اکھڑے ہوئے حواس کو بحال کرنے کے لیے کچھ تیار کر سکے۔

کچن میں داخل ہوتے ہی اُس نے اپنی آستینیں اوپر کیں اور خود کو کام میں مصروف کر لیا۔

"اتنی دیر سے سب پریشان رہے ہیں... کم از کم اب چائے ہی بنا دیتی ہوں۔" اُس نے اپنے بکھرے ہوئے گنگریالے بالوں کو پیچھے جھٹکا اور اپنی ساری توجہ اعصاب کو سکون دینے والے اِس روایتی کام پر مرکوز کر دی۔ اُس نے کیتلی چولہے پر رکھی، چائے چڑھائی اور ساتھ ہی جلدی جلدی کھانے کی تیاری کرنے لگی۔ کچن میں برتنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں جبکہ دوسری طرف ڈرائنگ روم میں ضرار اب بھی خاموش بیٹھا تھا۔ وہ اپنی انگلیوں کی پوروں کو

صوفے کے بازو پر بے ترتیبی سے مار رہا تھا۔

ممانی نے ضرار کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا، ان کی تجربہ کار نگاہوں نے ضرار کی اِس ظاہری خاموشی کے پیچھے چھپے طوفان کو پل بھر میں بھانپ لیا۔

"خیر تو ہے بیٹا؟" انہوں نے پوچھا۔ ان کا لہجہ دھیما مگر استفسارانہ تھا۔ "جی؟" ضرار نے فوراً اپنے چہرے کے تاثرات کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کی، مگر ممانی نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔ ان کے ابرو پر شکوک کے بل گہرے ہو گئے۔

"تم سب کے چہرے اترے ہوئے کیوں ہیں؟ اور مریم بھی نظر نہیں آ رہی۔ ہوا کیا ہے؟" ان کے اِس اچانک استفسار پر ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ضرار نے ایک عمیق سانس لیا۔ وہ جانتا تھا اگر اصل بات اچانک بتا دی تو ممانی اور زیادہ پریشان ہو جائیں گی۔

وہ اب اپنے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دینے لگا اور اپنے لہجے کو حد درجہ پرسکون بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے نرم لہجے میں کہنے لگا۔

"کچھ خاص نہیں ممانی... راستے میں تھوڑا سا مسئلہ ہو گیا تھا۔"

"کیسا مسئلہ؟" ان کی آواز میں اب ماؤں والی گھبراہٹ کا عنصر شامل ہونے لگا تھا۔ ممانی اُسی وقت تفتیش کا آغاز کر دیتیں جب وہ تینوں ساتھ میں گھر میں داخل ہوئے تھے، لیکن وہ اپنے شوہر کے لیٹ ہونے پر پریشان تھیں، اِس لیے غور نہیں کر پائیں۔

"بس... گاڑی کا ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"کیا؟۔۔۔!"

ضرار کے لفظ سماعت سے ٹکراتے ہی ممانی تقریباً گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کا ہاتھ بے اختیار ان کے سینے پر جا ٹکا تھا اور چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"یا اللہ خیر! کس کو چوٹ لگی؟"

ان کی آواز خوف کے مارے لرزنے لگی تھی۔ مدمقابل کو اِس حد تک مضطرب دیکھ کر ضرار فوراً بولا،

"نہیں نہیں، سب ٹھیک ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں ہوا۔ بس معمولی سا مسئلہ تھا۔" اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر انہیں تسلی دینے کی کوشش کی، مگر "ایکسیڈنٹ" کا سنتے ہی ممانی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مامتا کا خوف اب ان کے پورے وجود پر حاوی ہو چکا تھا۔

"مریم کہاں ہے؟" ان کی آواز میں پریشانی صاف تھی۔ "مریم!"

ان کی پکار ڈرائنگ روم کے در و دیوار سے ٹکرا کر راہداری کی طرف گئی، ان کے چہرے کی جھریاں خوف سے متزلزل ہوا اٹھی تھیں، اُنہیں اب مریم کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ اُنھوں نے پھر دوبارہ پکارا "مریم بیٹا!" اِس بار اوپر کمرے میں بیٹھی مریم چونک گئی۔ ماں کی پکار اُس کے کانوں سے ٹکرائی تو اُس کا پورا وجود لرز اٹھا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور ایک عمیق سانس لے کر خود کو پر سکون کیا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ باہر جائے اور ضرار اُسے اِس حالت میں دیکھے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی... اب سوال بھی ہوں گے اور ڈانٹ بھی پڑھے گی۔ ملامت کا یہ خوف اُسے اور نڈھال کر گیا۔

"مریم!" ممانی کی دوبارہ آواز آئی تھی۔

اِس بار مریم نے عجلت دکھائی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اُس کے سرنگوں سراپے اور زمین پر گھسٹتے قدموں سے اُس کی اندرونی ندامت صاف عیاں تھی۔ جیسے ہی ماں کی نظر اُس پر پڑی، وہ فوراً اُس کے قریب آئیں۔

"یہ سب کیا سنا میں نے؟" مریم خاموش رہی۔ جبکہ لب دانتوں تلے دبائے مریم نے نظریں جھکا لیں، اُس کی کاجلی آنکھیں فرش پر گڑ کر رہ گئیں، اتنے میں ماہم بھی کچن سے باہر آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں اب بھی کچن کا رومال تھا، وہ پل بھر میں ہی مریم کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔ ممانی نے ایک نظر ماہم کو دیکھا، پھر دونوں کو، ان کے تیور اِس وقت سخت گیر منصف جیسے تھے۔

"تم دونوں کو کتنی بار کہا ہے؟ اکیلے باہر مت جایا کرو!"

مواخذے کے اِس کڑے رخ پر دونوں خاموش کھڑی رہیں۔ "اگر آج خدانہ کرے کچھ ہو جاتا تو؟" ان کے اِس خوف زدہ لہجے پر ماہم نے آواز کو دھیما رکھتے ہوئے بولنا شروع کیا:

"امی... غلطی ہماری..."

"بالکل خاموش!" امی نے بات کاٹ دی۔ ان کی جلال سے بھرپور آواز نے ماہم کی مدافعت کو وہیں دفن کر دیا۔ "آج کے بعد تم دونوں کہیں نہیں جاؤ گی۔ سمجھیں؟ کہیں بھی نہیں!"

یہ صیغۂ آمرانہ سن کر ماہم نے فوراً منہ بنایا، اُس نے خفگی سے اپنے ابرو کو سکیڑا۔

"یہ تو زیادتی ہے..." اُس نے حد درجہ دھیمی، بڑبڑاتی ہوئی آواز میں احتجاج کرنا چاہا، آخر امی کے سامنے کس کی جسارت ہوتی ہے بولنے کی؟ ان میں بھی نہیں تھی۔ ایک طرف مریم سر جھکائے کھڑی تھی، دوسری طرف ماہم

خاموشی سے ہونٹ سکیڑے ہوئے تھی اور ضرار... وہ چند قدم دور کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کی کلاس لگتی دیکھ مسکرا رہا تھا۔ اُس کے پُر کشش رخساروں پر ابھرنے والی وہ شوخ مسکراہٹ اور اُس کی نیلی آنکھوں کا چھوٹا ہونا ماہم نے دیکھا تھا اور پھر اُسے طیش آیا تھا۔

ماہم کی نظریں بار بار ضرار پر تھیں، وہ ضرار کو اِس انداز سے گھور رہی تھی، جیسے اگر نظروں سے کسی کو سزا دی جا سکتی تو ضرار کو وہ کب کی سزا دے چکی ہوتی۔

اُس کے چہرے پر واضح ناراضی تھی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ اگر ضرار امی کو ساری بات بتا تا تو شاید اتنی ڈانٹ نہ پڑتی۔ وہ بازو باندھے کھڑی تھی اور دل ہی دل میں بڑبڑاتی جا رہی تھی۔

"سب ان کی وجہ سے ہوا ہے... بالکل ضرورت نہیں تھی اتنی الٹی سیدھی بات بتانے کی، بتانا ہی تھا تو سب سچ سچ بتا دیتا!"

اُس نے اپنے پیر کے انگوٹھے سے قالین کے ریشوں کو بے رحمی سے مسلا، وہ قالین پر غصہ نکال رہی تھی، جبکہ ضرار نے نہایت لاپروائی سے اپنی شرٹ کے واحد بٹن کو درست کیا اور اُس کے غصے کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اُس نے آہستہ سے گلا صاف کیا اور ممانی کی طرف دیکھ کر بولا،

"اچھا ممانی جان، اب اجازت دیں۔ مجھے اب آفس جانا ہے، کچھ ضروری کام باقی ہیں۔" اُس کے نپے تلے اور سنجیدہ لہجے میں دفتری مصروفیات کا عذر واضح تھا۔

ممانی نے فوراً اُسے دیکھا۔ ان کے چہرے پر لاڈلے بھانجے کی یکدم رخصتی پر ملال ابھر آیا۔ "اتنی جلدی؟ بیٹا کم از کم چائے تو پی لو۔"

"نہیں ممانی، پھر کبھی سہی۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔"

اُس کے حتمی لہجے کو بھانپتے ہوئے ممانی نے شفقت سے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، اپنا خیال رکھنا۔" ضرار نے ہولے سے مسکراتے ہوئے سر ہلایا، پھر ایک نظر کمرے میں سب پر ڈالی۔ اُس کی نظریں ایک لمحے کے لیے مریم پر ٹھہریں، جو اب بھی خاموش کھڑی تھی۔ پھر ماہم پر، جو اب بھی اُسی خفگی سے اُسے گھور رہی تھی۔ اُس کے نتھنے اب بھی غصے سے پھول رہے تھے اور بازو بدستور سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے اُسے دیکھتا رہا، پھر ہولے سے مسکرایا۔ اُس کا یہ آخری تبسم ماہم کو زچ کرنے کے لیے کافی تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کے چوڑے شانوں کی متوازن حرکت اور جوتوں کی چاپ راہداری میں گونجتی چلی گئی۔ چند ہی لمحوں بعد اُس کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر

آہستہ آہستہ وہ وہاں سے چلا گیا۔ انجن کی وہ مدہم ہوتی ہوئی گھن گرج بیرونی گیٹ کے پار فضا میں تحلیل ہو گئی۔
گھر میں ایک لمحے کے لیے عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ یہ وہ بوجھل سکوت تھا جو طوفان کے دوبارہ عود کر آنے کا پتہ دیتا ہے۔ لیکن جیسے ہی دروازہ بند ہوا، امی جان نے فوراً اپنی دونوں بیٹیوں کی طرف رخ کیا۔ ان کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں، انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کمر پر ٹکاتے ہوئے دونوں مجرموں کو اپنی عقابی نظروں کی قید میں لے لیا، جہاں اب باقاعدہ عدالتی کارروائی کا آغاز ہونا تھا۔

"امی..." ماہم نے پھر سے کچھ بولنا چاہا۔

"چپ!" امی نے فوراً بات کاٹ دی۔

"تم دونوں کو ذرا بھی احساس ہے؟ اگر آج کچھ ہو جاتا تو؟ تم لوگوں کو لگتا ہے زندگی مذاق ہے؟ جہاں دل چاہا نکل گئیں، جو دل چاہا کر لیا!"

"لیکن امی غلطی...."

"کوئی لیکن ویکن نہیں!" اِس بار ان کی آواز ذرا سخت تھی۔

ان کے بھینچے ہوئے لب اور اٹھتی ہوئی انگلی اِس بات کا ثبوت تھیں کہ وہ اب مزید کوئی عذر سننے کے موڈ میں بالکل نہیں تھیں۔ دوسری طرف میرا اِن سب سے بالکل بے خبر فرش پر بیٹھی اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ کبھی گڑیا کو اٹھاتی، کبھی اُس کے بال سنوارتی، پھر خود ہی ہنسنے لگتی۔ اُس کی معصوم آنکھوں میں دنیا کے اِن تفکرات کا کوئی عکس نہ تھا، وہ اپنے ہی ریشمی بالوں کو جھٹکتی ہوئی اونی قالین پر بیٹھی اپنی ہی بنائی ہوئی جنت میں مگن تھی۔

چند لمحے بعد وہ خوشی سے اپنی امی کے پاس آئی اور ان کے بازو کو ہلاتے ہوئے بولی،

"امی... دیکھیں نا میری گڑیا سو گئی!"

اُس کا اندازِ تخاطب حد درجہ توتلا، چلبلا اور معصومیت سے لبریز تھا۔ اُس کی آواز سنتے ہی کمرے کا ماحول جیسے ایک لمحے کے لیے بدل گیا۔ فضا کا وہ تمام حبس اور تناؤ پل بھر میں کافور ہو گیا۔ امی نے اپنی بات روک دی۔ ان کے ابرو کے بل یکدم غائب ہو گئے، انہوں نے جھک کر میرا کے گال کو پیار سے چھوا۔ "اچھا؟ واقعی سو گئی؟" ان کا لہجہ یکدم شیریں و شفیق ہو گیا تھا۔ میرا فوراً خوشی سے سر ہلانے لگی۔ اُس کے چہرے کی چمک اور کھلکھلاہٹ پورے کمرے کی رونق بن گئی۔ اور وہیں کھڑی ماہم نے آہستہ سے سکون کا سانس لیا۔ اُس نے اپنے بندھے ہوئے بازو کھولے اور اِس ناگہانی عتاب کے ٹلنے پر اپنی آنکھیں موند لیں، وہ جانتی تھی... اِس گھر میں اگر کسی کے پاس امی کا غصہ ختم کرنے کی طاقت تھی... تو وہ صرف میرا تھی۔ مریم نے بھی سر اٹھا کر ایک تشکر آمیز نگاہ اپنی اِس چھوٹی معصوم بہن پر ڈالی۔

☆☆☆

کھڑکی کے باہر دسمبر کی یخ بستہ ہوا پتے اڑا رہی تھی، کافی ہاؤس کے اندر کا ماحول گرم اور پر سکون تھا۔ دیوار کے ساتھ لگی بڑی شیشے کی کھڑکی کے پاس رکھی لکڑی کی میز پر وہ دونوں موجود تھے۔ مناہل نے اِس شام زرد چنبہ رنگ کی دست دوز چکن کاری والی کُرتی کے ساتھ چست پاجامہ پہن رکھا تھا، جس پر چکن کاری کے دھاگے اُس کے پروقار انداز کو ابھار رہے تھے، جبکہ زہیر سرمئی رنگ کے پشمینہ پشمی ہائی نیک اور سیاہ پتلون میں ملبوس تھا، جو اُس کے مزاج پر جچ رہی تھی۔ میز پر رکھے دو سیرامک مگ سے اٹھتی گرم کافی کی بھاپ فضا میں لہراتی، تو ان کے چہروں کے درمیان دھندلا سا پردہ تان دیتی۔

زہیر کے داہنے ہاتھ کی انگلیاں کپ کے گرد جمی تھیں، مگر اُس کی گہری نظریں مستقل مناہل کے چہرے کے نقوش کا طواف کر رہی تھیں۔ مناہل نے جب اپنے دائیں ہاتھ کی نازک انگلیوں سے مگ کا ہینڈل تھام کر اُسے ہونٹوں سے لگایا، تو زہیر کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ مناہل نے کپ واپس ٹرے پر رکھا اور اپنی لمبی پلکوں کو جھکا کر میز کی سطح کو تکنے لگی، وہ زہیر کی نظروں کو اپنے گالوں پر محسوس کر رہی تھی، جہاں اب ارغوانی ابھر آئی تھی۔

آس پاس برتنوں کے ٹکرانے اور لوگوں کی دھیمی گنگناہٹ کا شور تھا، مگر ان دونوں کے گرد ایک گہرا سکوت تھا، جس میں صرف ان کے سانسوں کا اتار چڑھاؤ سنائی دے سکتا تھا۔ زہیر نے میز پر تھوڑا آگے جھکتے ہوئے، اپنی آواز کو جذبات سے بوجھل اور دھیما کیا۔

"تمہیں پتا ہے؟" مناہل نے جھکی ہوئی پلکیں یکدم اٹھائیں، اُس کی سیاہ آنکھوں میں حیرت تھی۔ "کیا؟"

زہیر نے جواب دینے میں چند سیکنڈ کی تاخیر کی، وہ اُس کے چہرے کے تاثر کو اپنے اندر اتار رہا تھا۔ اُس کی نظریں مناہل کی آنکھوں میں پیوست تھیں جب اُس نے انتہائی دھیمے لہجے میں اعتراف کیا۔

"مجھے تمہیں دیکھنے کی عجیب سی عادت ہو گئی ہے۔" اِس جملے کا سننا تھا کہ مناہل کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے گھبرا کر فوراً اپنی نظریں زہیر کے چہرے سے ہٹائیں اور نیچے جھکا لیں۔ شرم کی حنائی رنگت اُس کے گالوں سے ہوتی ہوئی کانوں کی لو تک پھیل گئی۔ اپنے اِس اضطراب کو چھپانے کے لیے اُس نے کپ کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔

زہیر مسکرا دیا، وہ جانتا تھا کہ جب بھی مناہل شرماتی تھی تو اُس کی آنکھیں فوراً جھک جایا کرتی تھیں۔ وہ اُس کی ہر چھوٹی بات نوٹ کرتا تھا، ہر انداز، ہر عادت... شاید اِسی لیے کیونکہ مناہل اُس کے لیے بہت خاص تھی۔

مناہل خوبصورت تھی، بلکہ زہیر کے نزدیک تو کم از کم بہت حسین تھی۔ زہیر گندمی رنگت کا لڑکا تھا، جس کی

مختصر سی داڑھی تھی۔ عام سا مرد تھا اور قوام بھی اتنا اونچا نہیں تھا۔ ہاں، مناہل کے ساتھ کھڑا ہوتا تو اُس کے برابر لگتا تھا۔

کافی ہاؤس کی کھڑکی سے باہر شام آہستہ آہستہ رات میں بدل رہی تھی، جبکہ ان دونوں کے لیے وقت رک سا گیا تھا۔ زہیر کی نظریں اب بھی ہر چند لمحوں بعد مناہل کی طرف اٹھ جاتی تھیں، اُس کا دل ہر بار اُسے نئے انداز سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کے چہرے کے خوبصورت نقوش، پیشانی پر گرے چنبہ رنگ کی کرتی سے میچ کرتے ہوئے چند بالوں کے لچھے اور اُس کی آنکھوں میں نمودار ہوتی ہوئی محبت کو دیکھ رہا تھا۔

زہیر اور مناہل دونوں ایک دوسرے کی باتوں میں اِس قدر کھو گئے تھے کہ ان کے آس پاس کی آوازیں مدھم پڑ چکی تھیں، وہ اپنی ہی دنیا میں مگن تھے۔ مناہل کے داہنے ہاتھ کی نازک انگلیاں لکڑی کی میز پر پڑے کپ کے کنارے کو آہستہ سے چھو رہی تھیں۔ تبھی اچانک زہیر کا موبائل بج اٹھا۔ اِس اچانک گونجتی گھنٹی نے دونوں کے حواس کو بحال کیا۔ پھر زہیر نے چونک کر میز پر سے فون اٹھایا، اسکرین پر نظر پڑتے ہی اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ "بتول کالنگ..." اسکرین پر لکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے فوراً کال ریسیو کی، فون کو دائیں کان سے لگاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے مگ کو تھوڑا پرے سرکایا اور کرسی کی پشت پر اپنے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔

"ہاں بتول، بولو؟" زہیر نے پرسکون لہجے میں کال کرنے کی وجہ پوچھی تھی۔ اُس کے بولنے کا انداز نہایت دھیما، اپنائیت سے بھرپور تھا، جس میں کسی قسم کی بیزاری کا شائبہ تک نہ تھا۔ دوسری طرف سے بتول کی جلدی بھری آواز آئی، "بھائی! امی کی دوائی ختم ہو گئی ہے، پلیز واپسی پر لیتے آئیے گا..."

بتول کی بات سن کر زہیر نے ایک عمیق سانس اندر کھینچا۔ "اچھا ٹھیک ہے، لے آؤں گا۔" فون کی اسکرین خاموش ہوئی تو اُس نے اُسے واپس میز کی سطح پر رکھ دیا۔ کال ختم ہوتے ہی مناہل نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس نے اپنی ٹھوڑی کو ہلکا سا جھکایا، اُس کی سیاہ آنکھیں اب جھجک کے بغیر زہیر کے چہرے پر ابھرتی تذبذب کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"سب خیریت ہے؟" مناہل نے پوچھا تو زہیر نے مسکرا کر سر ہلایا اور بولا، "ہاں، بس گھر سے یاد دہانی کی کال تھی۔" مناہل خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی، جبکہ زہیر دوبارہ اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

رات کے وقت سب لوگ طعام کی میز پر اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ گھر کا ماحول کافی پُرسکون تھا۔ تب تک عبدالرحمان بھی گھر واپس آ چکے تھا۔ کھانے سے اٹھتی مہک فضا میں رچی تھی۔ عذرا کی نظر بار بار ماہم اور مریم پر جا

رہی تھی، دن میں جو حادثہ ہوا تھا، اُس کے بعد وہ اب بھی اندر ہی اندر پریشان تھیں۔ وہ سفید رنگ کی چکن کاری کی قمیض اور شلوار میں ملبوس تھیں، اُن کے چہرے کی لکیریں بے چینی کو چھپا نہیں پا رہی تھیں۔

مریم خاموشی سے اپنی پلیٹ میں کھانا کھا رہی تھی، اُس کا دایاں ہاتھ نوالہ توڑتے ہوئے کانپ رہا تھا اور سر جھکے ہونے کے باعث اُس کے بال چہرے کے ایک حصے کو چھپائے ہوئے تھے۔ جبکہ ماہم اُس کے ساتھ بیٹھی کبھی اُس کی طرف دیکھتی اور کبھی نظریں چرا لیتی۔ ماہم نے نیلے رنگ کا کُرتا اور سفید شلوار پہن رکھی تھی، اُس کی انگلیاں بار بار اپنے پانی کے گلاس کے کناروں کو چھوتیں تو کبھی اُس کی چور نظریں مریم کی خیریت جاننے کی تگ و دو میں مصروف تھیں۔ پورے دن کی تھکن اور حادثے کی وجہ سے دونوں کچھ زیادہ بول نہیں رہے تھے۔ عبدالرحمان نے پانی کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کے سنجیدہ نقوش پر مہر و محبت ابھری اور پھر انہوں نے اپنی بھاری آواز کو انتہائی دھیما اور گداز کیا۔

"اوہ... یہ کیا ہو گیا بیٹا؟" مریم نے آہستہ سے نظریں جھکا لیں۔ اُس کی پلکیں لرزیں اور اُس نے نوالہ توڑنا روک کر اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے تھے۔

عبدالرحمان نے پیار بھرے انداز میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا، "بیٹا، اگلی بار کے لیے خیال رکھا کرو۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ انسان کو ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیے۔" مریم نے خاموشی سے سر ہلایا۔

اُس کے چہرے پر اپنے والد کے اِس مشفقانہ انداز کے لیے تشکر کا تاثر ابھرا تھا۔

عذرا رحمان بھی ایک عمیق سانس لیتے ہوئے بولیں، "آج تو میری جان ہی نکل گئی تھی۔ جب حادثے کی خبر سنی تو دل جیسے رک سا گیا تھا۔" پورا طعام کی میز والا ہال چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ صرف چمچوں کے ٹکرانے کی دھیمی سی آواز اِس سکوت کو چھو رہی تھی۔ تبھی عبدالرحمان نے میز پر موجود سب لوگوں کا جائزہ لیتے ہوئے ایک خالی کرسی کی طرف دیکھا۔

"اقراش کہاں ہے؟" اُن کی بات سن کر عذرا نے جواب دیا، "اپنے دوستوں کے ساتھ ہو گا اور کہاں ہو گا؟" انہوں نے اپنے بولنے کے انداز میں بیزاری اور ملال کو سمویا، وہ اقراش کی اِس لاپروائی سے پہلے ہی نالاں تھیں۔

☆☆☆

رات کے تقریباً دس بج چکے تھے۔ گھر کے ڈرائنگ روم میں عجیب سی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ گھڑی کی ٹِک ٹِک خاموش ماحول میں اور زیادہ نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔ قدسیہ نے جامنی رنگ کی اونی شال کاندھوں پر لپیٹ رکھی تھی، وقت کی یہ سست رفتاری اُن کے وجود میں سردی گھول رہی تھی۔ اُن کے چہرے پر موجود جھریاں اور دباؤ کے

نشانات اُن کے اندرونی انتشار کا پتا دے رہے تھے۔ قدسیہ بار بار دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھتیں اور پھر دروازے پر نظریں جما دیتیں، جیسے اگلے ہی لمحے دروازہ کھلے گا اور وہ دونوں اندر آ جائیں گے۔

اُن کے چہرے پر صاف پریشانی جھلک رہی تھی۔ دوسری طرف بتول بھی مسلسل بے چین بیٹھی تھی۔ بتول نے پستئی رنگ کا کتان کا سوٹ پہن رکھا تھا، وہ صوفے کے کونے پر کبھی اپنے پاؤں سکیڑتی اور کبھی اپنے ناخنوں کو دانتوں سے کترنے لگتی، تو کبھی موبائل ہاتھ میں لیتی اور کبھی دروازے کی طرف دیکھنے لگتی۔ اُس کی پشت صوفے سے لگی تھی مگر گردن بار بار دہلیز کی سمت مڑ جاتی۔

آخر کار قدسیہ نے پریشان لہجے میں کہا، "بتول! ایک بار ان دونوں کو کال کرو۔ اتنی دیر ہو گئی ہے، ابھی تک آئے کیوں نہیں؟ میرا دل گھبرا رہا ہے۔" اُن کا کہنا تھا کہ بتول نے فوراً موبائل اٹھایا اور زہیر کا نمبر ملایا۔ چند لمحے اسکرین کو دیکھتی رہی، مگر پھر اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اُس کی بھنویں تن گئیں اور اُس نے ہونٹ کو سختی سے بھینچ لیا۔

"امی... فون بند آ رہا ہے۔" یہ سن کر قدسیہ کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ انہوں نے تسبیح پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ کی گرفت کو سخت کر لیا اور صوفے پر تھوڑا آگے کو سرک گئیں۔ "بند؟ اتنی رات گئے فون کیوں بند ہے؟ اللہ خیر کرے..." بتول نے دوبارہ کوشش کی، پھر ضرار کا نمبر ملایا، لیکن وہاں بھی وہی حال تھا۔ دونوں کے فون مسلسل بند جا رہے تھے۔ اب بتول بھی پریشان ہونے لگی تھی، وہ مسلسل اپنے پاؤں کا انگوٹھا فرش پر ٹک ٹک کر رہی تھی۔

قدسیہ دل ہی دل میں مختلف سوچوں میں گم تھیں۔ اُن کے ذہن میں بے شمار خدشات آ رہے تھے۔ ہر گزرتا لمحہ جیسے قرنوں پر بھاری لگ رہا تھا۔

تقریباً دس پندرہ منٹ مزید گزرے ہی تھے کہ اچانک باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ اِس بریک کی چوں اور انجن کے بند ہونے کی آواز نے ڈرائنگ روم کی اِس دم گھٹو خاموشی کو ایک ہی جھٹکے میں پاش پاش کر دیا۔ بتول فوراً اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی جبکہ قدسیہ بھی جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ ان کے ہاتھ سے تسبیح صوفے پر جا گری اور وہ اپنی شال کو سنبھالتی ہوئی تیز قدموں سے دہلیز کی سمت بڑھیں۔

دروازہ کھلا اور سامنے زہیر اور ضرار کھڑے تھے۔ باہر کی سرد رات کی ہوا ان کے کپڑوں سے چھو کر اندر داخل ہوئی۔ ضرار نے سیاہ رنگ کی کپاس شرٹ اور سفید شلوار پہن رکھی تھی، شرٹ کے کالر تھوڑے سے مڑے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر تھکن واضح تھی۔ ان کی آنکھوں کے نیچے سیاہ سائے ابھر آئے تھے اور کندھے بوجھل تھے۔

انہیں دیکھتے ہی قدسیہ نے سکون کا سانس لیا، لیکن اگلے ہی لمحے پریشانی غصے میں بدل گئی۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کولہے پر رکھے اور بھنویں تان لیں۔ "کہاں تھے تم دونوں؟ اندازہ ہے کتنی فکر ہو رہی تھی؟ فون بند تھے تمہارے!"

زہیر نے تھکے ہوئے انداز میں گردن کے پیچھے ہاتھ پھیرا، وہ اِس مواخذے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔

"امی، آفس میں اچانک بہت کام آ گیا تھا۔ ضرار بھی ساتھ تھا، تو ہم دونوں نے مل کر کام مکمل کیا۔ اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔" ضرار نے بھی سر ہلا کر زہیر کی بات کی تائید کی۔ ضرار نے دیوار سے ٹیک لگائی اور اپنی تھکی ہوئی آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت تھک گیا تھا اور اوپر سے قدسیہ نے دروازے پر ہی استفسار شروع کر دیا تھا۔

قدسیہ نے ایک عمیق سانس لی۔ ان کے غصے کی شدت اب تھوڑی مدھم پڑی، مگر لہجے کا اکھڑپن ابھی برقرار تھا۔ "کم از کم ایک فون ہی کر دیتے۔ یہاں ہماری جان نکلی ہوئی تھی۔" زہیر شرمندگی سے مسکرایا۔ اُس نے اپنی نظریں نیچے جھکا لیں اور دائیں پاؤں کے جوتے کو بائیں پاؤں سے ہلکا سا رگڑا۔

"سوری امی... کام میں اتنا مصروف ہو گیا کہ خیال ہی نہیں رہا۔"

تبھی بتول نے مداخلت کی۔ "آپ دونوں ہاتھ منہ دھو لیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔" ضرار نے شکر کا سانس لیا اور پھر دونوں اندر داخل ہو گئے۔

کچھ دیر بعد دونوں اوپر جا کر تازہ دم ہو کر واپس آئے تو طعام کی میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ زہیر نے اب سادہ سفید کُرتا پہن لیا تھا، اُس کے گیلے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ کھانے کے دوران اچانک زہیر کو کچھ یاد آیا، تو اُس نے فوراً اپنے ساتھ رکھا شاپر اٹھایا اور قدسیہ کی طرف بڑھا دیا۔ "امی، آپ کی دوائیاں۔" قدسیہ نے حیرانی سے شاپر لیا۔ ان کی انگلیاں دوا کے پتوں پر مڑیں۔ "مجھے تو یاد بھی نہیں رہا تھا۔" زہیر ہولے سے مسکرایا اور پھر بتول کی طرف دیکھ کر بولا، "بتول، پلیز امی کو وقت پر دوائیاں دے دینا۔ تب تک ہم دونوں کھانا کھا لیتے ہیں، پھر آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

بتول نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُس نے میز پر رکھی پانی کی صراحی کو سنبھالا اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں فخر لیے اپنے بھائیوں کو دیکھنے لگی۔

کئی گھنٹوں کی پریشانی کے بعد اب گھر کا ماحول آہستہ آہستہ دوبارہ معمول پر آ رہا تھا۔ قدسیہ کے چہرے پر اب سکون تھا، کیونکہ ان کے اپنے گھر واپس آ چکے تھے۔ ان کی تسبیح کے دانے اب بہت دھیمی رفتار سے ان کے انگوٹھے کے نیچے گھوم رہے تھے، جو دل کے اطمینان کا پتا دے رہے تھے۔

وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے جبکہ قدسیہ اور بتول ایک طرف بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔
ضرار نے نوالہ توڑتے ہوئے اپنی تھکی ہوئی گردن کو دائیں بائیں گھمایا اور اُسے پر سکون کرنا چاہا۔ جبکہ زہیر نے چکن کاری کی کرتی والی مناہل کے ساتھ بیتے اُس خوبصورت لمحے کو یاد کرتے ہوئے اپنی پلیٹ میں دھیان لگا لیا۔
اچانک قدسیہ نے ایک عمیق سانس لی اور مسکراتے ہوئے بولیں، "میں ایک بات سوچ رہی تھی..." سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ نوالے ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔
ضرار نے فوراً اپنے دونوں ہاتھ طعام کی میز کی سطح پر ٹکا دیے اور آگے کو جھک گیا۔ "کیا سوچ رہی ہیں امی؟" قدسیہ کے چہرے پر ہولے سے مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے اپنے کاندھوں پر موجود اونی شال کو درست کیا اور مزید بولنے لگیں۔
"میں چاہتی ہوں کہ اب میرے دونوں بیٹے کامیاب ہو چکے ہیں، اپنا کاروبار سنبھال رہے ہیں، اپنی زندگی میں سیٹل بھی ہو گئے ہیں... تو اب ان دونوں کی شادی بھی کر دینی چاہیے۔" یہ سنتے ہی زہیر، جو سکون سے کھانا کھا رہا تھا، اچانک بری طرح کھانسنے لگا۔ اُس کا نوالہ حلق میں پھنس گیا، چہرہ یکدم سرخی مائل ہوا اور پھر اُس نے گھبرا کر اپنے بائیں ہاتھ سے سینے کو دبا لیا، جبکہ اُس کی چور نظریں بتول کے چہرے پر پڑیں جو اُس کے دل کا راز جانتی تھی۔ "کھ... کھ..." نوالہ جیسے سیدھا اُس کے گلے میں پھنس گیا تھا۔ "ارے زہیر!" بتول فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور جلدی سے پانی کا گلاس اُس کی طرف بڑھایا۔ اُسے بھائی کی اِس اچانک کھانسی کا راز خوب پتا تھا۔ "آرام سے!" اُس نے زہیر کو گلاس پکڑایا تو زہیر نے جلدی سے پانی پیا اور ایک عمیق سانس لی۔ اُس نے خالی گلاس کو کانپتے ہاتھوں سے میز پر رکھا۔
جبکہ اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اُس کی حالت صرف نوالہ پھنسنے کی وجہ سے خراب نہیں ہوئی تھی۔ اُس کی رنگت اڑ چکی تھی اور وہ کرسی پر بالکل ساکت ہو گیا تھا، جیسے روح ہی فنا ہو گئی ہو۔ بتول نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا مگر خاموش رہی۔ ادھر قدسیہ نے دوبارہ اپنی بات شروع کی۔ "میں چاہتی ہوں کہ اپنے بھائی کی دونوں بیٹیوں کو اس گھر کی بہو بنا کر لے آؤں۔ مریم اور ماہم..." چند لمحوں کے لیے جیسے وقت رک گیا۔ زہیر کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ اُس کا چہرہ یکدم سنجیدہ ہو گیا۔ چمچ کی کھڑکھڑاہٹ تھم گئی، فضا جیسے برف کی طرح جم گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اُس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ اُس کے دل میں تو پہلے ہی کسی اور کا نام بس چکا تھا... مناہل۔ اُس کا ذہن اِس بند کمرے سے نکل کر واپس اُسی کافی ہاؤس کی زرد روشنیوں اور چنبہ رنگ کی کرتی میں ملبوس اُس لڑکی کے چہرے کے گرد طواف کرنے لگا، جس سے وہ ابھی اقرارِ محبت کر کے آیا تھا۔ اُس کے ذہن میں بس ایک ہی چہرہ گھومنے لگا تھا وہ بھی صرف مناہل کا۔

"وہ فوراً ہی بے چینی سے بولا، "امی! مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"

سب نے حیرانی سے اُس کی طرف دیکھا۔ قدسیہ کی بھنویں تن گئیں، انہیں اپنے فرمانبردار بیٹے سے اِس ردعمل کی توقع نہ تھی۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو بہت وقت ہے۔" اُس نے نظریں چرا کر بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ اور پھر پلیٹ میں بکھرے چاولوں کو چمچ سے کریدنا شروع کر دیا تاکہ کوئی اُس کی چوری نہ پکڑ لے۔ بات وقت کی نہیں تھی... بات دل کی تھی۔ جہاں مناہل کے سوا کسی اور کا تصور بھی گناہ لگ رہا تھا۔ ادھر ضرار خاموشی سے بیٹھا کھانا کھاتا رہا، اُس نے کچھ نہیں کہا۔ اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا، وہ گردن جھکائے نوالے توڑ رہا تھا، اِس طوفان سے گویا اُس کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

اُس کے دل میں بھی تھا کوئی اِسی خاندان کا، اِس لیے اِس موقع پر خاموش رہنا ہی صحیح سمجھا۔

بتول نے قدسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر دیکھا، جانے ماں بیٹی کونسی راز کی باتیں کر رہی تھیں آنکھوں ہی آنکھوں میں۔ اور پھر بتول نے اپنے دائیں ہاتھ کی چوڑیاں کلائی پر پیچھے سرکائیں اور لاڈ بھرے انداز میں اپنی ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"امی، ویسے آپ غلط بھی تو نہیں کہہ رہیں۔ اب دونوں اپنی زندگی میں سیٹل ہو گئے ہیں۔ شادی کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔"

اور پھر حسبِ عادت وہ قدسیہ کی بات پر ہاں میں ہاں ملانے لگی۔ اُس کا بولنے کا انداز نہایت شوخ اور چلبلا تھا، جس سے وہ ماحول کے اِس تناؤ کو کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

یہ سن کر زہیر نے بے بسی سے ایک نظر سب پر ڈالی۔ اُس نے اپنے بائیں ہاتھ کو میز سطح پر رگڑا، جہاں اُس کی انگلیاں اضطراب میں لکڑی کے ریشوں کو کُرید رہی تھیں۔ اُس کے چہرے پر پریشانی صاف لکھی تھی، کیونکہ ایک طرف اُس کی ماں کی خواہش تھی... اور دوسری طرف اُس کا دل۔ اُس کی آنکھوں میں ایک تڑپ ابھری جیسے وہ اِس خاندانی قیود کو توڑ کر کہیں دور بھاگ جانا چاہتا تھا، جہاں صرف وہ ہو اور اُس کی مناہل۔

خیر، باتوں باتوں میں وقت کافی گزر چکا تھا۔ رات مزید ہوتی جا رہی تھی، گھر کے ہر کونے میں خاموشی آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔ طعام کی میز پر ہونے والی گفتگو بھی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ کچن کی پیلی روشنی اب مدھم محسوس ہو رہی تھی اور ڈرائنگ روم کی بڑی گھڑی کی ٹک ٹک دوبارہ سے واضح ہو کر پورے گھر میں سنائی دینے لگی تھی۔

قدسیہ نے جاتے جاتے سب کو جلدی آرام کرنے کا کہہ دیا تھا، جبکہ بتول بھی کچن سمیٹنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ برتنوں کے سمیٹنے کی جھنکار اِس سکون میں اکلوتا شور تھی، بتول نے بوجھل قدموں سے صراحی اٹھائی اور کچن کے سنک کی طرف بڑھ گئی۔ ایک ایک کر کے سب اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔ سیڑھیوں پر اٹھتے قدموں کی چاپ اور پھر دروازوں کے بند ہونے کی دھیمی آوازیں فضا میں گونج کر معدوم ہو گئیں۔

اس رات صرف جسم تھکے ہوئے نہیں تھے... کچھ دل بھی بوجھل تھے۔ ہر کمرے کی بند دہلیز کے پیچھے ایک الگ ہی طوفان مچل رہا تھا، جہاں نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور افکار کے تانے بانے رات کے اندھیرے کو مزید دم گھٹو بنا رہے تھے۔

زہیر کے ذہن میں ابھی تک طعام کی میز پر ہونے والی باتیں گونج رہی تھیں۔ "میں چاہتی ہوں کہ مریم اور ماہم کو اس گھر کی بہو بنا کر لاؤں..." یہ الفاظ بار بار اُس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ جیسے کوئی بھاری ہتھوڑا اُس کے کانوں پر مسلسل ضربیں لگا رہا ہو اور اُس کے پاس اِس وار کو روکنے کی کوئی ڈھال نہ ہو۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک عمیق سانس لی اور نظریں چھت پر جما دیں۔

اُس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ ایک طرف ماں کی خواہش تھی اور دوسری طرف اُس کے دل میں چھپی وہ محبت... جس کا ذکر اُس نے آج تک کسی سے نہیں کیا تھا۔ وہ کافی ہاؤس کی زرد مدہم روشنی، مناہل کی وہ مسکراہٹ اور اُس کا کافی کے مگ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر شرمانا... سب کچھ ایک بوجھ بن کر اُس کے سینے پر آن گرا تھا۔ وہ اِس پاکیزہ احساس کو یوں یکلخت خاک میں ملتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا پردوں کو ہلا رہی تھی جبکہ رات کی خاموشی اُس کے اندر کے شور کو اور زیادہ بڑھا رہی تھی۔ باہر لگی شاہراہ کے چراغ کی مدہم روشنی کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر پردوں کی سلوٹوں پر تیر رہی تھی۔

زہیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سونا چاہتا تھا... لیکن کچھ افکار نیند سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ اُس نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھا اور کروٹ بدل لی، مگر پلکوں کے بند ہوتے ہی مناہل کا مسکراتا ہوا چہرہ اور ماں کے حتمی الفاظ ایک ساتھ اُس کے سامنے آ کھڑے ہوئے، جس نے نیند کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

☆☆☆

تقریباً رات کے تین بج چکے تھے۔ پورا گھر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی، باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور کھڑکی سے چھن کر آتی سرد ہوا کمرے کی تاریکی میں ایک سحر سا گھول رہی تھی۔

گھر کے سب افراد کب کے سو چکے تھے، مگر ماہم کی آنکھوں سے ابھی تک نیند کوسوں دور تھی۔ وہ اپنے کمرے

میں بیٹھی بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر بے چینی صاف جھلک رہی تھی، وہ اپنے بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔ ماہم نے نیلے رنگ کا مخملی لباسِ شب پہن رکھا تھا جس پر اونی شال لپٹی ہوئی تھی۔ اُس کی انگلیاں اضطراب میں شال کے دھاگوں کو کتر رہی تھیں۔

کبھی وہ کھڑکی کے پاس جا کر باہر دیکھتی، کبھی واپس آکر بیڈ پر بیٹھ جاتی۔ اُس کے قدموں کی آہٹ دھیمی تھی۔ وہ بار بار اپنے پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر مار کر وقت کاٹنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ "آخر اتنی دیر کہاں رہ گیا؟" اُس نے خود سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اُس کی دھیمی، سرگوشی نما آواز کمرے کی سنسان فضا میں گونج کر فوراً ہی دم توڑ گئی تھی۔

اِسی پریشانی میں چند لمحے اور گزرے ہی تھے کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ ٹھک... ٹھک...اِس اچانک اور غیر متوقع آواز نے رات کے سناٹے کو یکلخت چاک کر دیا۔ ماہم فوراً چونک گئی۔ اُس کے شانے تنے اور دل کی دھڑکن کی رفتار اچانک تیز ہوگئی۔

اُس نے جلدی سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثر سے پھیل گئیں۔

"اتنی رات گئے؟" پھر اگلے ہی لمحے اُس کے ذہن میں خیال آیا اور پھر اُس کے چہرے پر خوف کی جگہ ایک دم اطمینان کی لہر دوڑی اور پھر اُس نے جلدی سے صوفے سے پاؤں نیچے اتارے۔

"ضرور بھائی ہوں گے!" وہ تیزی سے راہداری سے گزرتی دروازے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا، سامنے اپنے بھائی کو کھڑا دیکھ کر اُس کے چہرے پر پہلے سکون آیا، لیکن اگلے ہی لمحے وہ ناراضی میں بدل گیا۔ باہر کی یخ بستہ ہوا کے ساتھ ہی اقراش کی بوجھل پرچھائیں دہلیز پر ابھری۔ اُس نے خاکی رنگ کی شرٹ کے ساتھ خاکی رنگ کی چرمی جیکٹ پہن رکھی تھی، جس کی زپ آدھی کھلی تھی اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی خاکی رنگ کی کپاس پتلون بھی پہن رکھی تھی۔ ماہم نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے، اپنے پیروں کو فرش پر سختی سے جمایا اور ٹھوڑی کو اوپر اٹھاتے ہوئے اپنے تیکھے انداز کو نمایاں کیا۔ "اب تم آرہے ہو؟ وقت دیکھا ہے؟ رات کے تین بج رہے ہیں!"

اُس کا بھائی خاموشی سے کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ اقراش دایاں ہاتھ کندھے پر لٹکے بیگ کے پٹے کو بے جان انگلیوں سے تھامے ہوئے تھا اور اُس کے چہرے کے نقوش یکسر سپاٹ تھے۔

"پتا ہے میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں؟ گھر میں سب سو گئے ہیں، اور تمہیں ذرا بھی فکر نہیں!" وہ

مسلسل بولے جارہی تھی۔ اُس کی نظریں اکراش کے چہرے پر جمی تھیں، اُس کی اونی شال کندھے سے ہلکی سی ڈھلک گئی۔

"صبح نکل جاتے ہو، پھر رات کو واپس آتے ہو۔ نہ وقت کا پتا، نہ کسی بات کی پرواہ۔ بس ہر وقت دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا!"

اُس کے لہجے میں غصہ کم اور فکر زیادہ تھی۔ اُس کی سانسوں کا اتار چڑھاؤ تیز تھا، جو اُس کے اندرونی کرب اور کئی گھنٹوں کی جاگتی آنکھوں کی تھکن کو ظاہر کر رہا تھا۔

بھائی نے تھکے ہوئے انداز میں ایک عمیق سانس لی، پھر جوتے اتارنے لگا، اُس کے جوتے اتارنے کی سست رفتار اور کندھوں کا بوجھل جھکاؤ اُس کی نڈھال حالت کا پتا دے رہا تھا۔ اُس کے بولنے کا انداز حد درجہ بے دم تھا۔ "ہاں... بس آگیا ہوں، اب آگیا ہوں نا۔"

اُس کے لہجے میں عجیب سی تھکن اور بے زاری تھی۔ ماہم نے حیرانی سے اُسے دیکھا کیونکہ آج وہ معمول سے مختلف لگ رہا تھا۔ اُس کی چور نظریں اب اپنے بھائی کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں، جہاں ہمیشہ کی شرارت کے بجائے آج اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

نہ اُس نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر بات کی، نہ ہی کوئی مذاق کیا۔ اُس کے ہونٹ ایک سیدھی لکیر کی مانند سخت تھے اور آنکھوں کی وہ شناسا چمک اندھیرے میں گم ہو چکی تھی، جس نے اُس کے پورے چہرے کو اجنبیت کے رنگ میں ڈھال دیا تھا۔

وہ بس خاموشی سے ایک نظر ماہم کو دیکھ کر اُس کے پاس سے گزرا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ماہم چند لمحے وہیں کھڑی اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ اپنے دونوں ہاتھ ڈھیلے چھوڑے تو اُس کی شال کاندھوں سے مزید سرک گئی اور پھر وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں تشویش لیے اندھیرے میں گم ہوتی اُس کی پشت کو تکتی رہی۔

اُسے لگ رہا تھا کہ اُس کے ساتھ کچھ ہوا ہے، کچھ ایسا، جو اُس کے بھائی کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا، مگر وہ چھپا رہا تھا۔

☆☆☆

صبح کے دس بج چکے تھے۔ کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر آتی سردیوں کی سنہری دھوپ اب پورے کمرے میں پھیل چکی تھی، مگر اکراش اب بھی اپنی نرم گرم رضائی میں سکون سے سویا ہوا تھا۔ اُس کی امی کئی بار اُسے جگا چکی تھیں، مگر آج جیسے اُسے نیند سے خاص محبت ہو گئی تھی۔ رضائی کے مخملی کناروں سے باہر بس اُس کا ایک بازو دکھائی

دے رہا تھا۔ عذرا نے اپنے گلے میں پڑے دوپٹے کے پلو کو ہاتھ میں جکڑا، وہ اُس کے بیڈ کے سرہانے آئیں اور اُس کے کندھے کو تھوڑا جھنجھوڑا۔

"اکراش! کب تک سوتے رہو گے؟ صبح کے دس بج گئے ہیں!" عذرا اب غصہ ہونے لگی تھی۔ ان کے چہرے پر صبح کے گھریلو کاموں کی عجلت تھی اور یہ تھا کہ اٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔

اکراش نے آنکھیں کھولنے کی ناکام سی کوشش کی، پھر کروٹ بدلتے ہوئے اپنے چہرے کو رضائی کے اندھیرے میں مزید چھپانے کی کوشش کرنے لگا، اُس کے بولنے کا انداز نیند کے خمار کی وجہ سے حد درجہ بوجھل اور دھیما تھا۔

"ہاں امی... بس اٹھ رہا ہوں، آپ جائیں۔" اُس کی بات سن کر امی نے بے بسی سے سر ہلایا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

کچھ دیر مزید بستر پر لیٹے رہنے کے بعد آخر کار اکراش نے ایک عمیق سانس لی اور اٹھ بیٹھا۔ وہ سستی سے بستر سے اترا اور فریش ہونے کے لیے واش روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد تیار ہو کر باہر آیا تو گھر کا ماحول پہلے ہی پوری طرح جاگ چکا تھا۔ اُس نے اب نیلے رنگ کا سادہ سوتی کُرتا پہن رکھا تھا جس کی آستینیں کہنیوں تک سلیقے سے مڑی ہوئی تھیں، اُس کی رنگت پر صبح کے پانی کے چھینٹوں کی وجہ سے کچھ تازگی تو تھی مگر آنکھوں کا سکوت اب بھی قائم تھا۔

ادھر عبدالرحمان کافی دیر پہلے آفس کے لیے نکل چکا تھا۔ جبکہ باقی سب لوگ باہر لاؤنج میں بیٹھے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق اور باتوں میں مصروف تھے۔ صوفوں پر بیٹھے مریم اور ماہم کے قہقہے اور چائے کے مگ سے اٹھتی خوشبو لاؤنج کے در و دیوار کو مانوس اپنائیت دے رہی تھی۔ اِسی دوران میرا فرش پر بیٹھی اپنی پیاری سی گڑیاؤں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ کبھی میرا اپنی گڑیا کے بال سنوارتی تو کبھی اُس کے کپڑے، میرا نے مٹیالے رنگ کی فراک پہن رکھی تھی، وہ قالین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی اپنے ننھے مخملی ہاتھوں سے گڑیا کے سنہری ریشمی بالوں کو بڑی نفاست سے سنوارنے میں گم تھی۔

اکراش بھی آہستہ قدموں سے چلتا ہوا لاؤنج میں آ گیا اور سب کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے صوفے کی گدی پر خود کو ڈھیر کیا اور اپنی پشت کو پیچھے ٹکاتے ہوئے ایک عمیق سانس لیا، اُس کی نظریں قالین کے نقش و نگار پر جمی تھیں۔ ابھی وہ سکون سے بیٹھا ہی تھا کہ ماہم نے اُسے دیکھتے ہی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

اُس نے بازو باندھتے ہوئے معنی خیز انداز میں اکراش کی طرف دیکھا اور بولی، "امی! آپ کو پتہ ہے، کل رات جناب نہ جانے کس بات پر اتنے غصے میں تھے۔ رات کے ایک، دو نہیں بلکہ تقریباً تین بجے گھر آئے تھے، اور اوپر سے

حالت یہ تھی کہ جیسے کسی سے جنگ لڑ کر آئے ہوں۔" وہ ایک لمحہ رکی، پھر جان بوجھ کر شرارتی انداز میں بولی، اُس نے اپنے سر کو دائیں جانب ہلکا سا خم دیا اور اپنے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ سجالی۔

"اور سب سے مزے کی بات تو یہ تھی کہ سلام دعا تک نہیں کی، سیدھا غصے میں اندر چلے گئے۔" اکراش نے اُسے گھور کر دیکھا، اُس کی بھنویں تن گئیں، آنکھیں تھوڑی سی سکڑیں اور پھر اُس نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی کو صوفے کے بازو پر سختی سے بھینچ لیا، مگر ماہم تو جیسے آج پوری تیاری سے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے بھائی کی اِس خفگی سے بالکل مرعوب نہ ہوئی۔ "امی، آپ اسے ذرا سمجھایا کریں۔ آج کل کے حالات آپ کو پتا ہیں نا کیسے ہیں؟ پھر بھی یہ اتنی رات گئے باہر رہتا ہے۔ ہمیں بھی فکر ہوتی ہے۔"

ماہم کی بات سن کر لاؤنج میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ہنسی مذاق کا وہ سلسلہ جو ابھی چند سیکنڈ پہلے جاری تھا، یکلخت تھم گیا۔ مریم نے اپنا چائے کا مگ ٹرے پر دھیرے سے رکھ دیا اور ماحول میں ایک دم سنجیدگی عود کر آئی۔ امی نے بھی اپنی نظریں اکراش کی طرف کر لیں اور پھر عذرا نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابیوں کے گچھے کو میز پر پٹخا، "اکراش!" ان کا لہجہ حد درجہ گرجدار، ناصحانہ اور سخت تھا، جو اِس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ اب کسی بھی قسم کا غیر ذمہ دارانہ جواب قبول نہیں کریں گی۔ اکراش نے ہلکا سا سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ اُس کی پیشانی پر غصے اور بے بسی کا ایک ملا جلا تاثر ابھرا، مگر اُس نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر خود پر قابو پایا۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟ اتنی دیر رات تک باہر رہتے ہو؟ تمہیں اندازہ بھی ہے گھر والے کتنی فکر کرتے ہیں؟ آج کل کے حالات ویسے ہی ٹھیک نہیں ہیں، اور تم ہو کہ وقت کا خیال ہی نہیں رکھتے۔"

انہوں نے بات کرتے ہوئے صوفے پر تھوڑا آگے جھک کر اکراش کی آنکھوں میں جھانکا، اکراش خاموشی سے بیٹھا ان کی باتیں سنتا رہا۔ جبکہ اُس کے چہرے کی لکیریں بتاتی تھیں کہ وہ اِس مواخذے سے دل ہی دل میں کتنا اکتا چکا ہے۔

اور پھر اگلے ہی لمحے عذرا کے سخت تیور یکسر پگھلنے لگے۔ "بیٹا، ہم تمہیں روک ٹوک شوق سے نہیں کرتے۔ اگر تمہارے آنے میں ذرا سی بھی دیر ہو جائے نا، تو دل گھبرانا شروع ہو جاتا ہے۔ بار بار دروازے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں میرا بچہ کہاں ہو گا، کیسا ہو گا۔" لاؤنج کا ہلکا پھلکا ماحول اب سنجیدگی اختیار کر چکا تھا۔ مریم نے، جو ابھی تک خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، اپنی گردن کو ہلکا سا خم دیا اور لاؤنج کی بڑی کھڑکی سے آتی دھوپ کو تکنے لگی۔

اُدھر اکراش نے اکتاہٹ بھری ایک عمیق سانس لی اور نظریں جھکا لیں۔ اُس کے چوڑے شانے تھوڑے اور

جھک گئے تھے اور اُس کی نظریں جوتوں کے تسموں پر جم گئی تھیں۔

ایک طرف امی کی فکر تھی اور دوسری طرف ماہم کے چہرے پر مسکراہٹ... آج اُسے اکراش کی کلاس لگوا کر بہت بڑی کامیابی مل گئی تھی۔ ماہم نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے ٹکا رکھے تھے، اُس کی چمکتی آنکھیں اکراش کے اِس پشیمان چہرے کا طواف کر کے سکون کشید کر رہی تھیں۔

☆☆☆

بتول اور اُس کی ماں کچن کے ایک کونے میں رکھی گول میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ صبح کا وقت تھا۔ کھڑکی سے آتی دھوپ پورے کچن میں روشنی بکھیر رہی تھی۔ سنک میں پڑے دھلے ہوئے برتنوں پر پڑتی سنہری کرنیں فضا میں ایک اجلاپن گھول رہی تھیں۔ بتول کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا جبکہ اُس کی ماں اپنے ہاتھوں میں چائے کا، دونوں آہستہ آہستہ گھونٹ بھر رہی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی گھریلو باتوں میں مصروف تھیں، بتول کے چہرے پر عجیب سی بے چینی صاف نظر آرہی تھی، اُس کے دل میں کوئی بات بار بار کروٹ لے رہی تھی، جو وہ ماں سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی، پھر اچانک بتول نے اپنے کپ کو میز پر رکھا، اپنی کرسی کو میز کی طرف مزید سرکایا، بھنویں تان لیں، بولنے کا انداز حد درجہ تلخ، کاٹ دار اور جلا بھنا تھا، جو اُس کی شدید ناپسندیدگی کا پتا دے رہا تھا۔

"امی! مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی۔ آپ نے صرف انہی دونوں چڑیل لڑکیوں کو میرے دونوں بھائیوں کے لیے کیوں پسند کیا؟ میرے بھائی کوئی عام نہیں ہیں... ہیرے ہیں ہیرے! اور اب بھی وقت ہے، آپ کہیں اور رشتہ کیوں نہیں دیکھ لیتیں؟" بتول کی بات سن کر اُس کی ماں نے ایک عمیق سانس لی اور کپ کو آہستگی سے میز پر رکھ دیا۔ قدسیہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی اونی شال کو کاندھوں پر مضبوطی سے جمایا تھا، قدسیہ چند لمحوں تک خاموش رہی، الفاظ کو ترتیب دی اور پھر بتول کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں:

"بیٹا، تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ ہر چیز صرف خوبصورتی یا پسند ناپسند سے نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی انسان کو بہت سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔" بتول نے بھنویں سکیڑتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے اپنی ٹھوڑی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹکا دیا۔ چہرے پر تجسس ابھرا تھا۔

"دیکھو، وہ دونوں بہنیں ہیں۔ ایک گھر سے دور شتے ہو جائیں گے تو آپس میں محبت بھی رہے گی، سمجھ بھی رہے گی۔ اور ایک بات اور..." انہوں نے میز پر تھوڑا آگے جھک کر بتول کے چہرے کے قریب اپنے وجود کو کیا اور رازداری کے ساتھ بولنے لگی۔ "وہ دونوں زیادہ ہوشیار بھی نہیں ہیں۔" قدسیہ کی بات سن کر بتول نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "امی! یہ کیسی بات کر رہی ہیں آپ؟"

قدسیہ بیگم نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے میز پر دھرے چائے کے کپ کے کنارے کو چھوا، ان کی آنکھیں اب بتول کی آنکھوں میں پیوست تھیں اور لہجے میں عیارانہ ٹھہراؤ تھا۔

"تم میری بات پوری سنو۔ اگر کل کو زہیر یا ضرار کی زندگی میں کوئی اور لڑکی آگئی... کوئی ایسی جو بہت سمجھدار ہو، بہت تیز ہو... اور اگر میرے بیٹوں نے اسے پسند کر لیا تو؟ پھر ہمارا سارا پلان خراب ہو جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی آگئی۔ ان کے لب سخت ہو گئے تھے۔ وہ کسی ان دیکھے خطرے کا تصور کر کے اندر ہی اندر کانپ اٹھی تھیں۔

"اور تم جانتی ہو نا... وہ اگر کسی اور کو پسند کر بیٹھے تو وہ ہمیں جینے نہیں دے گی۔ ہمارا سکون ختم ہو جائے گا۔ اس لیے ہمیں وہی رشتہ مضبوط کرنا چاہیے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

بتول خاموشی سے اپنی ماں کے اِس مہیب مگر نپے تلے حساب کتاب کو دیکھتی رہی، جبکہ کچن کی کھڑکی سے آتی دھوپ اب ان کے چہروں پر زرد، پراسرار سایہ تان رہی تھی جو ان کی اِس خفیہ گفتگو کے سحر کو دھندلا رہا تھا۔

بتول کے چہرے پر الجھن تھی۔ کافی کا کپ اب دوبارہ اُس کے ہاتھ میں تھا مگر وہ کافی پینا بھول چکی تھی۔ اُس کی انگلیاں اِس سیرامک مگ کے پیندے کو بے دھیانی میں چھو رہی تھیں، پلکیں بار بار جھک کر اٹھ رہی تھیں، وہ اپنی ماں کے اِس عیارانہ اور نپے تلے حساب کتاب کو اپنے ذہن کے خانوں میں فٹ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اُسے ماں کا یہ حساب ایک آنکھ نہ بھایا تھا لیکن خیر وہ ماں تھی، سو کچھ نہ کر سکی۔

کچن میں پھر ایک خاموشی پھیل گئی... ایسی خاموشی جو آنے والے دنوں کے طوفان کی خبر دے رہی تھی۔ کھڑکی کے باہر لگے درخت کے پتے ہوا کے ایک تیز جھونکے سے ایک طرف کو جھکے۔

پھر اُس نے کافی کے مگ کو دونوں ہاتھوں میں تھاما، ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر قدرے ہچکچاتے ہوئے بولی:

"امی... ایک بات پوچھوں؟" قدسیہ نے چائے کا کپ لبوں سے ہٹاتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔ ان کے ہاتھ کی حرکت وہیں ہوا میں منجمد ہوئی تھی اور پھر اپنے چشمے کے پیچھے سے اپنی تیز اور کھوجتی نظریں بتول کے چہرے پر جما دیں۔

"ہاں پوچھو۔"

"یہ جو زہیر بار بار کہہ رہا ہے نا کہ اسے شادی نہیں کرنی... مجھے تو پکا لگتا ہے کہ اس کو کوئی اور لڑکی پسند ہے۔ ورنہ کوئی ایسے ہی ہر بار شادی سے انکار نہیں کرتا۔" یہ سنتے ہی قدسیہ کے چہرے پر چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ان کے ماتھے پر شکن ابھری، وہ اِس اچانک سچائی سے اندر تک لرز گئی تھیں، لیکن اگلے ہی لمحے اُن کے ہونٹوں پر

عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ کرسی پر ذرا سیدھی ہو کر بیٹھیں اور چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔ "جو بھی ہو..." اُنھوں نے دھیمی مگر پُر معنی آواز میں کہا، "ہمیں ان دونوں لڑکیوں کو اس گھر میں لانا ہے۔ کسی بھی قیمت پر۔" قدسیہ نے اپنی انگلیوں کے پوروں کو میز کی لکڑی پر ہلکے سے تھپتھپایا، وہ اپنے ذہن میں کسی مہرے کو حتمی جگہ دے رہی تھیں۔ بتول نے چونک کر اپنی ماں کو دیکھا تھا۔

قدسیہ اب پورے اعتماد سے بول رہی تھیں: "دیکھو، مریم بہت کمزور ہے۔ وہ ایسی لڑکی ہے جو ہر بات چپ چاپ سہہ لیتی ہے۔ کچھ نہیں کہتی، بس خاموش رہتی ہے۔ اور ماہم..." اُنھوں نے ہلکا سا طنزیہ قہقہہ لگایا، "وہ تھوڑی تیز ہے، لیکن زیادہ دیر تک نہیں۔"

ان کے اِس سرد، زہریلے قہقہے کی بازگشت کچن کی دیواروں سے ٹکرا کر فضا میں عجیب سا تناؤ پیدا کر گئی۔

"جب وقت آئے گا نا... جب سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہو گا... تب ہم سارا الزام مریم پر ڈال دیں گے۔ ہر چھوٹی بڑی بات کا قصوروار اسے ٹھہرائیں گے۔"

بتول کی آنکھیں آہستہ آہستہ پھیلنے لگیں۔ اُس کے چہرے کے تیکھے نقوش پر اپنی ماں کی اِس ہولناک حد تک نپی تلی شاطرانہ چال کو سن کر حیرت اور خوف کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"اور پھر..." قدسیہ کے لہجے میں عجیب سا سکون تھا، "آخر کار ہم مریم کا جینا مشکل بنا دیں گے۔" ان کے چہرے پر اِس ہولناک منصوبے کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک سحر انگیز اور پُر اسرار آسودگی تھی۔ وہ مریم کی بربادی کا نقشہ ابھی سے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ "اور زہیر..." وہ مسکرائی، "زہیر تو ویسے بھی مریم کو پسند نہیں کرتا۔ اسے تو مریم زہر لگتی ہے۔ وہ خود ہمارے ساتھ کھڑا ہو گا۔" ان کی یہ زہریلی مسکراہٹ ان کی آنکھوں کے کونوں تک پھیل گئی، بتول اب پوری توجہ سے اپنی ماں کی باتیں سن رہی تھی۔ اُس کا دایاں پاؤں جو مسلسل فرش پر حرکت کر رہا تھا، اب بالکل ساکت ہو چکا تھا۔

"اور سب سے بڑی بات جانتی ہو؟ مجھے اپنے بھائی کے گھر میں کبھی وہ عزت نہیں ملی جس کی میں حقدار ہوں۔ ہمیشہ کسی نہ کسی نے مجھے نظر انداز کیا۔" قدسیہ نے اپنی بھنویں سکیڑیں، ان کے چہرے کے نقوش میں کڑواہٹ آمیز تاثر ابھر آیا تھا۔ وہ رنجش جو وہ اپنے میکے میں ہار چکی تھیں، اب اُسے انتقام کی شکل میں دیکھ رہی تھیں۔ "لیکن جب ان کی بیٹیاں اِس گھر میں آئیں گی نا..." وہ آہستہ سے بولی، "تب سب بدل جائے گا۔ میری اہمیت بڑھے گی۔ میری بات سنی جائے گی۔" ان کے بولنے کا انداز حد درجہ دھیما اور جلا بھنا تھا، وہ اپنی ہتک کا حساب برابر کر رہی تھیں۔

پھر بتول نے حیرت سے پوچھا، "صرف ان کے آنے سے؟"

قدسیہ ہولے سے مسکرائی۔ ان کے لبوں پر ابھری وہ مسکراہٹ انتہائی سفاک اور شاطرانہ تھی۔ "تم ابھی بہت معصوم ہو، بتول۔ گھر صرف رشتوں سے نہیں چلتے... گھر اختیار سے چلتے ہیں۔ اور جب ان کی بیٹیاں یہاں ہوں گی تو ہر چیز ہمارے قابو میں ہو گی۔"

پھر انہوں نے میز پر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر بتول کی ہتھیلی پر دباؤ ڈالا، "اگر زہیر نہ مانا... تو ہم اسے منا لیں گے۔ کسی نہ کسی طرح مان ہی جائے گا۔" اُن کی آنکھوں میں ضد صاف نظر آ رہی تھی۔ ان کے چہرے کی جھریاں اب غصے اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے مزید نمایاں ہو گئی تھیں، جو کسی بھی صورت پیچھے نہ ہٹنے کی گواہی دے رہی تھیں۔

"لیکن اب تم نے ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ جلدی نہیں کرنی۔ وقت کا انتظار کرنا ہے... اور ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہے۔"

بتول خاموش بیٹھی رہی اور اثبات میں سر ہلاتی رہی۔

وہ اپنی ماں کی باتیں سن تو رہی تھی... مگر نہ جانے کیوں آج پہلی بار اُس کے دل میں عجیب سا خوف پیدا ہوا تھا۔ اُس کے شانے اِس ان دیکھے طوفان کے بوجھ سے ہلکے سے کانپے تو اُس نے گھبرا کر اپنی نظریں کچن کے کاشی کاری کے فرش پر جما دیں۔ بعض منصوبے شروع تو انسان کرتا ہے... مگر ختم قسمت کرتی ہے۔

☆☆☆

بتول اور اُس کی ماں قدسیہ آپس میں باتوں میں مصروف تھیں۔ قدسیہ ابھی مزید کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

ٹھک... ٹھک... دستک کی آواز سن کر دونوں کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ قدسیہ کے ہاتھ میں تھاما ہوا چائے کا کپ ایک پل کو ہوا میں معلق ہوا اور پیشانی پر تشویش کی باریک شکنیں ابھر آئیں۔ قدسیہ نے چند لمحے سوچتے ہوئے بتول کو دیکھا اور بولیں:

"بتول! ذرا دیکھو تو، کون آیا ہے؟" بتول نے سر ہلایا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اُس کے قدموں میں جھجک تھی۔ وہ دہلیز تک پہنچی، کنڈی کو سرکایا اور جیسے ہی دروازہ کھولا، سامنے کا منظر دیکھ کر چند لمحوں کے لیے حیران رہ گئی۔ دروازے کے باہر اُس کے سسرال والے کھڑے تھے۔ آگے بڑھتے ہی ماحول کا تناؤ جیسے یکسر بدل گیا۔ سامنے اُس کی ساس نادیہ کھڑی تھیں، اُن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ مسکراہٹ جس میں خلوص سے زیادہ روایتی رکھ رکھاؤ اور طنز کی سی جھلک تھی، ان کی گھیر دار بڑی آنکھوں میں چمک نمایاں تھی۔ ساتھ اُس کے سسر تھے جو ہاتھوں کو پشت پر باندھے کھڑے تھے۔

اور اُن کے برابر میں اُس کا شوہر طلحہ کھڑا تھا، جو بتول کو دیکھ رہا تھا۔ طلحہ کے چہرے پر خفگی اور بے بسی باہم آمیختہ تھیں، اُس کی بظاہر پر سکون نظریں بتول کے چہرے پر جمیں تھیں۔

بتول ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔ اُسے بالکل امید نہیں تھی کہ وہ لوگ اچانک یہاں آجائیں گے۔ اُس کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے، ہاتھ کی انگلیاں اب بھی قنڈی پر جمیں تھیں۔ دھڑکنوں کی ترتیب یکسر بگڑ گئی تھی۔ پھر جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے اُس نے نظریں جھکالیں۔ اپنے حواس کو مجتمع کرنے کے لیے اُس نے ایک عمیق سانس لیا اور اپنے دوپٹے کو درست کیا۔

"السلام علیکم۔" بتول نے ادب سے پہلے اپنے ساس سسر کو سلام کیا، پھر ایک لمحے کی جھجک کے بعد اُس کی نگاہ طلحہ پر گئی اور اُس نے دھیرے سے اُسے بھی سلام کیا۔ طلحہ پر نظر پڑتے ہی اُس کی پلکیں بوجھل ہو کر مزید جھک گئیں۔

"وعلیکم السلام، خوش رہو بیٹا۔" نادیہ نے محبت سے جواب دیا جبکہ اُس کے سسر نے مسکرا کر دعا دی۔ نادیہ کے چہرے پر روایتی اپنائیت ابھری، انہوں نے اپنے ہاتھ بتول کے سر پر رکھنے کے لیے اٹھائے، جبکہ ان کے سسر نے ہمیشہ کی طرح اپنی دور اندیش اور نرم نظروں سے اسے دیکھا۔

طلحہ خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے بولا،

"کیسی ہو؟" وہ اِس مختصر سے سوال میں پچھلے کئی دنوں کی مسافت اور دوری کا حساب مانگ رہا تھا۔ بتول نے ایک مختصر سی نظر اُس پر ڈالی اور فوراً نظریں چرا لیں۔ "جی... ٹھیک ہوں۔"

اور پھر بتول فوراً ایک طرف ہٹ گئی اور دھیرے سے بولی،

"اندر آیئے۔" اُس نے احتراماً ایک ہاتھ سے راستے کی طرف اشارہ کیا۔ تینوں اندر آگئے۔ بتول انہیں ڈرائنگ روم تک لے گئی جہاں اُنہیں تشریف رکھنے کا کہا، تو سب آکر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ کمرے میں موجود پردے ہولے سے ہلے اور صوفے کے نشستوں پر گرتے ہی مہمانوں کے بیٹھنے سے آواز پیدا ہوئی۔

ادھر اندر کچن میں بیٹھی قدسیہ انتظار کر رہی تھیں کہ آخر کون آیا ہے۔ جب بتول کافی دیر تک واپس نہ آئی تو وہ بھی اٹھ کر باہر آگئیں۔ قدسیہ کے ماتھے پر اب بے چینی صاف دیکھی جاسکتی تھی، انہوں نے اپنے ہاتھ دوپٹے سے پونچھے اور قدموں کی چاپ کو دباتے ہوئے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھیں۔

جیسے ہی اُن کی نظر ڈرائنگ روم میں بیٹھی شخصیات پر پڑی، ایک لمحے کے لیے اُن کے چہرے کے تاثرات بدل گئے... رنگت زرد پڑی اور ہونٹ سختی سے بھنچ گئے... لیکن اگلے ہی لمحے اُن نے خود کو سنبھال لیا اور مسکراتے

ہوئے آگے بڑھیں۔ ایک جہاں دیدہ عورت کی طرح انہوں نے اپنے اندر کے صدمے اور حیرت کو چھپایا، چہرے پر مصنوعی مگر دلنشین مسکراہٹ سجائی اور دھیمے قدموں سے اِن غیر متوقع مہمانوں کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"ارے! آپ لوگ؟ السلام علیکم!" قدسیہ نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھے اور لہجے میں مصلحت آمیز حیرت سموتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"وعلیکم السلام۔"

نادیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ انہوں نے صوفے کی پشت پر ٹیک لگاتے ہوئے اپنے بھاری دوپٹے کو کندھے پر درست کیا تھا۔

قدسیہ اُن کے سامنے بیٹھ گئیں اور مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں،

"اچانک؟ بتایا بھی نہیں آنے کا۔" اُن کے چہرے کی مسکراہٹ آنکھوں تک نہیں پہنچ پا رہی تھی، جبکہ اُن کی انگلیاں آپس میں سختی سے گتھم گتھا تھیں۔

نادیہ اُن کے اِس سوال پر مسکرائیں۔ اور پھر اپنے گلے میں موجود سونے کے ہار کو چھوا، اپنی برتری کا احساس دلایا اور بولیں،

"بس سوچا اپنی بہو کو دیکھتے چلیں، کافی دن ہو گئے تھے۔" ان کا ہر لفظ نپا تلا اور دھیما تھا۔ قدسیہ نے ایک نظر خاموش بیٹھی بتول پر ڈالی، اور بولیں، "اچھا کیا، گھر اپنا ہی ہے۔"

قدسیہ کے لہجے میں رسمی مروت تھی، جبکہ اُن کی آنکھیں بتول کو پوشیدہ تنبیہ کر رہی تھیں کہ وہ خود کو سنبھال کر رکھے۔

بتول خاموشی سے ایک طرف کھڑی تھی جبکہ طلحہ کی نظریں بار بار اُس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ لیکن ہر بار بتول نظریں چرا لیتی۔ بتول نے کمرے کے کونے میں بنے لکڑی کے ظروف خانے پر اپنی نظریں جما رکھی تھیں، جبکہ طلحہ صوفے پر بیٹھا بے چینی سے اپنے دائیں ہاتھ کی انگوٹھی کو گھما رہا تھا۔ اُس کی نظریں جب بھی بتول کے چہرے پر پڑتیں، اُس کے ماتھے پر ہلکا سا بل ابھر آتا، وہ بتول کی اِس بے رخی سے اندر ہی اندر سلگ رہا تھا۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزرے، پھر نادیہ نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

"بتول کا کیا حال ہے؟ لگ تو ٹھیک رہی ہے لیکن پہلے سے کچھ زیادہ خاموش لگ رہی ہے۔" ان کی تیز نظریں بتول کے مرجھائے ہوئے چہرے اور سوکھے ہوئے ہونٹوں کا طواف کر رہی تھیں۔ قدسیہ نے فوراً جواب دیا، "نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ بس تھوڑی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" قدسیہ نے بات کو سنبھالنے کے لیے عجلت میں اپنے

پلو کو سیدھا کیا تھا۔ قدسیہ کی بات سن کر بتول کی بھوئیں ایک پل کو سکڑیں، اُس نے اپنی ماں کے چہرے پر جمی مصنوعی مروت کو دیکھا اور اپنے ہونٹوں کو اندر کی طرف بھینچ لیا۔ اُس کا دل چاہا کہ وہ سچ بول دے، لیکن سلیقہ مندی نے اُس کے قدم جکڑ لیے۔

اِسی دوران طلحہ نے پہلی بار سیدھا بتول کو دیکھتے ہوئے کہا،

"اگر طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو مجھے بتا دیتی۔" طلحہ کی آواز میں مان تھا، لیکن اُس کے ساتھ ہی اُس میں گلہ اور تلخی بھی شامل تھی، جو شوہر کے مان کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ بتول نے سر جھکا کر اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے فرش کو کریدنا شروع کر دیا، وہ طلحہ کے اِس سوال کا سامنا کرنے کی سکت نہ رکھتی تھی۔ بتول کچھ فاصلے پر خاموشی سے کھڑی سب کی باتیں سن رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ہلکی ہلکی گفتگو جاری تھی، مگر اُس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ دیوار سے لگی لکڑی کی الماری کے سہارے اپنے وجود کا بوجھ گرائے کھڑی تھی۔ سسرال والوں کے چہروں سے ابلتی مصنوعی اپنائیت اُس کے حواس پر بھاری پڑ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اچانک سسرال والوں کی آمد نے اُسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ ایک وسوسہ تھا جو اُس کے دل کے کسی کونے میں سر اٹھا رہا تھا۔ وہ کبھی اپنی ماں قدسیہ کو دیکھتی تو کبھی نظریں چرا کر طلحہ کی طرف دیکھ لیتی، مگر ہر بار جلدی سے نظریں ہٹا لیتی۔ طلحہ کی ساکت نظریں اب بھی اُس کا تعاقب کر رہی تھیں، جس سے بچنے کے لیے بتول بار بار اپنے دوپٹے کے کناروں کو انگلیوں پر لپیٹنے لگتی۔

چند لمحے یونہی گزرے، پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آیا۔ اُس نے اپنے چہرے پر پھیلی زردی کو دور کرنے کے لیے مصنوعی ضبط کا مظاہرہ کیا، اپنی جھکی ہوئی پلکوں کو اٹھایا اور اپنے لہجے کو معمول پر لانے کی کوشش کی۔

"آپ لوگ بیٹھیں، میں آپ سب کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

اُس کی آواز اگرچہ دھیمی تھی، مگر اس میں مشرقی گھرانوں کی روایتی مروت پوری طرح رچی ہوئی تھی۔

اُس کی بات سن کر نادیہ نے فوراً محبت بھرے انداز میں کہا،

"ارے نہیں بیٹا، رہنے دو، تکلیف کیوں کر رہی ہو؟" انہوں نے اپنے ہاتھ کو ہولا سا جھٹکا دیا، ان کی آنکھوں میں مشفق ساس کا روپ ابھر آیا، جو حقیقت سے زیادہ رسمی رکھ رکھاؤ کا حصہ تھا۔

بتول نے ہولے سے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا،

"اس میں تکلیف کیسی امی؟ ابھی لاتی ہوں۔" اِس بار اُس کی مسکراہٹ میں تھوڑی سی نرمی آئی، اُس نے احتراماً سر کو ہلکا سا خم دیا تھا۔ یہ کہہ کر وہ آہستہ قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ کچن میں آتے ہی اُس نے ایک عمیق سانس لیا، کچھ دیر کے لیے وہ خود کو سب کی نظروں سے دور کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے کچن کے مرمریں تختے پر دونوں ہاتھ

ٹیک دیے اور چند سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر اپنے ہیجانی حواس کو پر سکون کرنے کے بعد اُس نے کیتلی اٹھائی اور چولہے پر رکھ دی۔ ماچس کی تیلی جلنے کی 'چرر ر' اور پھر نیلگوں شعلے کے ابھرتے ہی، پیتل کی پرانی کیتلی میں پانی کے چھوٹے چھوٹے بلبلے شور مچانے لگے۔ وہ شور بتول کو باہر کی دنیا سے کاٹ رہا تھا، لیکن اِس کے اندر کا شور اب بھی بر قرار تھا۔

وہ افکار میں گم تھی۔ اُس کی نظریں چولہے کے شعلے پر جم گئیں اور ہاتھ میں تھاما ہوا چائے کی پتی کا چمچ ہوا میں معلق رہ گیا۔ ماضی کے کچھ دھندلے سے مناظر اور طلحہ کے چہرے کی وہ اداس خاموشی، اُس کے دماغ کے پردے پر کسی فلم کی طرح چلنے لگی تھی، جس کا جواب اُس کے پاس بھی نہیں تھا۔

"آخر اچانک یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ صرف ملنے کے لیے... یا کوئی اور بات ہے؟" وہ کھوئی کھوئی سی نظروں سے چولہے پر دھواں اڑاتی کیتلی کو تک رہی تھی، جہاں ابال کے باعث پانی کناروں سے باہر گر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں بے شمار سوال گردش کر رہے تھے۔ وسوسوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو اُس کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہا تھا۔ پھر اچانک اُسے احساس ہوا کہ پانی کافی دیر سے اُبل رہا ہے۔ وہ چونکی اور جلدی سے چائے بنانے لگی۔ اُس نے جھٹکے سے کیتلی کو چولہے سے ہٹایا، چائے کی پتی ڈالی اور الائچی کے چند دانے کچل کر اُس میں شامل کیے۔ مہک فضا میں پھیلی تو اُس نے لکڑی کے چمچ سے اُسے ہلایا۔ چائے کے ساتھ اُس نے چند بسکٹ اور ہلکا پھلکا ناشتہ بھی ٹرے میں سجا لیا۔ نازک چینی کے کپوں کو ٹرے میں رکھتے ہوئے اُس کی انگلیاں ہلکی سی لرز رہی تھیں، جنہیں وہ بار بار آپس میں بھینچ کر سنبھالنے کی کوشش کرتی۔

ادھر ڈرائنگ روم میں ماحول اب پہلے سے کافی ہلکا ہو چکا تھا۔ باہر شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور لیمپ کی زرد روشنی نے دیواروں پر ابھرتے سائے کچھ مدہم کر دیے تھے۔ قدسیہ باتوں باتوں میں نادیہ سے مختلف موضوعات پر باتیں کر رہی تھیں, جبکہ بتول کے سسر بھی کبھی کبھی مسکراتے ہوئے گفتگو میں شامل ہو جاتے۔ قدسیہ کے بیٹھنے کا انداز اب قدرے پر سکون تھا، وہ صوفے پر تھوڑا آگے جھک کر ہمدردانہ انداز میں سر ہلا رہی تھیں، جبکہ ان کے سسر اپنے چشمے کو ناک پر درست کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں ان کی تائید کر رہے تھے۔

طلحہ البتہ خاموش بیٹھا تھا۔ اُس کی پشت صوفے سے ٹکی تھی اور دائیں ہاتھ کی انگلیاں بے ترتیبی سے گھٹنے پر تھاپ دے رہی تھیں۔ وہ بظاہر سب کی باتیں سن رہا تھا، مگر اُس کی نظریں بار بار کچن کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ کچن کے آدھے کھلے دروازے سے آتی روشنی کی لکیر پر اُس کی نظریں جم جاتیں، اُس کے چہرے پر عجیب سی بے چینی تھی جو اُس کے جبڑوں کی سختی سے عیاں تھی۔

یہ بات شاید نادیہ نے بھی محسوس کرلی تھی۔

انہوں نے ترچھی نظروں سے اپنے بیٹے کے چہرے کے تاثرات کو بھانپا، ان کے لبوں پر معنی خیز خم ابھرا۔ وہ ہلکا سا مسکرائیں اور بولیں، "کیا بات ہے طلحہ؟ آج بہت خاموش ہو۔"

طلحہ نے فوراً چونکتے ہوئے کہا، "جی؟ نہیں... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ یکسر گڑبڑا گیا، اُس نے جلدی سے اپنے بیٹھنے کا انداز بدلا اور نظریں چرا کر سامنے میز پر پڑے شیشے کے راکھ دان کو دیکھنے لگا۔ اُس کی آواز کا ابھرتا ہوا اضطراب اُس کے اندر پکتے طوفان کو صاف چھپا نہیں پا رہا تھا۔

یہ سن کر سب مسکرا دیے۔ کمرے کی فضا میں پھیلی گھٹن اِس تبسم سے کچھ دیر کے لیے چھٹ سی گئی تھی۔

اتنے میں بتول چائے کی ٹرے اٹھائے باہر آ گئی۔ اُس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی۔ اُس کی نظریں ٹرے کے مرکز پر جمی ہوئی تھیں، وہ آہستہ سے سب کے سامنے آئی اور میز پر ٹرے رکھ دی۔ شیشے کی پالش دار میز پر چینی کے کپوں کے ٹکرانے کی دھیمی سی 'کھنک' ابھری۔ پھر ایک ایک کر کے سب کو چائے دینے لگی۔

سب سے پہلے اُس نے اپنے سسر کو چائے دی، پھر نادیہ کو اور آخر میں جب وہ طلحہ کے سامنے آئی تو ایک لمحے کے لیے اُس کے ہاتھ رک گئے۔ طلحہ نے اُس کی طرف دیکھا۔ پھر بتول نے خاموشی سے کپ اُس کے سامنے رکھا اور آگے بڑھ گئی۔ اُس کی حرکات و سکنات میں عجیب سی عجلت تھی، وہ اِس دائرے سے جلد از جلد نکل جانا چاہتی تھی۔

مگر نہ جانے کیوں اُس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی تھی۔ سینے کے اندر ایک حشر برپا تھا، اُس کے گالوں پر ارغوانی دوڑ گئی تھی جو غصے کی تھی یا حیا کی، وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ چائے پیتے ہوئے کافی دیر تک باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ کپوں سے اٹھتی گرم بھاپ کے درمیان رشتوں کی بناوٹ اور مروت کے تانے بانے بنے جا رہے تھے۔ نادیہ کبھی بتول کی تعریفیں کرتیں۔ ان کا انداز انتہائی دلنشین اور مدہم تھا، وہ پچھلی تمام رنجشوں کو بھلا دینا چاہتی تھیں۔

"ہماری بہو تو ماشاء اللہ بہت سمجھدار ہے۔"

کبھی قدسیہ مسکرا کر جواب دیتیں۔ قدسیہ کے چہرے پر ماں کا فخر ابھرا، "بس آپ لوگوں کی دعائیں ہیں۔"

پھر باتوں کا رخ بچپن کے قصوں، گھر کے حالات اور اِدھر اُدھر کی باتوں کی طرف چلا گیا۔ ماضی کے دریچے کھلے تو ماحول کی اجنبیت دھندلانے لگی، پرانی یادوں کی اوٹ میں حال کا کھچاؤ عارضی طور پر چھپ گیا تھا، لیکن طلحہ اب بھی اپنے کپ کو تھامے اِس سرد ہوتی چائے میں چمچ ہلاتے ہوئے مسلسل کسی گہری سوچ کے زیرِ اثر دکھائی دے رہا تھا۔

کافی دیر تک گھر میں قہقہوں اور باتوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔بتول بھی خاموشی سے سب کے درمیان بیٹھی رہی، کبھی ہلکا سا مسکرا دیتی اور کبھی خاموشی سے سب کو دیکھتی رہتی۔ وہ صوفے کے ایک کونے میں سمٹی، اپنے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھے ایک ساکت مورت کی طرح بیٹھی تھی۔اُس کے چہرے پر نمودار ہونے والی مسکراہٹ محض ادھوری اور رسمی تھی، جو اُس کے اندر کے طوفان کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد نادیہ کپ میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگیں،

"اچھا قدسیہ بہن، اب ہم چلتے ہیں۔کافی دیر ہو گئی ہے۔"

یہ سن کر قدسیہ فوراً بولی،: "ارے! ابھی کیا جلدی ہے؟ تھوڑی دیر اور رک جائیں۔" قدسیہ نے تکلفاً صوفے سے تھوڑا آگے جھکتے ہوئے اصرار کیا۔ مگر نادیہ بی بی مسکرا کر بولیں۔

"پھر کبھی ان شاء اللہ۔" اُنھوں نے نفاست سے اپنے بیگ کی ڈوری کو ہاتھ میں تھاما۔سب آہستہ آہستہ اٹھنے لگے۔بتول بھی خاموشی سے دروازے تک اُنہیں چھوڑنے آ گئی۔ وہ سسرال والوں کی اِس روانگی سے ایک طرف سکون محسوس کر رہی تھی اور دوسری طرف کسی ان جانے خوف میں مبتلا تھی۔نادیہ جاتے جاتے اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں، "اپنا خیال رکھنا بیٹا۔"

ان کے پوروں کا لمس بتول کے بالوں پر ہولا سا محسوس ہوا۔

"جی۔" پھر اُس کی نظریں بے اختیار طلحہ کی طرف اٹھیں۔

اور اُس نے دیکھا... طلحہ جاتے جاتے ایک لمحے کے لیے پلٹا تھا۔ دہلیز کے پاس پہنچ کر اُس کے مضبوط قدم ایک پل کو جم گئے، اُس کے چوڑے کندھے کچھ جھک سے گئے تھے۔ وہ اُسے دیکھ رہا تھا... طلحہ کی آنکھوں میں گلے شکووں کی ایک پوری داستان لکھی تھی، جو بغیر کچھ کہے بھی بتول کی روح تک سرایت کر رہی تھی۔ اُس کا یہ مڑ کر دیکھنا، بتول کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ پسلیوں کے پیچھے اُس کی سانسیں اکھڑنے لگی، اور کانوں میں اپنی ہی دھڑکنوں کا شور گونجنے لگا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ نظریں جھکا گئی۔ وہ طلحہ کی اِن درد سے لبریز آنکھوں کو مزید برداشت نہ کر سکی، اپنے تئیں اِس سحر آفرینی سے نکلنے کے لیے اُس نے اپنی پلکوں کی اوٹ میں پناہ لے لی تھی۔

باب دوم:

ہوا گرمی کی شدت کو کچھ کم کر رہی تھی۔ گھر کے بڑے سے لاؤنج میں کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ فرش پر سنہری نقش بنا رہی تھی۔ سفید پردے ہوا کے نرم جھونکوں سے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور پورے گھر میں ایک عجیب سا سکون پھیلا ہوا تھا۔

لاؤنج کے ایک کونے میں نرم صوفے پر ماہم بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ پوری دلچسپی کے ساتھ اپنی کسی دوست سے باتوں میں مصروف تھی۔ کبھی اُس کے چہرے پر مسکراہٹ آتی تو کبھی وہ ہلکا سا ہنس دیتی۔

وہیں قریب فرش پر بچھی نرم کارپٹ پر میرا اور مریم بیٹھی ہوئی تھیں۔

دونوں اپنے ہی ننھے سے کھیل کی دنیا میں مگن تھیں۔

اصل میں مریم پوری کوشش کر رہی تھی کہ میرا خوش رہے۔ وہ جانتی تھی کہ میرا ابھی بہت معصوم اور حساس دل کی لڑکی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جانا اور ذرا سی بات پر اداس ہو جانا اُس کی عادت تھی۔

شاید یہی وجہ تھی کہ گھر میں سب اُس سے بہت پیار کرتے تھے۔

کبھی کوئی اُس کے ساتھ کھیلنے بیٹھ جاتا تو کبھی کوئی اُس کے لیے کچھ لے آتا۔

اور مریم تو ویسے بھی میرا سے بے حد محبت کرتی تھی۔

وہ کبھی گڑیا اٹھا کر اُس کے سامنے رکھتی تو کبھی جان بوجھ کر ہار جاتی تاکہ میرا خوش ہو جائے۔

دیکھو میرا! میں ہار گئی۔

مریم نے مصنوعی افسوس سے منہ بنایا۔

اور اگلے ہی لمحے میرا خوشی سے تالیاں بجاتے ہوئے بولی۔

"میں جیت گئی! میں جیت گئی!"

اُس کی معصوم خوشی دیکھ کر مریم خود بھی ہنس پڑی۔

ادھر صوفے پر بیٹھی ماہم اب بھی فون پر مصروف تھی۔

اچانک اُس کے چہرے پر حیرانی ابھری اور وہ ذرا اونچی آواز میں بولی۔
"کیا؟ تمہاری برتھ ڈے ہے؟"
پھر اگلے ہی لمحے اُس کے چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ آ گئی۔
اچھا اچھا! ہم کل ضرور آئیں گے۔
وہ صوفے سے ذرا سیدھی ہو کر بیٹھی۔
اور ہاں! تمہارے لیے گفٹ بھی لائیں گے۔"
دوسری طرف سے شاید اُس کی دوست نے کچھ کہا تھا کیونکہ ماہم ہنس پڑی۔
"اچھا! بہت اچھا ہوا کہ تمہارے ساتھ جیا بھی ہو گی۔"
اُس نے شوخی سے آنکھیں سکیڑتے ہوئے کہا:
"ہم اسی بہانے سب سے مل بھی لیں گے۔"
پھر اچانک اُس کی نظر کھیلتی ہوئی مریم اور میرا پر پڑی۔
وہ مُسکراتے ہوئے بولی،
"اور ہاں! میں اپنی بہنوں کو بھی ضرور ساتھ لاؤں گی تمہارے گھر۔"
کچھ لمحے وہ خاموشی سے دوسری طرف کی بات سنتی رہی، پھر مسکرا کر بولی،
"اچھا اچھا ٹھیک ہے، اب فون رکھتی ہوں۔ کل ملتے ہیں۔"
یہ کہہ کر اُس نے فون بند کیا اور ایک لمبا سانس لیتے ہوئے صوفے پر ٹیک لگالی۔
پھر اُس نے سامنے کھیلتی ہوئی مریم اور میرا کو دیکھا۔
اور اُس کے ہونٹوں پر آہستہ سے ایک پراسرار مسکراہٹ آ گئی...
جیسے اُس کے ذہن میں کوئی نئی بات چل رہی ہو۔
اور شاید آنے والا دن صرف ایک برتھ ڈے پارٹی نہیں... کچھ اور بھی اپنے ساتھ لانے والا تھا۔

ماہم نے جیسے ہی فون بند کیا، اُس نے ایک لمبا سانس لیا اور موبائل اپنے برابر میں رکھ دیا۔ لاؤنج میں دوپہر کی نرم روشنی اب بھی کھڑکیوں سے اندر آ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا پردوں کو جنبش دے رہی تھی، جبکہ فرش پر بچھی کارپٹ پر مریم اور میرا بدستور اپنے کھیل میں مصروف تھیں۔
مریم کی عادت تھی کہ اگر اُس کے سامنے کوئی نئی بات آ جائے تو اُس کے ذہن میں فوراً ڈھیروں سوال پیدا ہو

جاتے تھے۔ اور ابھی ابھی اُس نے ماہم کی فون پر ہونے والی آدھی ادھوری باتیں سن لی تھیں، بس پھر کیا تھا۔

وہ فوراً کھیل چھوڑ کر اُٹھ بیٹھی اور بڑی تجسس بھری نظروں سے ماہم کو دیکھنے لگی۔

"ماہم؟"

ماہم نے اُس کی طرف دیکھا۔

"ہمم؟"

مریم نے ایک ہی سانس میں سوالوں کی بارش کر دی۔

"کیا ہوا؟ کہاں جانا ہے؟ کس کا برتھ ڈے ہے؟ کب جانا ہے؟ اور تم کس سے بات کر رہی تھیں؟"

یہ کہہ کر وہ بازو باندھ کر اُس کے سامنے بیٹھ گئی، جیسے ابھی سارے جواب لے کر ہی اُٹھے گی۔

میرا بھی فوراً اُن کے قریب آگئی۔

"ہاں ہاں! مجھے بھی سننا ہے۔"

ماہم نے دونوں کو دیکھا اور پھر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی انداز میں بولی،

"یا اللہ! اتنے سوال؟ ایک ساتھ؟"

مریم نے فوراً ہونٹ پھلائے۔

"اب جلدی بتاؤ بھی!"

ماہم ہنس پڑی۔

پھر اُس نے صوفے پر آرام سے ٹیک لگائی اور مسکراتے ہوئے بولی،

"اچھا سنو... میری دوست سارا کا برتھ ڈے ہے۔"

"سارا؟"

مریم نے فوراً پوچھا۔

"ہاں وہی سارا، میری دوست۔ کل اُس کے گھر جانا ہے۔"

پھر اُس کے چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ آگئی۔

"اور ہاں! کل صبح ہم اُس کے لیے گفٹ لینے بھی جائیں گے۔"

یہ سنتے ہی میرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"گفٹ؟ سچ؟"

ماہم نے سر ہلایا۔
"جی ہاں محترمہ! گفٹ بھی اور شاپنگ بھی۔"
پھر اُس نے ہلکے سے آنکھ دبائی۔
"اور اسی بہانے تھوڑا بہت مزید گھومنا پھرنا بھی ہو جائے گا۔"
مریم نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔
"مجھے لگ رہا ہے تمہارا اصل مقصد گھومنا ہے، برتھ ڈے تو بہانہ ہے۔"
یہ سنتے ہی میرا زور سے ہنس پڑی جبکہ ماہم نے فوراً کشن اٹھا کر مریم کی طرف پھینکا۔
"بہت بولتی ہو تم!"
مریم نے ہنستے ہوئے کشن پکڑ لیا۔
ماہم پھر مسکراتے ہوئے بولی،
"اور ہاں! تم دونوں بھی میرے ساتھ چلو گی۔"
مریم نے حیرانی سے کہا،
"ہم؟"
"ہاں تم دونوں۔ میں نے اپنی دوست سے پہلے ہی بول دیا ہے۔ اُس نے کہا سب کو ساتھ لے آنا۔ وہاں بہت مزہ آئے گا۔ گیمز ہوں گی، فَن ہو گا، باتیں ہوں گی۔"
میرا تو خوشی سے اُچھل پڑی۔
"میں جاؤں گی! میں جاؤں گی!"
لیکن مریم کے چہرے پر ابھی بھی زیادہ جوش نہیں تھا۔
اُس نے آہستہ سے کہا،
"پتہ نہیں... میرا تو دل نہیں کر رہا۔"
ماہم فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی۔
"کیوں؟"
مریم نے کندھے اُچکائے۔
"بس ایسے ہی۔"

پھر چند لمحے بعد ہلکا سا مسکرائی۔
"لیکن جب تم اپنی دوست کو بول چکی ہو تو پھر میں بھی چلی جاؤں گی۔"
پھر اُس نے فوراً میرا کو اپنی طرف کھینچا۔
"اور میرا بھی ہمارے ساتھ جائے گی۔"
میرا خوشی سے سر ہلانے لگی۔
"ہاں! میں بھی جاؤں گی!"
مریم نے پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا،
"لیکن پہلے امی سے پوچھ لیتے ہیں۔"
تینوں ہلکے پھلکے مذاق اور باتوں میں مصروف تھیں کہ تبھی اچانک پیچھے سے ایک آواز آئی،
"اچھاجی؟ یہاں کون سی خفیہ پلاننگ ہو رہی ہے؟"
تینوں چونک کر پیچھے مڑیں۔
اور دیکھا... امی دروازے کے قریب کھڑی تھیں۔
ماہم فوراً اٹھ کر اُن کے پاس گئی اور اُن کا بازو پکڑ لیا۔
"ارے امی آئیں نا!"
امی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُن کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔
"اب بتاؤ بھی، کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"
ماہم فوراً بولی،
"امی! کل میری دوست سارا کا برتھ ڈے ہے۔"
پھر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی،
"اور ہم سوچ رہے تھے کہ اُس کے گھر جائیں جائیں، صبح گفٹ بھی لینے جائیں گے اور پھر پارٹی میں بھی جائیں گے۔"
امی نے مسکراتے ہوئے کہا،
"اچھا؟"
"جی امی!"

ماہم اُن کے گلے میں بازو ڈال کر بولی،
"پلیز جانے دیں نا!"
امی چند لمحے خاموش رہیں۔
پھر مسکراتے ہوئے بولیں،
"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ چلے جانا۔ تھوڑا گھوم پھر بھی لینا، فَن بھی کر لینا۔"
تینوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔
لیکن اگلے ہی لمحے امی کی آواز سنجیدہ ہو گئی۔
"مگر ایک بات..."
سب اُنہیں دیکھنے لگیں۔
"تم لوگ اکیلے نہیں جاؤ گی۔"
ماہم کے چہرے کی مسکراہٹ ہلکی پڑ گئی۔
"کیوں امی؟"
امی کے چہرے پر پریشانی آ گئی۔
"کل جو حادثہ ہوا تھا... میں ابھی تک اُسے نہیں بھولی۔"
لاؤنج میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔
پھر امی نے آہستہ سے کہا،
"اپنے بابا یا ڈرائیور کو ساتھ لے جانا۔
جی امی۔

☆☆☆

زہیر اور ضرار اس وقت آفس میں اپنے کام میں پوری طرح مصروف تھے۔ فائلوں کا ڈھیر ان کے سامنے پڑا تھا اور دونوں مسلسل کئی گھنٹوں سے بغیر رکے کام کر رہے تھے۔ کبھی کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں جم جاتیں تو کبھی کسی ضروری فائل کو چیک کرنے میں مصروف ہو جاتے۔ آفس کا ماحول بھی کافی خاموش تھا اور ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مگن تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا لیکن کام ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔
کافی دیر مسلسل کام کرنے کے بعد زہیر نے تھکی ہوئی انداز میں اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور ایک لمبی

سانس لیتے ہوئے ضرار کی طرف دیکھا۔ اور ہلکی سی پریشانی اور تھکن بھرے لہجے میں بولا، "یار، آخر کب تک؟ کب ختم ہو گا یہ کام؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے آج تو گھر جانا ہی نصیب نہیں ہو گا۔"

زہیر کی بات سن کر زرار ہلکا سا مسکرایا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا، "بس یار، تھوڑا سا اور رہ گیا ہے۔ اتنی محنت کر ہی لی ہے تو یہ بھی ختم کر لیتے ہیں۔"

یہ سن کر زہیر نے بے بسی سے سر ہلایا اور دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔ کچھ دیر کی مزید محنت کے بعد آخر کار ان دونوں نے باقی بچا ہوا چھوٹا موٹا کام بھی مکمل کر لیا۔ جیسے ہی آخری فائل بند ہوئی، دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ کافی دیر کی مسلسل مصروفیت کے بعد آخر انہیں کچھ راحت محسوس ہوئی۔

پھر دونوں نے اپنی اپنی چیزیں سمیٹیں، آفس بند کیا اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا ان کی ساری تھکن کچھ کم کر رہی تھی جبکہ دونوں یہی سوچ رہے تھے کہ گھر پہنچ کر آج سکون سے آرام کریں گے۔

☆☆☆

رات کے وقت جب سب گھر والے ایک ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے تو گھر کا ماحول کافی خوشگوار تھا۔ سب ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھانے کا لطف اٹھا رہے تھے۔ مریم نے ہمیشہ کی طرح آج بھی سب کے لیے بہت محبت سے کھانا تیار کیا تھا۔ کھانے کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی اور سب بڑے مزے سے کھانا کھا رہے تھے۔

اقراش نے جیسے ہی ایک نوالہ منہ میں ڈالا تو فوراً حیرانی سے بولا، "امی! آج کا کھانا تو بہت ہی مزیدار بنا ہے، سچ میں بہت ٹیسٹی۔ کیسے بنایا تھا؟"

اقراش کی بات سن کر سب ہلکا سا مسکرانے لگے، مگر اسی دوران اس کی امی ہنستے ہوئے بولیں، "ارے بھئی! آج کھانا مریم نے بنایا ہے۔"

یہ سنتے ہی اقراش نے حیران ہو کر بھنویں اوپر کیں اور بولا، "اچھا! پھر تو راز سمجھ آیا۔

سب اسی طرح باتیں اور ہنسی مذاق میں مصروف رہے۔ کافی دیر بعد جب کھانا ختم ہو گیا تو ایک ایک کر کے سب لوگ اٹھنے لگے۔ مریم نے ہمیشہ کی طرح خاموشی سے میز صاف کرنا شروع کر دی۔ وہ تمام برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔ برتن کافی زیادہ تھے اور سنک تقریباً بھر چکا تھا۔

آج برتن دھونے کی باری ماہم کی تھی۔ مریم نے کچن سے اونچی آواز میں پکارا،

"ماہم! آج تمہاری باری ہے، آجاؤ برتن دھولو۔"
لیکن ماہم نے باہر سے فوراً جواب دیا،
"نہیں، آج میں نہیں دھو سکتی۔"
یہ کہہ کر وہ آرام سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر بڑے سکون سے اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگانے لگی، جیسے اسے دنیا کی کوئی فکر ہی نہ ہو۔
ادھر مریم نے جب کافی دیر تک انتظار کیا اور ماہم نہ آئی تو وہ غصے میں سیدھا اس کے کمرے کی طرف گئی۔ اندر جا کر اس نے ماہم کو سکون سے نیل پالش لگاتے دیکھا تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
"یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم یہاں آرام سے بیٹھی ہو؟ جاؤ اٹھو! آج تمہاری باری ہے۔ میں دو دن مسلسل برتن دھو چکی ہوں، اب آج تم دھو گی۔"
ماہم نے ایک نظر مریم کو دیکھا اور پھر بڑے لاپرواہ انداز میں بولی،
"میں نے کہا نا، آج نہیں دھو سکتی۔"
مریم نے بازو باندھتے ہوئے غصے سے کہا،
"کیوں نہیں دھو سکتی؟"
ماہم نے نیل پالش کی بوتل بند کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا،
"مریم! باہر تو تم سے کسی کے سامنے زبان نہیں چلتی اور گھر پر میرے اوپر بڑی دھونس جما رہی ہو۔"
بس پھر کیا تھا، مریم کا پارہ اور چڑھ گیا۔
"ہاں ہاں! چلاؤں گی زبان، کیونکہ تم ہر کام سے بھاگتی ہو۔ تین دن سے میں برتن دھو رہی ہوں۔ تم نے تو کمال ہی کر دیا!"
ماہم بھی فوراً کھڑی ہو گئی۔
"اوہ پلیز! اتنا ڈرامہ مت کرو۔"
دونوں کی آوازیں آہستہ آہستہ اونچی ہونا شروع ہو گئیں۔ ایک دوسرے کو جواب دیتے دیتے بات اتنی بڑھ گئی کہ دونوں نے ایک دوسرے کو بہت کچھ سنانا شروع کر دیا۔
اسی دوران معصوم سی میرا ایک کونے میں بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جیسے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ آخر ہو کیا رہا ہے۔

اتنے میں اقراش بھی وہاں آگیا۔ اس نے دونوں کو لڑتے دیکھا تو پہلے حیران ہوا، پھر صوفے پر آرام سے جا کر بیٹھ گیا۔

"ارے بس بھی کرو دونوں!"

لیکن دونوں کہاں سننے والی تھیں۔

اکراش نے ایک نظر دونوں کو دیکھا، پھر آرام سے بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اوپر سے تالیاں بجاتے ہوئے بولا،

"واہ! جاری رکھو... اور کرو... بڑا مزہ آرہا ہے۔"

ماہم نے غصے سے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔

"تم چپ رہو!"

اور اکراش ہنسنے لگا۔

اسی شور شرابے کے درمیان ان کی امی گھبرائی ہوئی وہاں آئیں۔

"بس کرو! اللہ کے واسطے بس کرو!"

مگر دونوں تب بھی خاموش نہیں ہو رہی تھیں۔

ماہم فوراً بولی،

"امی! آپ خود ہی دیکھ لیں اس کو، باہر کسی کے سامنے کچھ نہیں بولتی لیکن گھر میں سارا غصہ مجھ پر نکالتی ہے۔"

مریم فوراً بولی،

"اور آپ اس سے پوچھیں کہ برتن کیوں نہیں دھو رہی؟"

گھر کا ماحول مکمل میدان جنگ بن چکا تھا۔ شور اتنا تھا کہ لگ رہا تھا پورا محلہ سن رہا ہو گا۔

آخر کار ان کی امی نے دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پلیز! خاموش ہو جاؤ تم دونوں۔ میرا سر درد کر گیا ہے۔ برتن میں خود دھو لوں گی۔"

امی کی یہ بات سن کر دونوں خاموش ہو گئیں۔ پھر غصے سے ایک دوسرے کو گھورتی ہوئی اپنے اپنے بستروں پر جا کر بیٹھ گئیں۔

اور ادھر ان کی امی بے چاری سر ہلاتی ہوئی خود کچن کی طرف برتن دھونے چلی گئیں، جبکہ اقراش اب بھی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے آہستہ سے بولا،

"قسم سے... آج تو مفت میں زبردست تماشا دیکھنے کو ملا۔"

اور یہ سن کر مریم اور ماہم دونوں نے ایک ساتھ اسے گھورا... اور اس کے بعد اس کی ہنسی بھی فوراً غائب ہو گئی۔

اقراش نے جیسے ہی دیکھا کہ مریم اور ماہم دونوں اسے ایک ساتھ گھور رہی ہیں تو اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا۔ چند لمحے پہلے جو بڑے مزے سے تالیاں بجا بجا کر تماشا دیکھ رہا تھا، اب فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے خشک ہوتے گلے کے ساتھ ہلکی سی مسکراہٹ دی اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا،

"سوری... سوری... ارے بابا سوری! میں تو بس مذاق کر رہا تھا، اب کچھ نہیں کہوں گا۔"

مگر دونوں خاموشی سے اسے گھورتی رہیں۔

اقراش نے جب دیکھا کہ معاملہ ابھی بھی خطرناک ہے تو فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا،

"سوری بابا... سوری... میری بہنو! جان چھوڑ دو میری۔"

یہ کہہ کر وہ فوراً وہاں سے ایسے نکلا جیسے جان بچا کر بھاگ رہا ہو۔ اس کے جاتے ہی وہاں دوبارہ خاموشی چھا گئی۔

مریم اور ماہم دونوں غصے سے اپنے اپنے سنگل بیڈ پر جا کر بیٹھ گئیں۔ دونوں نے جان بوجھ کر اپنے چہرے دوسری طرف پھیر لیے تھے۔ ایک کمرے میں ہونے کے باوجود ایسا لگ رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان میلوں کا فاصلہ آ گیا ہو۔

دونوں کے دل میں ابھی بھی ناراضی باقی تھی۔

ماہم نے ہلکے غصے سے منہ پھیرتے ہوئے سوچا،

"میں تو اب اس سے بات ہی نہیں کروں گی۔"

اور ادھر مریم بھی تقریباً یہی سوچ رہی تھی۔

اتنے میں چھوٹی سی میرا معصوم قدموں سے چلتی ہوئی مریم کے پاس آئی۔ وہ کافی دیر سے یہ سب خاموشی سے دیکھ رہی تھی مگر اب اس سے رہا نہیں گیا۔

وہ آہستہ سے مریم کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی اور معصومیت سے بولی،

"مریم آپی... کیا ہو رہا تھا؟ آپ دونوں لڑ کیوں رہے تھے؟"

مریم نے فوراً اپنے چہرے کے تاثرات بدل لیے اور اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے بولی،

"کچھ نہیں، میری جان۔ بس ایسے ہی تھوڑی سی بحث ہو گئی تھی۔ تم فکر مت کرو اور اب آرام سے سو جاؤ، بہت رات ہو چکی ہے۔"

میرا نے خاموشی سے سر ہلایا اور کچھ ہی دیر بعد وہ سوتے سوتے خوابوں کی دنیا میں چلی گئی۔
مگر مریم اور ماہم کے لیے نیند جیسے روٹھ چکی تھی۔
کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک صاف سنائی دے رہی تھی۔ وقت گزرتا رہا...
بارہ بجے...
ایک بجا...
پھر دو...
اور دیکھتے ہی دیکھتے رات کے تقریباً تین بج گئے۔
مگر دونوں ابھی تک جاگ رہی تھیں۔
کبھی مریم کروٹ بدلتی تو کبھی ماہم آہ بھرتی۔ دونوں کے دل میں غصہ تو تھا لیکن ایک عجیب سی بے چینی بھی تھی۔ آخر بہنوں کے جھگڑے زیادہ دیر کہاں چلتے ہیں؟
پھر اچانک دونوں تقریباً ایک ہی وقت پر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
پہلے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر فوراً نظریں چرا لیں۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مریم دھیرے سے بولی،
"سوری..."
اسی وقت ماہم بھی بولی،
"سوری..."
دونوں ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں اور پھر اچانک ہنس پڑیں۔
ماہم فوراً اٹھ کر مریم کے پاس آئی اور بولی،
"اچھا بابا سوری... اب آئندہ ایسے نہیں لڑیں گے۔"
مریم نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔
"ہاں سوری یار... اب نہیں لڑیں گے۔"
اور پھر دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔
کمرے کی ساری ناراضی ایک لمحے میں ختم ہو گئی۔
اتنے میں اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔

ٹن ٹون!
رات کے اس وقت گھنٹی سن کر دونوں چونک گئیں۔
مریم فوراً بولی،
"اتنی رات کو کون آیا ہے؟"
ماہم بھی حیران ہو گئی۔
دونوں جلدی سے باہر کی طرف گئیں۔ جیسے ہی دروازہ کھولا تو سامنے ان کے بابا کھڑے تھے۔
دونوں کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔
کیونکہ آج ان کے بابا آفس کے کام سے اور ایک ضروری میٹنگ کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے تھے اور آج واپس آنے والے تھے۔
"بابا!!!!"
دونوں خوشی سے ایک ساتھ بولیں اور فوراً جا کر ان کے گلے لگ گئیں۔
ان کے بابا بھی مسکراتے ہوئے دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔
"ارے ارے... میری بیٹیاں ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"
دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور فوراً نظریں چرا لیں۔
کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی ان کا زبردست جھگڑا ختم ہوا تھا۔
کچھ دیر بابا کے ساتھ بیٹھنے کے بعد دونوں واپس اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔
مگر اب دونوں کے چہروں پر ناراضی نہیں، بلکہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ کیونکہ لڑائی ختم ہو چکی تھی... اور بہنوں کے درمیان محبت ایک بار پھر جیت گئی تھی۔

☆☆☆

رات بہت گہری ہو چکی تھی۔ ہر طرف ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، ایسی خاموشی جو دل میں انجانا سا خوف بھر دے۔ آسمان پر سیاہ بادل پھیلے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دور کہیں کتوں کے بھونکنے اور جھینگروں کی آوازیں اس سنسان ماحول کو مزید ڈراؤنا بنا رہی تھیں۔
ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ویران جگہ ہو... جہاں دور دور تک کوئی انسان موجود نہ ہو۔
بتول اس وقت ایک سنسان روڈ پر اکیلی چل رہی تھی۔ اس کے ارد گرد گھنے درخت تھے، جو کسی جنگل کا منظر

پیش کر رہے تھے۔ ہوا کے ساتھ درختوں کی شاخیں ہل رہی تھیں اور ان سے عجیب و غریب آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ بتول کے قدم تیز ہوتے جا رہے تھے جبکہ اس کے دل کی دھڑکن بھی بے قابو ہو رہی تھی۔

وہ بار بار گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"میں... میں کہاں ہوں؟"

اس نے ڈرتے ہوئے خود سے کہا۔

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے اس کے پیچھے کوئی موجود ہو۔

اس نے ڈرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا...

مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

اس کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔

تبھی اچانک سامنے دور سے ایک بہت تیز روشنی اس کی آنکھوں پر پڑی۔

بتول نے گھبرا کر سامنے دیکھا...

ایک بہت بڑا ٹرک پوری رفتار سے اسی کی طرف آ رہا تھا۔

ٹرک کی تیز لائٹس سیدھی اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھیں جبکہ اس کا ہارن مسلسل زور زور سے بج رہا تھا۔

بتول کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

وہ زور سے چیخی،

"نہیں!!"

اور پوری طاقت سے بھاگنا شروع کر دیا۔

اس کے قدم خوف سے لڑکھڑا رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بار بار پیچھے دیکھ رہی تھی۔

مگر ٹرک بھی بہت تیزی سے اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بتول چیخیں مار رہی تھی۔

"بچاؤ! کوئی مجھے بچاؤ!"

اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اب سب ختم ہونے والا ہے۔

وہ ڈر کے مارے رو رہی تھی اور تیزی سے بھاگتی جا رہی تھی...

تبھی اچانک کسی نے اس کے چہرے کو ہلایا۔

"بتول! بتول! کیا ہوا؟"
بتول نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔
وہ زور سے ہانپ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور سانسیں بے ترتیب چل رہی تھیں۔
سامنے اس کی امی پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
بتول نے چند لمحے ادھر ادھر دیکھا، پھر اچانک اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنا ہاتھ دل پر رکھا۔
"شکر ہے... خواب تھا..."
وہ ہانپتے ہوئے بولی۔
اس کی امی نے فوراً اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"کیا ہوا بیٹا؟ تم اتنا کیوں ڈر گئی؟"
بتول نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا،
"امی... ذرا پانی دے دیں۔ پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے آج بہت برا خواب دیکھا۔"
اس کی امی فوراً پانی لے آئیں۔
بتول نے جلدی جلدی پانی پیا، لیکن اس کے ہاتھ ابھی بھی ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔
اس کی امی نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں،
"کچھ نہیں ہوا، بیٹا۔ بس برا خواب تھا۔ کبھی کبھار ایسے خواب آجاتے ہیں، ان سے ڈرنا نہیں چاہیے۔"
پھر انہوں نے محبت سے اس کے ماتھے کو چوما اور کہا،
"چلو اب آرام سے لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو، کچھ نہیں ہوتا۔"
بتول نے خاموشی سے سر ہلایا۔
وہ دوبارہ لیٹ تو گئی، مگر اس کی آنکھوں میں ابھی بھی ڈر باقی تھا۔ وہ چھت کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ آخر اس نے اتنا خوفناک خواب کیوں دیکھا۔ کمرے میں دوبارہ خاموشی چھا چکی تھی، مگر اس کے دل کی دھڑکن ابھی بھی معمول پر نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

صبح کی اذانوں کی مدھم صدائیں فضا میں گھل رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کھڑکی کے پردوں کو ہلکے ہلکے ہلا رہے تھے۔ پورا گھر گہری خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا، جیسے ہر طرف سکون نے اپنے قدم جما لیے ہوں۔ ایسے پُرسکون

ماحول میں مریم کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آہستہ سے بستر چھوڑا تاکہ کسی کی نیند خراب نہ ہو، پھر خاموش قدموں سے وضو کرنے چلی گئی۔

وضو کر کے وہ جائے نماز پر آ بیٹھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا۔ اس نے دل لگا کر نماز ادا کی، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی۔ دعا ختم ہوئی تو وہ کچھ لمحے خاموش بیٹھی رہی، جیسے اپنے رب سے باتیں کر رہی ہو۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد مریم اٹھی اور آہستہ آہستہ اپنی امی کے کمرے کی طرف گئی۔ اس نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"امی... نماز کا وقت ہے۔"

اس کی آواز میں عجیب سی مٹھاس تھی۔

امی نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور مسکراتے ہوئے اٹھ گئیں۔ وضو کرنے کے بعد انہوں نے بھی نماز ادا کی۔ پھر مریم نے ماہم کو اٹھانے کی کوشش کی۔

"ماہم... اٹھو، نماز پڑھ لو۔"

لیکن ماہم نے کمبل مزید اوپر کھینچ لیا اور منہ بنا کر بولی،

"مجھے سونے دو نا... ابھی نہیں..."

مریم نے اسے پھر سے ہلایا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

تب امی نے مسکرا کر کہا،

"چھوڑ دو اسے، بعد میں اٹھ جائے گی۔"

مریم نے بے بسی سے کندھے اچکا دیے اور واپس چلی گئی۔

وقت گزرتا گیا۔ صبح کی روشنی اب پورے گھر میں پھیل چکی تھی۔ سورج کافی اوپر آ چکا تھا اور گھڑی کی سوئیاں دس بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ماہم کی آنکھ کھلی۔ وہ اٹھیں، فریش ہوئیں اور پھر باہر آ کر مریم کو آواز دی۔

"مریم!"

مریم جلدی سے ان کے پاس آئی۔

"جی"

امی نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ، اچھے کپڑے اور جوتے پہن لو۔ باہر چلتے ہیں۔"
مریم نے حیرانی سے پوچھا،
"کہاں جانا ہے؟"
ماہم نے اپنے دوپٹے کی پن ٹھیک کرتے ہوئے کہا،
"میری دوست سارا کی آج برتھ ڈے ہے۔ شام کو اس کے گھر جانا ہے، تو سوچا ابھی بازار چلتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی اچھا سا گفٹ بھی لے لیتے ہیں اور تھوڑا گھوم پھر بھی لیں گے۔"
یہ سنتے ہی مریم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"ٹھیک ہے ماہم!"
اتنا کہہ کر وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔
کچھ دیر بعد دونوں تیار ہو کر نیچے آ گئیں۔ ڈرائیور پہلے ہی گاڑی کے پاس کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں گاڑی میں بیٹھیں اور گاڑی آہستہ آہستہ گھر کے گیٹ سے نکل کر بازار کی طرف روانہ ہو گئی۔
مریم کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سڑکوں پر لوگوں کی چہل پہل، دکانوں کی رونقیں اور صبح کی تازہ فضا... اسے نہ جانے کیوں آج سب کچھ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔
وہ دونوں بازار پہنچیں تو ہر طرف خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ دکانوں کے باہر لوگوں کا رش تھا، کہیں رنگ برنگے کپڑے سجے ہوئے تھے تو کہیں تحفوں اور سجاوٹ کی چیزوں کی چمک دمک ماحول کو مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔
مریم ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنی بہن، ماہم کے ساتھ چل رہی تھی۔
ماہم نے اچانک مریم کی طرف دیکھ کر پوچھا،
"مریم، بتاؤ نا سارا کے لیے کیا گفٹ لیں؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"
مریم نے چند لمحے سوچا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی،
"کیوں نہ اس کے لیے کوئی خوبصورت سا سوٹ لے لیں؟ اچھا سا پیک کروا دیتے ہیں، گفٹ بھی اچھا لگے گا۔"
ماہم نے فوراً منہ بنایا اور سر ہلاتے ہوئے بولی،
"نہیں یار! یہ تو بہت بورنگ سا لگ رہا ہے۔ کچھ الگ اور خاص ہونا چاہیے۔"
مریم نے ہلکا سا ہنستے ہوئے دوبارہ سوچا اور پھر بولی،
"اچھا... پھر ایسا کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت سا بریسلٹ گفٹ کر دیتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ماہم کے چہرے پر چمک آگئی۔

"ہاں! بس یہ ہوئی نا اچھی بات۔ یہ آئیڈیا کافی اچھا ہے۔"

پھر دونوں بریسلٹ کی دکان کی طرف بڑھ گئیں۔ دکان کے اندر روشنیوں کی چمک میں مختلف ڈیزائن کے بریسلٹ رکھے ہوئے تھے۔ مریم اور ماہم بڑی توجہ سے ایک ایک ڈیزائن دیکھنے لگیں۔

کافی دیر دیکھنے کے بعد ان کی نظر ایک نہایت خوبصورت سنہری بریسلٹ پر جا رکی۔

ماہم نے خوش ہوتے ہوئے کہا،

"بس! یہی ٹھیک ہے، سارا کو یہ ضرور پسند آئے گا۔"

دکاندار نے مسکراتے ہوئے وہ بریسلٹ نکالا اور بڑی احتیاط سے خوبصورت سے گفٹ پیپر میں پیک کر دیا۔ ماہم نے خوشی سے وہ گفٹ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

خریداری کے بعد دونوں تھوڑا آگے نکل گئیں۔ بازار میں گھومتے گھومتے اب انہیں بھوک بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

ماہم نے فوراً کہا،

"چلو کہیں ناشتا کر لیتے ہیں۔"

اور پھر وہ دونوں ایک چھوٹے سے ڈھابے پر جا بیٹھیں۔ وہاں کا ماحول کافی اچھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ارد گرد لوگوں کی ہلکی ہلکی آوازیں ماحول میں گھل رہی تھیں۔

انہوں نے وہاں بیٹھ کر چائے منگوائی، ساتھ کچھ ہلکا پھلکا ناشتہ کیا اور پھر کافی بھی پی۔

دونوں آپس میں باتیں کرتی رہیں، ہنستی رہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر شرارتیں بھی کرتی رہیں۔ کچھ دیر کے لیے ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد جب خوب گھوم پھر لیں اور مستیاں بھی مکمل ہو گئیں تو دونوں واپس گاڑی کی طرف آگئیں۔

ڈرائیور پہلے ہی گاڑی کے پاس کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں مسکراتے ہوئے گاڑی میں جا کر بیٹھ گئیں۔

اور گھر کی طرف چلی گئی۔

جیسے ہی مریم اور ماہم کی گاڑی گھر کے بڑے سے گیٹ کے اندر داخل ہوئی، دونوں کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ گھر کے اندر سے آوازیں آرہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پورے گھر میں کوئی ہلچل مچی ہوئی ہو۔ مریم نے حیرانی سے ماہم کی طرف دیکھا جبکہ ماہم نے بھی الجھن سے اپنی بھنویں سکیڑ لیں۔

"یہ گھر میں اتنا شور کیوں ہو رہا ہے؟" ماہم نے حیرت سے پوچھا۔
مریم نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا،
"مجھے بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا..."
گاڑی جیسے ہی پورچ میں رکی، دونوں جلدی سے نیچے اتریں۔ مگر اندر کا منظر دیکھ کر دونوں چند لمحوں کے لیے وہیں رک گئیں۔
پورا گھر سر پر اٹھا ہوا تھا۔
چھوٹی سی میرا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ لیے پورے گھر میں ادھر سے اُدھر بھاگ رہی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور وہ زور زور سے روتے ہوئے بس ایک ہی بات دہرا رہی تھی۔
"مجھے جانا ہے! ابھی جانا ہے! ابھی جانا ہے!"
اور اس کے پیچھے اس کی امی پریشانی میں پورے گھر کے چکر لگا رہی تھیں۔
"میرا! میری بات سنو!"
"میرا رک جاؤ!"
"ارے میری بچی، پہلے میری بات تو سنو!"
مگر میرا کہاں کسی کی سننے والی تھی۔ وہ روتے روتے کبھی صوفے کے پیچھے چھپتی، کبھی سیڑھیوں کی طرف بھاگتی اور پھر ایک طرف سے دوسری طرف دوڑنے لگتی۔
اس کی امی کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آ رہی تھی۔
مریم یہ سب دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھی۔
"امی! کیا ہوا؟ سب خیریت ہے؟ میرا اتنا کیوں رو رہی ہے؟"
امی نے لمبی سانس لی اور ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے بولیں،
"ارے مت پوچھو! اس لڑکی نے صبح سے میرا دماغ خراب کر رکھا ہے۔"
مریم نے حیرانی سے میرا کی طرف دیکھا جو اب بھی روتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔
امی نے بات جاری رکھی،
"اس نے ضد پکڑ لی تھی کہ اسے گڑیا چاہیے۔ تو میں نے اسے بہلانے کے لیے کہہ دیا تھا کہ جب تم لوگ بازار سے واپس آؤ گی تب لے جانا۔"

وہ ایک لمحے کو رکی پھر بے بسی سے بولیں،
"لیکن اس نے تو اب آسمان سر پر اٹھالیا ہے۔ اب کہہ رہی ہے نہیں! ابھی جانا ہے! ابھی گڑیا چاہیے!"
مریم نے ایک نظر میرا کو دیکھا اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آگئی۔
"اوہ تو یہ بات ہے..."
وہ آہستہ آہستہ میرا کی طرف بڑھی۔
میرا ابھی بھی منہ پھلائے، آنسو بہاتے اور سسکیاں لیتے ہوئے کھڑی تھی۔
مریم اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی اور نرمی سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی،
"میرا..."
میرا نے فوراً منہ دوسری طرف پھیر لیا۔
"نہیں! مجھے بات نہیں کرنی!"
مریم ہنس پڑی۔
"اچھا جی؟ اب اتنی ناراضی؟"
میرا نے غصے سے چھوٹا سا منہ مزید پھلا لیا۔
"آپ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے!"
"اور مجھے گڑیا بھی نہیں ملی!"
اس کی معصوم آواز سن کر مریم کو ہنسی بھی آرہی تھی اور پیار بھی۔
اس نے آہستہ سے پوچھا،
"اچھا تو بتاؤ... میری شہزادی کو کیسی گڑیا چاہیے؟"
یہ سنتے ہی میرا کے آنسو رک گئے۔
اس نے فوراً اپنی بڑی بڑی آنکھیں مریم کی طرف اٹھائیں۔
چند لمحے وہ خاموشی سے مریم کو دیکھتی رہی، پھر اچانک اس کے چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ آگئی۔
وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے بولی،
"مجھے بڑی والی گڑیا چاہیے۔"
پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا،

"اتنی بڑی!"
سب اس کی حرکت دیکھ کر ہنس پڑے۔
مریم نے ہنسی روکتے ہوئے پوچھا،
"صرف گڑیا؟"
میرا نے فوراً سر ہلایا۔
"نہیں! خوبصورت والی گڑیا!"
"جس کے لمبے لمبے بال ہوں!"
"اور آنکھیں بند کرنے سے بند ہو جائیں!"
"اور..."
وہ کچھ سوچ کر پھر بولی،
"اور گلابی فراک پہنی ہو!"
اس کی باتیں سن کر مریم ہنسنے لگی۔
"بس بس... اتنی شرطیں؟"
میرا نے فوراً بازو باندھ لیے۔
"ہاں!"
تبھی مریم نے مسکرا کر ڈرائیور کی طرف دیکھا۔
"بھائی، گاڑی نکالیں۔"
یہ سنتے ہی میرا رونا فوراً بھول گئی اور خوشی سے اچھلنا شروع کر دیا۔
"سچ؟!"
"ہم ابھی جائیں گے؟"
مریم نے اس کی ناک کھینچتے ہوئے کہا،
"ہاں میری شہزادی، ابھی جائیں گے۔"
میرا خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔
ادھر ماہم پورا سامان اٹھائے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ جاتے جاتے وہ مسکرا کر بولی،

"مجھے دوبارہ بازار جانے کا بالکل شوق نہیں ہے۔ تم دونوں ہی جاؤ۔"
مریم نے بھی ہنستے ہوئے سر ہلا دیا۔
اور پھر چند ہی لمحوں بعد مریم اور میرا گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔
میرا پورے راستے ایک لمحہ بھی خاموش نہیں رہی۔
کبھی کھڑکی سے باہر دیکھتی، کبھی مریم کا ہاتھ پکڑتی اور کبھی جوش سے بولتی،
"مریم باجی! مجھے اچھی والی گڑیا لینی ہے!"
"اور اگر اچھی نہ ہوئی نا تو میں نہیں لوں گی!"
مریم بس اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔
کچھ ہی دیر میں گاڑی بازار کی مصروف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک بڑے سے بازار کے سامنے آکر رکی۔
گاڑی کے رکتے ہی میرا نے جلدی سے کھڑکی سے باہر جھانکا اور بے صبری سے بولی،
"مریم باجی! آ گئے؟"
اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی، جیسے اسے اپنی دنیا کی سب سے قیمتی چیز ملنے والی ہو۔
مریم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے گال کھینچے۔
"ہاں میری شہزادی، آ گئے۔ لیکن اب بھاگنا نہیں ہے۔ آرام سے چلنا ہے۔"
میرا نے فوراً معصومیت سے سر ہلایا۔
"اچھا!"
لیکن اس کے چہرے کی شرارت صاف بتا رہی تھی کہ وہ بالکل بھی سکون سے چلنے والی نہیں۔
گاڑی سے اترتے ہی اس نے فوراً مریم کا ہاتھ پکڑ لیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں ہر دکان پر جا رہی تھیں۔ کبھی وہ کسی غبارے والے کو دیکھتی تو کبھی کسی کھلونے والے کو۔
اچانک اس کی نظر سامنے ایک کھلونوں کی دکان پر پڑی۔
دکان کے شیشے کے پیچھے مختلف رنگوں کی گڑیاں، ٹیڈی بیئر اور بچوں کے کھلونے سجے ہوئے تھے۔
میرا کی آنکھیں خوشی سے بڑی ہو گئیں۔
"مریم باجی! دیکھو!"
وہ تقریباً اچھلتے ہوئے بولی۔

"وہاں! گڑیا!"
مریم ہنس دی۔
"اچھا بابا... چلو۔"
اور پھر دونوں دکان کی طرف بڑھ گئیں۔
جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئیں، میرا حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔
وہ جگہ بچوں کی چھوٹی سی جنت لگ رہی تھی۔
چاروں طرف رنگ برنگے کھلونے سجے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی گڑیاں، چھوٹی گڑیاں، بولنے والی گڑیاں، ٹیڈی بیئر، گاڑیاں اور نہ جانے کیا کیا۔
میرا تو خوشی سے کبھی اِدھر بھاگتی تو کبھی اُدھر۔
"یہ والی!"
"نہیں نہیں یہ!"
"اوہ! یہ کتنی پیاری ہے!"
مریم بس کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔
کافی دیر تک میرا ہر گڑیا کو اٹھا اٹھا کر دیکھتی رہی۔ کبھی ایک پسند آتی تو اگلے ہی لمحے دوسری اچھی لگنے لگتی۔
مریم نے بے بسی سے سر ہلایا۔
"میرا... تم نے گڑیا لینی ہے یا پوری دکان؟"
میرا نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا،
"مجھے سب اچھی لگ رہی ہیں۔"
مریم ہنس پڑی۔
اسی دوران اس کی نظر ایک نہایت خوبصورت گڑیا پر جا کر رکی۔
اس نے آہستہ سے وہ گڑیا اٹھائی۔
گڑیا نے ہلکے گلابی رنگ کی خوبصورت فراک پہن رکھی تھی۔ اس کے لمبے سنہری بال تھے اور بڑی بڑی نیلی آنکھیں تھیں۔
بالکل ویسی...

جیسی میرا راستے بھر مانگ رہی تھی۔
مریم نے مسکرا کر گڑیا میرا کے سامنے کی۔
"یہ کیسی ہے؟"
میرا نے پہلے حیرانی سے دیکھا۔
پھر چند لمحے خاموش رہی۔
اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر اتنی بڑی مسکراہٹ آگئی کہ جیسے اسے دنیا کی سب سے قیمتی چیز مل گئی ہو۔
"یہ!"
وہ خوشی سے تقریباً چیخ پڑی۔
"مجھے یہی چاہیے!"
اس نے فوراً گڑیا کو اپنے سینے سے لگالیا۔
مریم اس کی خوشی دیکھ کر مسکرادی۔
پھر اس نے وہ گڑیا خریدلی اور دونوں واپس دکان سے باہر آگئیں۔
راستے بھر میرا اپنی نئی گڑیا سے باتیں کرتی رہی۔
کبھی اس کے بال ٹھیک کرتی، کبھی اسے پیار کرتی اور کبھی مریم سے پوچھتی،
"یہ اچھی ہے نا؟"
مریم صرف اسے دیکھ کر مسکراتی رہی۔
دونوں واپس گاڑی میں آکر بیٹھ گئیں اور گاڑی آہستہ آہستہ گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔
شام کی ہلکی ہوا چل رہی تھی جبکہ میرا اپنی گڑیا کو سینے سے لگائے اتنی خوش تھی جیسے اس نے کوئی خزانہ جیت لیا ہو۔
اور مریم...وہ خاموشی سے اسے دیکھ کر بس مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

صبح کا وقت گزر چکا تھا اور سورج کافی اوپر آچکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں تقریباً گیارہ بجنے کا اشارہ دے رہی تھیں۔
گھر کے باہر ہلکی ہلکی دھوپ لان میں بچھی گھاس پر پڑ رہی تھی جبکہ ٹھنڈی سی ہوا ماحول میں ایک عجیب سا سکون گھول رہی تھی۔

مگر گھر کے اندر کا ماحول اس سکون سے بالکل مختلف تھا۔
کچن میں ناشتے کی میز سجی ہوئی تھی۔ گرم گرم پراٹھوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ چائے سے اٹھتی بھاپ اور تازہ ناشتہ ماحول کو مزید خوشگوار بنا رہا تھا۔
قدسیہ اور بتول کچن میں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں۔
قدسیہ نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے ایک لمبی سانس لی اور پھر اچانک جیسے انہیں کچھ یاد آیا۔
انہوں نے فوراً بتول کی طرف دیکھا۔
"ارے ہاں!"
بتول نے چونک کر سر اٹھایا۔
"جی امی؟"
قدسیہ نے ہلکی سی خفگی سے کہا،
"وہ دونوں شہزادے ابھی تک سو رہے ہیں؟"
بتول نے حیرانی سے آنکھیں جھپکائیں۔
"کون؟"
قدسیہ نے فوراً گھورا۔
"اور کون؟ تمہارے دونوں بھائی! ظہیر اور ضرار!"
"آج اتنا وقت ہو گیا ہے، گیارہ بج رہے ہیں۔ کیا ان دونوں نے آج اٹھنے کا ارادہ نہیں کیا؟"
پھر سر ہلاتے ہوئے بولیں،
"اتوار کا دن ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ دوپہر تک سوتے رہیں۔ ناشتہ نہیں کریں گے؟"
بتول نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے سر ہلایا۔
"ہاں امی، ابھی جگاتی ہوں۔"
پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا، وہ ذرا قریب ہو کر آہستہ سے بولی،
"ویسے امی... ایک بات پوچھوں؟"
قدسیہ نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا۔
"ہاں پوچھو۔"

بتول کے ہونٹوں پر آہستہ آہستہ مسکراہٹ آگئی۔
"آپ نے جو کل بات کی تھی..."
"کہ آج ماموں کے گھر چلتے ہیں اور دونوں بھائیوں کے لیے رشتہ لے کر آتے ہیں..."
اس نے شرارتی انداز میں آنکھ دبائی۔
"تاکہ جلدی جلدی دونوں لڑکیاں اس گھر میں آجائیں اور پھر ہم ان پر اپنا رعب جمائیں۔"
یہ سن کر قدسیہ کے چہرے پر عجیب سی چمک آگئی۔
انہوں نے فوراً سیدھا ہو کر دوپٹہ ٹھیک کیا اور ہونٹ سکیڑ کر بولیں،
"ہاں تو؟"
"بات تو بالکل ٹھیک ہے۔"
پھر نہایت سنجیدہ انداز بنانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں،
"آخر گھر میں بہوئیں بھی تو آنی چاہئیں۔"
لیکن ان کے چہرے کی خوشی صاف بتا رہی تھی کہ وہ اندر ہی اندر کافی پُرجوش تھیں۔
بتول ہنسی روک نہ سکی۔
"اچھا امی، ابھی لاتی ہوں آپ کے دونوں شہزادوں کو۔"
یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی۔
سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سی شرارتی مسکراہٹ تھی۔
وہ پہلے ضرار کے کمرے میں گئی۔
دروازہ کھولا تو جناب کمبل اوڑھے مزے سے سو رہے تھے۔
بتول آہستہ سے قریب گئی۔
"ضرار..."
کوئی جواب نہیں۔
"ضرار بھائی..."
پھر بھی خاموشی۔
آخر تنگ آکر اس نے زور سے کمبل کھینچا۔

"اٹھ جائیں جناب! گیارہ بج گئے!"
ضرار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔
"آگ لگ گئی؟!"
بتول زور سے ہنس پڑی۔
"نہیں، امی لگانے والی ہیں۔"
یہ سن کر ضرار فوراً سیدھا ہو گیا۔
پھر وہ زہیر کے کمرے کی طرف گئی۔
اور وہاں بھی تقریباً وہی حال تھا۔
بڑی مشکل سے دونوں بھائیوں کو اٹھایا گیا۔
کچھ دیر بعد دونوں فریش ہو کر نیچے آ گئے۔
ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہی ضرار نے جمائی لیتے ہوئے کہا،
"اتوار والے دن بھی سکون سے سونے نہیں دیتے۔"
بتول فوراً بولی،
"کیونکہ آج ایک بہت اہم خبر سننی ہے آپ لوگوں نے۔"
زہیر نے مشکوک نظروں سے سب کو دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
لیکن کسی نے جواب نہیں دیا۔
دونوں خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے۔
جب ناشتہ ختم ہوا تو اچانک قدسیہ نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔
سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔
انہوں نے بڑے سکون سے کہا،
"آج شام ہم ماموں کے گھر جا رہے ہیں۔"
ضرار نے حیرانی سے پوچھا،
"کیوں؟"

قدسیہ نے نہایت آرام سے جواب دیا،

"تم دونوں کے رشتے کی بات کرنے۔"

ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

ضرار کے ہاتھ میں پکڑا کپ تقریباً گرنے والا تھا۔

"کیاا!؟!"

ضرار بھی چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"امی! اتنی جلدی؟"

مگر ظہیر فوراً بول اٹھا،

"میں نہیں کروں گا شادی!"

یہ سنتے ہی قدسیہ نے فوراً گھورا۔

"اچھا؟"

پھر ڈرامائی انداز میں بولیں،

"اگر تم شادی نہیں کروگے نا..."

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولیں،

"تو میری لاش پر کروگے!"

چند لمحے پورا کمرہ خاموش رہا۔

پھر ضرار ہنسی نہ روک سکا۔

اور اگلے ہی لمحے بتول بھی ہنسنے لگی۔

زہیر بے بسی سے سب کو دیکھتا رہا۔

آخرکار اس نے لمبی سانس لی۔

"اچھا ٹھیک ہے..."

"مان گیا۔"

یہ سنتے ہی قدسیہ فاتحانہ انداز میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

اور پھر بڑے فخر سے بولیں،

"دیکھا؟ کیسے منایا میں نے اسے!"
بتول فوراً بولی،
"منایا نہیں امی... ڈرا دیا!"
پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا جبکہ ظہیر صرف بے بسی سے سب کو گھور رہا تھا۔ وہ بیچارہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ایک بجنے کا اشارہ دے رہی تھیں۔ سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور اس کی روشنی کھڑکیوں سے ہوتی ہوئی گھر کے مختلف کونوں میں پھیل رہی تھی۔ گھر کے زیادہ تر لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کہیں کچن میں برتنوں کی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں تو کہیں لان سے بچوں کی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔
لیکن اس پورے گھر میں ایک شخصیت ایسی بھی تھی جس پر ابھی تک نیند کا جادو مکمل طور پر چھایا ہوا تھا...
اور وہ تھے جناب اقراش۔
اقراش ابھی تک اپنے کمرے میں کمبل اوڑھے مزے سے سو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں نہ وقت کی خبر ہے اور نہ دنیا کی۔ چہرے پر سکون ایسے تھا جیسے برسوں کی تھکن آج ہی پوری کرنے کا ارادہ ہو۔
دوسری طرف عزرا صبح سے انہیں جگا جگا کر تھک چکی تھیں۔
کبھی دروازہ کھول کر کہتیں،
"اقراش! اٹھ جاؤ، دوپہر ہو گئی ہے!"
کبھی پردے ہٹا دیتیں تاکہ دھوپ اندر آئے۔
"کتنا سوؤ گے آخر؟"
لیکن جواب میں صرف خاموشی ملتی۔
اقراش کبھی ہلکا سا کروٹ بدل لیتے اور پھر دوبارہ گہری نیند میں چلے جاتے۔
آخرکار عزرا نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور بے بسی سے بولیں،
"یا اللہ! یہ لڑکا اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔"
اتنے میں سامنے والے کمرے سے ماہم یہ سب سن رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے اپنی امی کی آوازیں سن کر مسکرا رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ عزرا واقعی تھک چکی ہیں تو اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ ایک شرارتی مسکراہٹ

پھیل گئی۔
وہ خاموشی سے اٹھی اور کچن کی طرف چلی گئی۔
کچھ لمحوں بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ٹھنڈے پانی سے بھرا ایک گلاس تھا۔
عزرا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔
"ماہم... کیا کرنے لگی ہو؟"
ماہم نے صرف معنی خیز مسکراہٹ دی۔
اور اگلے ہی لمحے...
چھپاک!!!
پورا ٹھنڈا پانی سیدھا اقراش کے چہرے پر۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اچانک —
"کیاااااا!"
اقراش جھٹکے سے اٹھ کر سیدھے بستر پر بیٹھ گیا۔
بال بکھرے ہوئے، چہرہ پانی سے بھیگا ہوا اور آنکھوں میں غصہ اور حیرانی صاف نظر آ رہی تھی۔
وہ تقریباً روتے ہوئے بولے،
"امی! یہ کیا ہو گیا؟!"
"میں اٹھ رہا تھا نا!"
دروازے کے پاس کھڑی ماہم اپنی ہنسی بمشکل روک رہی تھی۔
اس نے خفگی ظاہر کرتے ہوئے کہا،
"جی ہاں! ابھی اٹھ رہے تھے!"
"دوپہر کا ایک بج گیا ہے نواب صاحب، اب بھی اگر ہم نہ اٹھاتے تو شاید شام کو اٹھتے۔"
اقراش نے غصے سے گھورا۔
"ماہم! تم نا —"
مگر وہ بات مکمل کرتے، اس سے پہلے ہی ماہم ہنستے ہوئے باہر بھاگ گئی۔
"جلدی سے اٹھو اور باہر آؤ!"

"اب کوئی واپس نہیں سوئے گا!"
اقراش نے بے بسی سے لمبی سانس لی اور اپنے گیلے بال پیچھے کرتے ہوئے بڑبڑایا،
"اس گھر میں میری کوئی عزت نہیں ہے..."
کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ گیا اور فریش ہونے چلا گیا۔
ادھر باہر لان میں مریم اور میرا کھیلنے میں مصروف تھیں۔ کبھی ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتیں تو کبھی ہنستی ہوئی گھاس پر بیٹھ جاتیں۔ میرا اپنی ننھی ننھی باتوں سے سب کو ہنسا رہی تھی۔
دوسری طرف ماہم اپنے کمرے میں جاکر بستر پر لیٹ گئی اور فون ہاتھ میں لے کر کچھ دیکھنے لگی۔
جبکہ عزرا گھر کے کاموں پر نظر رکھ رہی تھیں۔
پورے گھر میں اپنی اپنی مصروفیت تھی، مگر اقراش کے اچانک جاگنے کا قصہ ابھی تک سب کے چہروں پر مسکراہٹ چھوڑ گیا تھا۔
اقراش فریش ہونے کے بعد نیچے آیا تو گھر میں سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ لان میں مریم، اور میرا ہنستے کھیلتے ادھر اُدھر بھاگ رہی تھیں، عزرا گھر کے کام دیکھ رہی تھیں جبکہ ماہم ابھی بھی اپنے فون میں مصروف تھی۔
اقراش نے ایک نظر پورے گھر پر ڈالی، پھر خاموشی سے چابیاں اٹھائیں اور باہر نکل گیا۔
باہر موسم کافی خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ سڑکوں پر معمول کی چھل پہل تھی۔ اقراش جیب میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گیا جہاں اکثر اس کے دوست جمع ہوتے تھے۔
جیسے ہی وہ وہاں پہنچا، اس کے دوستوں نے اسے دیکھتے ہی شور مچا دیا۔
"اوہ ہو! جناب آخر کار تشریف لے آئے!"
"آج نواب صاحب کو نیند سے فرصت مل گئی؟"
اقراش ہلکا سا مسکرایا اور جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"بس یار، گھر والوں نے سونے ہی نہیں دیا۔"
سب ہنسنے لگے اور باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کوئی اپنے کالج کی بات کر رہا تھا، کوئی کل کے میچ کی، اور کوئی بس فضول باتوں پر ہنس رہا تھا۔
اقراش بھی ان کے ساتھ بیٹھا کبھی ہلکی مسکراہٹ دیتا تو کبھی کسی بات پر جواب دیتا۔

باتوں کے دوران اچانک اس کی نظر سامنے گئی۔
اس کے دو دوست ہاتھ میں سگریٹ پکڑے بیٹھے تھے۔
ہوا کے ساتھ دھواں اِدھر اُدھر پھیل رہا تھا۔
اقراش نے ایک لمحے کے لیے نظریں ہٹا لیں۔
تبھی اس کے ایک دوست نے شرارتی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،
"اقراش... آج تم بھی ٹرائی کرو۔"
اقراش نے فوراً سر ہلایا۔
"نہیں بھائی، مجھے نہیں پینا۔"
دوسرا دوست ہنس پڑا۔
"ارے ایک بار سے کیا ہو جائے گا؟"
اقراش نے پھر انکار کیا۔
"نہیں یار، واقعی نہیں۔"
مگر بات وہیں ختم نہیں ہوئی۔
"اتنا بھی کیا ڈرنا؟"
"صرف ایک بار!"
"اتنے سیدھے کب سے بن گئے؟"
پہلے مذاق ہوا... پھر بار بار اصرار ہونے لگا۔
اقراش کے چہرے کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
وہ جانتا تھا کہ وہ یہ نہیں کرنا چاہتا۔
مگر بار بار کی باتیں...
دوستوں کا دباؤ...
اور سب کے سامنے مذاق بننے کا ڈر...
کبھی کبھی انسان کو عجیب الجھن میں ڈال دیتا ہے۔
وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔

پھر ایک دوست نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"یار، اتنا سوچ کیوں رہے ہو؟"
اقراش نے بے دلی سے اس کی طرف دیکھا۔
اور اگلے ہی لمحے اس نے وہ چیز ہاتھ میں لے لی۔
لیکن اس کے چہرے پر خوشی نہیں تھی۔
صرف ہچکچاہٹ تھی۔
چند سیکنڈ بعد...
اچانک—
"کھانسی... کھانسی...!"
اقراش زور زور سے کھانسنے لگا۔
اس کی آنکھوں میں پانی آگیا اور چہرہ عجیب سا ہو گیا۔
اور ادھر باقی سب زور زور سے ہنسنے لگے۔
"ارے بھائی! تم سے تو یہ بھی نہیں ہوا!"
"دیکھو اس کا حال!"
اقراش خاموش بیٹھا رہا۔
مگر نہ جانے کیوں...
اسے ہنسی نہیں آرہی تھی۔
وہ بس دور کہیں دیکھ رہا تھا۔
اسے اندر سے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔
جیسے اس نے صرف دوستوں کے کہنے پر ایک ایسی چیز کر دی تھی جو وہ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔
اس نے دل ہی دل میں خود سے ایک بات کہی،
"ہر چیز صرف اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ سب کر رہے ہوں..."

☆☆☆

شام آہستہ آہستہ اپنے قدم پھیلا رہی تھی۔ سورج کی سنہری کرنیں آسمان کے کناروں میں سمٹ رہی تھیں اور

ہلکی نارنجی روشنی پورے ماحول پر بکھر گئی تھی۔ کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ہوا پردوں کو ہلکے ہلکے ہلا رہی تھی۔ گھر کے اندر بھی ایک الگ سی رونق تھی کیونکہ آج سب کو سارا کی برتھ ڈے پارٹی میں جانا تھا۔

مگر اس وقت گھر کا سب سے دلچسپ منظر اوپر والے کمروں میں تھا...

کیونکہ ماہم، مریم اور چھوٹی میرا ابھی تک تیار ہونے کے مرحلے میں تھیں۔

اور یہ مرحلہ عام نہیں تھا...

یہ لڑکیوں والا "بس پانچ منٹ اور" والا مرحلہ تھا، جو حقیقت میں کبھی پانچ منٹ کا نہیں ہوتا۔

ماہم اپنے کمرے کے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ پورا بیڈ کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ کہیں دوپٹے پڑے تھے، کہیں جیولری اور کہیں جوتوں کے ڈبے کھلے ہوئے تھے۔

وہ ایک کپڑا اٹھاتی اور منہ بناتی۔

"نہیں... یہ اچھا نہیں لگ رہا۔"

پھر دوسرا دیکھتی۔

"یہ تو پچھلی بار پہن چکی ہوں۔"

پھر تیسرا اٹھاتی۔

"نہیں... یہ بھی نہیں۔"

دوسری طرف مریم اپنے کمرے میں نسبتاً سکون سے تیار ہو رہی تھی۔ وہ کبھی بال سنوارتی، کبھی چوڑیاں پہنتی اور کبھی مسکرا کر میرا کو دیکھتی جو اپنی ہی دنیا میں مصروف تھی۔

اور چھوٹی میرا...

وہ تو الگ ہی کہانی تھی۔

میرا نے اپنی گڑیا کو بھی اپنے ساتھ تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

کبھی اس کے بال بناتی۔

کبھی اس کی فراک ٹھیک کرتی۔

اور کبھی اسے سامنے بٹھا کر بولتی،

"تم بھی پارٹی میں جا رہی ہو۔"

مریم ہنستے ہوئے بولی،

"میرا! گڑیا کو اتنا تیار مت کرو، کہیں وہ ہم سے زیادہ خوبصورت نہ لگنے لگے۔"
میرا نے فوراً گڑیا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔
"یہ پہلے ہی خوبصورت ہے!"
مریم ہنس پڑی۔
ادھر ماہم آخر کار اپنے کمرے سے باہر نکلی۔
"ہائے اللہ! اتنی مشکل سے تیار ہوئی ہوں۔"
مریم نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور شرارتی انداز میں بولی،
"ہاں، لگ بھی رہا ہے۔"
ماہم نے فوراً تکیہ اٹھایا۔
"مریم!"
اور پھر دونوں ہنسنے لگیں۔
کافی دیر کی ہنسی مذاق، شرارتوں اور جلدی جلدی کی تیاریوں کے بعد آخر کار تینوں تیار ہو چکی تھیں۔
ماہم بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔
مریم نے سادہ مگر خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا۔
اور میرا...
وہ تو اپنی ننھی سی فراک میں کسی گڑیا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔
وہ بار بار گھوم کر پوچھ رہی تھی،
"میں اچھی لگ رہی ہوں نا؟"
اور ہر بار جواب ملتا،
"بہت زیادہ۔"
کچھ دیر بعد ڈرائیور نے نیچے سے آواز دی،
"بی بی جی! گاڑی تیار ہے۔"
تینوں نیچے آ گئیں۔
میرا تو دوڑتے ہوئے سب سے پہلے گاڑی میں جا بیٹھی۔

پورے راستے وہ ایک لمحہ خاموش نہ رہی۔
کبھی باہر دیکھتی۔
کبھی پوچھتی،
"ابھی کتنا دور ہے؟"
کبھی بولتی،
"مجھے کیک چاہیے!"
اور کبھی اچانک ہنسنے لگتی۔
کافی دیر بعد وہ سارا کے گھر پہنچ گئیں۔
گھر باہر سے ہی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔
رنگ برنگی لائٹس، غبارے اور خوبصورت سجاوٹ پورے ماحول کو اور خوبصورت بنا رہی تھی۔
اندر داخل ہوتے ہی بچوں کی آوازیں، ہنسی اور میوزک کی ہلکی دھن سنائی دے رہی تھی۔
سارا بھاگتی ہوئی آئی اور سب سے ملی۔
پھر پارٹی شروع ہو گئی۔
کبھی سب مل کر تصویریں بناتے۔
کبھی ہنسی مذاق کرتے۔
کبھی ایک دوسرے کے ساتھ شرارتیں کرتے۔
پھر گیمز شروع ہوئے۔
ایک گیم میں سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔
ماہم ایک گیم ہار گئی تو سب نے اس کا اتنا مذاق بنایا کہ وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔
اور میرا؟
وہ تو پورے گھر میں اپنی گڑیا اٹھائے گھوم رہی تھی۔
کبھی کسی کو دکھاتی،
"یہ میری گڑیا ہے۔"
کبھی کیک دیکھنے چلی جاتی۔

اور پھر آخر کار وہ لمحہ آ گیا جس کا سب انتظار کر رہے تھے۔
بتیوں کی روشنی مدھم ہوئی۔
سب جمع ہو گئے۔
اور پھر—
"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو..."
سب کی آوازیں ایک ساتھ گونجنے لگیں۔
سارا نے مسکراتے ہوئے کیک کاٹا۔
تالیاں بجیں۔
ہنسی گونجی۔
تصویریں بنیں۔
پھر کیک کھایا گیا۔
اور کچھ شرارتی لوگوں نے حسبِ روایت کیک ایک دوسرے کے چہروں پر بھی لگا دیا۔
ماہم کا آدھا گال کریم سے بھر گیا تھا اور مریم ہنستے ہنستے دوہری ہو رہی تھی۔
رات گزرتی گئی۔
ہنسی، باتیں، کھیل، تصویریں اور شرارتیں چلتی رہیں۔
پتہ ہی نہیں چلا وقت کیسے گزرا۔
جب گھڑی نے تقریباً بارہ اور پھر ایک بجنے کا اعلان کیا تب سب کو احساس ہوا کہ کافی رات ہو چکی ہے۔
تینوں تھکی ہوئی مگر خوشی سے بھرے چہروں کے ساتھ واپس گاڑی میں آکر بیٹھ گئیں۔
واپسی کے راستے میں میرا تو گڑیا پکڑے پکڑے سو چکی تھی۔
ماہم کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
اور مریم خاموش بیٹھی ہلکا سا مسکرا رہی تھی۔
کبھی کبھی خوبصورت دن ختم تو ہو جاتے ہیں...
مگر ان کی یادیں دل میں بہت دیر تک رہ جاتی ہیں۔
رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ آسمان پر چاند اپنی مدھم روشنی بکھیر رہا تھا جبکہ سڑکوں پر خاموشی آہستہ آہستہ

پھیلنے لگی تھی۔ گاڑی سنسان راستوں سے گزرتی ہوئی آخر کار گھر کے بڑے سے گیٹ کے سامنے آکر رکی۔ پورا دن ہنسی، شرارتوں، کھیلوں اور شور شرابے میں گزرنے کے بعد اب تینوں کے چہروں پر تھکن صاف نظر آرہی تھی۔

جیسے ہی ڈرائیور نے گاڑی روکی، ماہم نے ایک لمبی سانس لی اور سیٹ سے ٹیک لگا کر بولی،

"یا اللہ... میں تو بہت تھک گئی ہوں۔"

مریم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"پورا وقت گیمز کھیلنے والی اب تھک بھی گئی؟"

ماہم نے فوراً گھور کر دیکھا۔

"تم چپ رہو۔"

ادھر چھوٹی میرا تو راستے میں ہی اپنی گڑیا کو سینے سے لگائے سو چکی تھی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھ اب بھی اپنی گڑیا پر مضبوطی سے تھے، جیسے ڈر ہو کہ کہیں کوئی اس کی نئی دوست چھین نہ لے۔

تینوں آہستہ آہستہ گاڑی سے نیچے اتریں۔

مگر جیسے ہی اندر داخل ہوئیں، ان کے قدم ایک لمحے کے لیے رک گئے۔

ڈرائنگ روم کی لائٹس ابھی تک جل رہی تھیں۔

اور سامنے صوفے پر ان کے امی اور ابو بیٹھے ہوئے تھے۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کافی دیر سے ان کا انتظار کر رہے ہوں۔

ماہم نے حیرانی سے پوچھا،

"ارے... آپ لوگ ابھی تک سوئے نہیں؟"

امی نے فوراً ناراضی والا چہرہ بنایا۔

"تم لوگوں کو وقت دیکھنے کی عادت ہے؟"

"پتہ ہے کتنی رات ہو چکی ہے؟"

لیکن ان کی آواز میں چھپی فکر صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ابو نے مسکراتے ہوئے تینوں کو دیکھا۔

"آ گئی ہماری شہزادیاں؟"

یہ سنتے ہی میرا، جو ابھی ابھی نیند سے جاگی تھی، آنکھیں ملتے ہوئے سیدھی اپنے ابو کی طرف بھاگی۔

"ابووووو!"
اور اگلے ہی لمحے ان کے گلے لگ گئی۔
یہ دیکھ کر مریم اور ماہم بھی مسکراتے ہوئے اپنے ابو کے پاس آ گئیں۔
ابو نے تینوں کو اپنے قریب کرتے ہوئے پیار سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔
"مزہ آیا پارٹی میں؟"
میرا فوراً بول پڑی،
"بہت زیادہ!"
"میں نے کیک بھی کھایا!"
"گیم بھی کھیلی!"
پھر اپنی گڑیا اوپر کرتے ہوئے بولی،
"اور یہ بھی میرے ساتھ گئی تھی!"
اس کی بات سن کر سب ہنس پڑے۔
ماہم صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی،
"امی... میں تو بہت زیادہ تھک گئی ہوں۔"
مریم نے بھی سر ہلاتے ہوئے کہا،
"سچ میں، آج پورا دن باہر ہی گزر گیا۔"
امی نے فوراً کہا،
"اچھا بس، اب زیادہ باتیں نہیں۔ جاؤ سب آرام کرو۔"
تینوں نے سر ہلایا۔
پھر اپنے امی ابو سے مل کر، انہیں گڈ نائٹ بول کر آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔
سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھی میرا آدھی نیند میں تھی۔
کبھی آنکھیں بند کرتی تو کبھی مریم کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیتی۔
کمرے میں پہنچ کر تینوں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے، زیورات اتارے اور سونے کی تیاری کرنے لگیں۔

کمرے میں اب دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد مکمل سکون تھا۔
چند ہی لمحوں بعد ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔
کیونکہ تھکن اتنی تھی کہ آج نیند سب سے پہلے ان کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

باب سوم:

اقراش آج صبح سورج نکلنے سے بھی پہلے گھر سے نکل گیا تھا۔ گھر والے ابھی گہری نیند میں تھے اور پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ سے دروازہ بند کر کے باہر نکلا اور اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔

آج کل اس کی عادتیں پہلے جیسی نہیں رہی تھیں۔ وہ دن بدن بدلتا جا رہا تھا۔ پہلے جو لڑکا گھر والوں کی باتوں پر مسکرا دیا کرتا تھا، اب اکثر غلط صحبت میں وقت گزارنے لگا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ سب آپس میں ہنسی مذاق اور فضول باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ اقراش بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا مگر آج اس کا موڈ عجیب سا تھا۔

وہ خاموش بیٹھا سب کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے دوستوں میں سے ایک نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"کیا بات ہے آج بڑے خاموش بیٹھے ہو؟"

اقراش نے سر اٹھایا اور مصنوعی سی ہنسی ہنس دی۔

"کچھ نہیں... بس طبیعت ٹھیک نہیں۔"

اس کے دوست ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور پھر حسبِ عادت فضول حرکتوں اور بے مقصد گھومنے پھرنے میں لگ گئے۔

وقت گزرتا گیا۔

لیکن آہستہ آہستہ اقراش کی زندگی کا معمول ہی بدلنے لگا تھا۔

اب اس کے دن دوستوں کے ساتھ اور راتیں بے مقصد آوارہ گھومنے میں گزرنے لگی تھیں۔

"انسان برے راستے پر ایک دم نہیں چلتا، وہ آہستہ آہستہ اپنے قدم خود غلط سمت میں بڑھاتا ہے۔"

شروع میں اسے یہ سب صرف وقتی مزہ لگتا تھا، لیکن پھر یہی چیزیں اس کی عادت بنتی جا رہی تھیں۔

وہ اب سڑکوں پر بے وجہ گھومتا، دوسروں سے لڑائی جھگڑا کرتا اور اکثر غیر ذمہ دار حرکتیں کرنے لگا تھا۔

لیکن وہ شاید یہ نہیں جانتا تھا کہ ہر غلط قدم انسان کو تھوڑا تھوڑا اپنی منزل سے دور کرتا جاتا ہے۔

"غلط دوست اکثر انسان سے اس کی مسکراہٹ نہیں چھینتے، پہلے اس کی سوچ بدلتے ہیں۔"

ادھر گھر والوں کو ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ اقراش کس راستے پر چل نکلا ہے۔

انہیں لگتا تھا کہ شاید وقت کے ساتھ وہ سنبھل جائے گا۔
لیکن قسمت خاموشی سے ایک نئی کہانی لکھ رہی تھی...
اور شاید آنے والے دنوں میں اقراش کی زندگی ایک ایسے موڑ پر پہنچنے والی تھی جہاں سے واپسی اتنی آسان نہیں ہونے والی تھی۔

☆☆☆

صبح کے ٹھیک دس بج چکے تھے۔ سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔ سڑکوں پر معمول کی چہل پہل تھی۔ دوسری طرف بتول اور قدسیہ بھی تیار ہو چکی تھیں۔ قدسیہ نے ہلکے رنگ کا خوبصورت جوڑا پہنا ہوا تھا جبکہ بتول ہمیشہ کی طرح سادگی میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

بتول اور قدسیہ دونوں گاڑی میں بیٹھیں اور کچھ ہی دیر میں ماہم اور مریم کے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔
راستے بھر قدسیہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی، جیسے اس کے دل میں کوئی بات چل رہی ہو۔ بتول نے کئی بار اس کی طرف دیکھا مگر پھر خاموش رہی کیونکہ وہ اپنی ماں کی اس خاموش مسکراہٹ کا مطلب اچھی طرح جانتی تھی۔
کچھ دیر بعد گاڑی آکر گھر کے سامنے رکی۔ دونوں گاڑی سے اتریں اور اندر چلی گئیں۔ دروازہ کھلا تو عزرا نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام، آئیں آئیں، آپ لوگ تو بہت دنوں بعد آئے ہیں۔"

سب نے خوش دلی سے ایک دوسرے سے حال احوال پوچھا اور پھر ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ ماحول کافی خوشگوار تھا۔ باتیں، کبھی ہنسی مذاق تو کبھی پرانی یادوں کے قصے چلنے لگے۔
مریم اور ماہم بھی وہاں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ مریم حسبِ عادت خاموش بیٹھی تھی جبکہ ماہم کی نظریں بار بار سب کے چہروں پر جا رہی تھیں جیسے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ آج کچھ الگ ہے۔
اسی دوران عبدالرحمان بھی وہیں آکر بیٹھ گئے۔ آج وہ آفس نہیں گئے تھے۔ سب کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے اور باتوں میں شامل تھے۔
مریم چائے اور ہلکے پھلکے ناشتے کی ٹرے لے آئی۔ چائے کے کپوں سے اٹھتی بھاپ پورے کمرے میں خوشبو بکھیر رہی تھی۔ سب لوگ آرام سے چائے پیتے ہوئے مختلف باتوں میں مصروف تھے۔

لیکن قدسیہ کی نظریں بار بار عبدالرحمان کی طرف جا رہی تھیں۔ جیسے وہ کسی موقعے کا انتظار کر رہی ہو۔
اور پھر اچانک...
قدسیہ نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولی،
"اچھا بھائی... آج میں ایک خاص بات کے لیے آئی ہوں۔"
سب کی نظریں فوراً اس کی طرف اٹھ گئیں۔
عبدالرحمان نے حیرانی سے پوچھا،
"کیسی بات؟"
قدسیہ نے مسکرا کر ایک نظر ماہم، اور مریم پر ڈالی اور پھر بولی،
"بھائی... مجھے اپنے دونوں بیٹوں کے لیے آپ کی دونوں بیٹیوں کا رشتہ چاہیے۔"
یہ سنتے ہی جیسے وقت چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گیا۔
کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔
مریم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ماہم نے چونک کر فوراً قدسیہ کی طرف دیکھا۔
بتول نے بھی اپنی ماں کی طرف دیکھا جیسے اسے اندازہ تھا مگر پھر بھی وہ حیران تھی۔
قدسیہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا،
"مجھے ظہیر کے لیے مریم... اور ظرار کے لیے ماہم چاہیے۔"
ایک لمحے کو سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔
عزرا کی آنکھوں میں حیرت تھی جبکہ عبدالرحمان خاموش ہو گئے تھے۔
ماہم کے چہرے کے تاثرات ہر لمحہ بدل رہے تھے۔
"کبھی کبھی زندگی خاموشی سے ایسے فیصلے سامنے لا کھڑے کرتی ہے جن کی آواز دل بہت دیر تک سنتا رہتا ہے۔"
مریم نے نظریں جھکا لیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا ردِ عمل دے۔
ماہم نے بے یقینی سے اپنی بہن کی طرف دیکھا پھر قدسیہ کی طرف۔
اس کے دل میں عجیب سے سوال اٹھ رہے تھے۔
"قسمت کے فیصلے ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹا کر نہیں آتے، کچھ فیصلے سیدھا دل کے دروازے پر دستک دے دیتے

ہیں۔"

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عبد الرحمان نے گہرا سانس لیا اور نرم لہجے میں کہا:

"بہن... بات بہت اہم ہے۔ میں اپنی بیٹیوں سے بات کر کے اور اچھی طرح سوچ کر تمہیں جواب ضرور دوں گا۔"

قدسیہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"جی بھائی، مجھے کوئی جلدی نہیں۔ آرام سے سوچ لیجیے گا۔"

اس کے بعد ماحول کو ہلکا کرنے کے لیے سب نے پھر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ مگر اب سب کے ذہن کہیں اور تھے۔

چائے کے کپ ختم ہوئے، ہلکی سی ہنسی مذاق ہوئی مگر سب کے دلوں میں ابھی بھی وہی بات چل رہی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد قدسیہ کھڑی ہو گئیں۔

"چلو بتول، اب چلتے ہیں۔"

سب دروازے تک چھوڑنے آئے۔

جاتے وقت قدسیہ نے ایک بار پھر مسکرا کر مریم اور ماہم کو دیکھا۔

اور پھر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلی گئیں۔

گاڑی تو جا چکی تھی...

لیکن اپنے پیچھے بے شمار سوال چھوڑ گئی تھی۔

ماہم خاموش کھڑی تھی۔

مریم بھی کچھ سوچ رہی تھی۔

اور عبد الرحمان... وہ دور کھڑے شاید پہلی بار اتنی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"زندگی کے کچھ موڑ ایسے ہوتے ہیں جہاں انسان راستہ نہیں چنتا، راستے انسان کو چن لیتے ہیں۔"

کمرے میں خاموشی تھی...

مگر آنے والے دنوں کی کہانی شاید ابھی شروع ہوئی تھی۔

قدسیہ اور بتول جب ماہم اور مریم کے گھر سے واپس نکلیں تو دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں۔ باہر موسم ہلکا سا خوشگوار تھا، سڑکوں پر لوگوں کی چہل پہل معمول کے مطابق جاری تھی مگر ان دونوں کے ذہنوں میں ابھی بھی وہی

باتیں گھوم رہی تھیں جو چند لمحے پہلے ہوئی تھیں۔
ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گاڑی آہستہ آہستہ سڑک پر چلنے لگی۔ کچھ لمحوں تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ بتول بار بار اپنی ماں کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ قدسیہ کے ہونٹوں پر عجیب سا اطمینان تھا، جیسے وہ پہلے ہی اپنے دل میں سب کچھ طے کر چکی ہو۔

آخرکار بتول سے رہا نہ گیا۔

"امی...؟"

قدسیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہمم؟"

بتول نے ہلکے سے کہا،

"امی... کیا ماموں مان جائیں گے؟ میرا مطلب... رشتے کے لیے؟"

قدسیہ چند لمحے خاموش رہی، پھر ہلکا سا مسکرائی۔

"کیوں نہیں مانیں گے؟"

انہوں نے اطمینان سے کہا

"میرا ایک ہی بھائی ہے اور میں اس کی اکلوتی بہن ہوں۔ میری بات وہ کیوں ٹالے گا؟"

بتول نے خاموشی سے اس کی بات سنی مگر اس کے چہرے پر ابھی بھی سوچوں کے سائے تھے۔

قدسیہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولیں،

"ویسے بھی میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ ماہم اور مریم دونوں بہت اچھی بچیاں ہیں۔ شریف، سمجھدار اور تربیت یافتہ۔ ہر ماں یہی چاہتی ہے کہ اس کے گھر ایسی بہو آئے جو گھر کو گھر بنادے۔"

بتول نے ہلکی سی مسکراہٹ دی۔

گاڑی سڑک پر مسلسل آگے بڑھ رہی تھی اور دونوں ماں بیٹی کی باتوں کا سلسلہ بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

پھر اچانک بتول نے قدرے شرارتی انداز میں کہا،

"لیکن امی... اگر ماموں نے منع کر دیا تو؟"

قدسیہ فوراً اس کی طرف مڑی۔

"خاموش! ایسی بات زبان پر بھی مت لاؤ۔"
پھر ہلکا سا ہنس کر بولی،
"اور ویسے بھی... رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں، ہم تو صرف وسیلہ بنتے ہیں۔"
"کچھ رشتے دل پسند کرتے ہیں اور کچھ رشتے قسمت چنتی ہے، مگر خوبصورت وہی ہوتے ہیں جن میں دونوں شامل ہوں۔"

بتول اب کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ باہر درخت تیزی سے پیچھے چھوٹ رہے تھے مگر اس کے ذہن میں عجیب سے سوال گردش کر رہے تھے۔

ماہم...
مریم...
ضرار...
ظہیر...

سب کے چہرے ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں آنے لگے۔
کچھ دیر بعد گاڑی گھر کے سامنے آ کر رک گئی۔
دونوں نیچے اتریں اور گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔
گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔
قدسیہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔
"ارے، یہ دونوں کہاں ہیں؟"
ملازمہ نے فوراً جواب دیا،
"بی بی جی، ظہیر صاحب اور ضرار صاحب تو صبح ہی آفس چلے گئے تھے۔"
قدسیہ نے سر ہلایا۔
"ہاں... آج کل دونوں کام میں بہت مصروف رہتے ہیں۔"
دوسری طرف عبد الرحمان بھی کچھ دیر بعد اپنے گھر سے آفس جانے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔
لیکن آج اُن کے قدموں میں وہ معمول والی روانی نہیں تھی۔
وہ بار بار قدسیہ کی بات یاد کر رہے تھے۔

"مجھے ظہیر کے لیے مریم... اور ضرار کے لیے ماہم چاہیے..."
یہ الفاظ مسلسل اُن کے ذہن میں گونج رہے تھے۔
وہ تیار ہو کر باہر آیا تو عزرا نے اُنہیں دیکھا۔
"آپ ٹھیک ہیں؟ بہت خاموش لگ رہے ہیں۔"
عبدالرحمان نے ہلکی سی مسکراہٹ دی۔
"ہاں... بس کچھ سوچ رہا ہوں۔"
عزرا جانتی تھیں وہ کیا سوچ رہے ہیں۔
وہ بھی خاموش ہو گئیں۔
عبدالرحمان نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گئے۔
"بعض فیصلے صرف زبان سے نہیں ہوتے، انہیں دل اور دماغ دونوں کی رضا چاہیے ہوتی ہے۔"
گھر کے ایک کونے میں ماہم خاموش بیٹھی تھی۔
اور دوسری طرف مریم بھی گہری سوچ میں گم تھی۔
شاید آج ایک رشتہ مانگا گیا تھا...
لیکن اس کے ساتھ بہت سی سوچیں، بہت سے سوال اور بہت سے جذبات بھی سب کے دلوں میں چھوڑ دیے گئے تھے۔

☆☆☆

جیسے ہی قدسیہ اور بتول گھر سے رخصت ہوئیں، گھر کے دروازے بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی پورے گھر میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر پہلے تک جہاں ہنسی مذاق اور باتوں کی چہل پہل تھی، اب وہاں سکوت نے ڈیرے جما لیے تھے۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ آج کی ملاقات معمولی نہیں تھی، سب کے ذہنوں میں ایک ہی بات گردش کر رہی تھی۔

عبدالرحمان صوفے پر خاموشی سے بیٹھے تھے، ان کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جبکہ عزرا بیگم بھی ان کے پاس بیٹھی تھیں اور بار بار ان کی طرف دیکھ رہی تھیں، جیسے جاننا چاہتی ہوں کہ ان کے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔

چند لمحوں بعد عبدالرحمان نے ایک گہرا سانس لیا اور قدرے سنجیدہ لہجے میں بولے:

"مریم...ماہم... تم دونوں ذرا یہاں آؤ۔"

ان کی آواز سنتے ہی دونوں بہنیں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ مریم ہمیشہ کی طرح خاموش اور نرم مزاج تھی، جبکہ ماہم کے چہرے پر ہلکی سی الجھن نمایاں تھی۔ دونوں آکر اپنے والد کے سامنے بیٹھ گئیں۔

عبدالرحمان نے چند لمحے خاموش رہ کر ان دونوں کو دیکھا، پھر نرم آواز میں بولے،

"دیکھو بیٹا... میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور مجھے سچ سچ جواب چاہیے۔ اگر تم دونوں کو کوئی اور پسند ہے... یا تمہاری زندگی میں کوئی ایسا فیصلہ ہے جو تم خود کرنا چاہتی ہو تو ابھی بتا دو۔ بعد میں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ دل میں کچھ اور رکھو اور ہم یہاں ہاں کر دیں۔"

یہ سنتے ہی مریم نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر شرم اور خاموشی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھاتے ہوئے آہستہ سے کہا،

"بابا... مجھے آپ کے فیصلے سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے، میرے لیے وہی بہتر ہو گا۔"

عبدالرحمان نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

پھر ان کی نظریں ماہم کی طرف گئیں۔

ماہم کچھ لمحوں تک خاموش بیٹھی رہی۔ وہ جیسے اپنے الفاظ سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے ہلکی سی کھانسی کے بعد آہستہ آواز میں کہا،

"ابا... اگر سچ پوچھیں تو... ظرار بہت اچھا لڑکا ہے۔ ہر مشکل وقت میں اس نے ہماری مدد کی۔ کبھی کسی بات کا احساس نہیں ہونے دیا۔ اور... "وہ تھوڑی دیر کے لیے رکی،"مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ ہاں کر دیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک نظر چپکے سے مریم کی طرف دیکھا۔

مگر پھر اچانک اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور اس نے منہ بناتے ہوئے کہا،

"لیکن ایک بات ہے ابا... مجھے وہ پپو بالکل پسند نہیں، اور بتول تو مجھے زہر لگتی ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی ایک لمحے کے لیے پورے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

پھر اگلے ہی لمحے عبدالرحمان نے اسے گھورا۔

"ماہم!"

ان کی آواز میں ہلکی سی ڈانٹ تھی۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے۔ وہ تمہارے اپنے ہیں۔"
ماہم نے فوراً منہ بنایا اور نظریں جھکا لیں۔
اسی وقت اقراش جو ساتھ ہی زمین پر بیٹھا اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ کھیل رہا تھا، ہنستے ہوئے بولا،
"ابا... ایک بات تو ہے۔ اگر ان دونوں بہنوں کی شادی ایک ہی گھر میں ہو جائے تو بہت اچھا ہو گا۔ کم از کم دونوں ساتھ تو رہیں گی۔ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں گی۔ ورنہ بعد میں تو ایک دوسرے کو یاد کر کر کے رونا ہی ہے۔"
اقراش کی بات سن کر سب کی نظریں اس کی طرف گئیں۔
عزرا بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا،
"ہاں ہاں... بات تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ دونوں بہنیں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے بغیر رہ ہی نہیں سکیں۔ اگر ایک ہی گھر میں رہیں گی تو ہمیں بھی سکون رہے گا۔"
مریم ہلکا سا مسکرا دی جبکہ ماہم نے فوراً بولنا شروع کر دیا،
"ہاں پھر تو مریم ہر وقت میرے کمرے میں آ جائے گی اور مجھے تنگ کرے گی۔"
"میں؟ میں تمہیں تنگ کرتی ہوں؟"
مریم نے حیرت سے پوچھا۔
"اور نہیں تو کیا!"
یہ کہتے ہی ماہم نے فوراً زبان نکالی۔
جس پر سب ہنس پڑے۔
کمرے کا ماحول جو چند لمحے پہلے سنجیدہ تھا اب دوبارہ خوشگوار ہو چکا تھا۔
عزرا بیگم نے عبدالرحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:
"اگر ہم سب کو کوئی اعتراض نہیں ہے... تو پھر بات آگے بڑھا لینی چاہیے۔"
عبدالرحمان نے ایک لمحہ خاموش رہ کر سب کو دیکھا۔
پھر ہلکا سا مسکرائے۔
"ٹھیک ہے... اگر سب کی یہی رائے ہے تو ان شاء اللہ کل قدسیہ آپا سے بات کر لیتا ہوں۔ پھر شادی بیاہ کے معاملات شروع کر دیتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی سب کے چہروں پر خوشی پھیل گئی۔
مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ قسمت نے ان کے لیے کچھ اور ہی لکھ رکھا تھا...
اور آنے والے دن ان کی زندگیوں میں ایسے طوفان لانے والے تھے جن کا تصور بھی کسی نے نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح عبد الرحمان کے دل میں آج عجیب سی بے چینی اور ساتھ ہی ایک اطمینان بھی تھا۔ رات بھر وہ اسی بات کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔ بار بار ذہن میں ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ اب مزید انتظار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اگر سب راضی ہیں تو بات کو آگے بڑھا دینا چاہیے۔

صبح کی چائے پینے کے بعد وہ کچھ لمحے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے گہرا سانس لیا، اپنا فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگے۔

چند لمحوں بعد دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔
"السلام علیکم۔"
آواز سنتے ہی عبد الرحمان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"وعلیکم السلام، قدسیہ آپا، کیسی ہیں آپ؟"
قدسیہ فوراً خوش دلی سے بولیں،
"الحمدللہ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سناؤ، سب خیریت ہے نا؟ صبح صبح فون کیسے کیا؟"
عبد الرحمان چند لمحے خاموش ہوئے، پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولے،
"آپا... آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔"
یہ سنتے ہی قدسیہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔
"ارے ہاں ہاں، بولو بھائی، ایسی کیا بات ہو گئی؟"
عبد الرحمان نے دھیمے لہجے میں کہا،
"ہم نے سب سے بات کر لی ہے... اور ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔"
ایک لمحے کے لیے دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
اور پھر اگلے ہی لمحے خوشی سے بھری آواز آئی،
"سچ کہہ رہے ہو عبد الرحمان؟"

"جی آپا، اگر آپ مناسب سمجھیں تو آج گھر آجائیں۔ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ پھر آگے شادی بیاہ، منگنی اور باقی سب معاملات طے کر لیتے ہیں تاکہ ہمیں بھی سمجھ آجائے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔"

یہ سنتے ہی قدسیہ آپا کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔

"ارے واہ! بھائی تم نے تو آج دل خوش کر دیا۔ کیوں نہیں آؤں گی؟ تم میرے چھوٹے بھائی ہو، بھلا میں کیسے نہ آتی!"

ان کی آواز میں خوشی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

پھر وہ جلدی جلدی بولنے لگیں،

"ویسے ظہیر اور ضرار تو آفس چلے جاتے ہیں، تمہیں تو پتہ ہی ہے۔ ان کے لیے آج آنا مشکل ہو گا۔ لیکن ان شاء اللہ میں اور بتول شام کو ضرور آئیں گے۔ پھر بیٹھ کر سکون سے بات کرتے ہیں۔"

عبدالرحمان نے مسکرا کر جواب دیا،

"جی آپا، ہم انتظار کریں گے۔"

کچھ دیر مزید رسمی باتیں ہوئیں اور پھر فون بند ہو گیا۔

ادھر فون بند ہوتے ہی قدسیہ کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔ انہوں نے فوراً ادھر ادھر نظریں گھمائیں اور تیز آواز میں پکارا،

"بتول! او بتول!"

چند لمحوں بعد بتول کمرے سے باہر آئی اور حیرانی سے بولی،

"جی امی؟ کیا ہوا؟"

قدسیہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

پھر آہستہ سے اس کے قریب ہو کر بولیں،

"مبارک ہو..."

بتول نے چونک کر پوچھا:

"کس بات کی؟"

قدسیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

انہوں نے دھیرے سے کہا،

"چڑیا جال میں پھنس چکی ہے..."

بتول پہلے چند لمحے انہیں دیکھتی رہی، پھر اس کے چہرے پر بھی آہستہ آہستہ ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی،

"اچھاا... تو بات یہاں تک پہنچ گئی؟"

قدسیہ ہلکے سے ہنس پڑیں۔

"اب دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے..."

بتول نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ہلکی آواز میں کہا،

"جی امی... اب اصل کھیل شروع ہو گا۔"

اور دونوں کے چہروں پر پھیلی وہ پراسرار مسکراہٹ شاید آنے والے وقت کی کسی نئی کہانی کا آغاز تھی۔

قدسیہ اور بتول ابھی ڈرائنگ روم میں بیٹھی دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ دونوں کے چہروں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی، جیسے دل میں کوئی راز چھپا رکھا ہو۔ کبھی دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتیں اور کبھی آنے والے دنوں کی باتیں کرنے لگتیں۔

باتوں ہی باتوں میں وقت کا احساس ہی نہ ہوا۔

دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیاں خاموشی سے آگے بڑھتی رہیں، یہاں تک کہ اچانک قدسیہ آپا کی نظر گھڑی پر پڑی۔

"ارے یا اللہ!"

انہوں نے چونکتے ہوئے کہا۔

"آٹھ بج گئے؟"

بتول نے فوراً گردن گھما کر گھڑی دیکھی تو واقعی صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔

قدسیہ نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا،

"بتول! جلدی جاؤ، اپنے دونوں بھائیوں کو اٹھاؤ۔ نو بجے ان دونوں نے آفس بھی جانا ہے، ابھی تک آرام سے سو رہے ہیں۔ اور ہاں، جا کر ناشتے کا بھی انتظام کرو۔"

بتول نے فوراً سر ہلایا۔

"جی امی۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر گئی۔ پہلے وہ ظرار کے کمرے کے سامنے رکی۔ آہستہ سے دروازہ کھولا تو ہمیشہ کی طرح کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی۔ ظرار گہری نیند میں سو رہا تھا۔

بتول نے شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے آواز لگائی،

"بھائی... صبح ہو گئی ہے۔ اٹھ جائیں۔"

مگر ضرار نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ مزید قریب گئی اور اچانک زور سے بولی،

"بھائی! آٹھ بج گئے!"

یہ سنتے ہی ضرار گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا؟ آٹھ بج گئے؟"

بتول ہنسنے لگی۔

"جی ہاں، دنیا جاگ گئی ہے، اب آپ بھی اٹھ جائیں۔"

ضرار نے گھورتے ہوئے تکیہ اس کی طرف پھینکا اور وہ ہنستی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

اب وہ ظہیر کے کمرے کی طرف گئی۔

دروازہ کھول کر دیکھا تو ظہیر ابھی بھی گہری نیند میں تھا۔ بتول نے پہلے آہستہ آواز لگائی،

"بھائی..."

کوئی جواب نہیں۔

پھر اس نے آواز اونچی کی،

"بھائی اٹھ جائیں!"

مگر پھر بھی کوئی فرق نہ پڑا۔

آخرکار وہ قریب گئی اور کمبل کھینچ لیا۔

ظہیر نے فوراً آنکھیں کھولیں۔

"بتول! تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟"

بتول فوراً دو قدم پیچھے ہوئی اور ہنسنے لگی۔

"امی نے اٹھانے کو کہا ہے۔ اور ہاں جلدی نیچے آئیں، ناشتہ تیار ہے۔"

یہ کہہ کر وہ فوراً کمرے سے نکل گئی۔
تقریباً بیس منٹ بعد سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ قدسیہ سب کے لیے چائے ڈال رہی تھیں جبکہ بتول خاموشی سے بیٹھ کر سب کو دیکھ رہی تھی۔
ضرار ابھی بھی آدھی نیند میں تھا جبکہ ظہیر حسبِ معمول سنجیدہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔
کچھ لمحوں تک خاموشی سے ناشتہ چلتا رہا۔
پھر اچانک قدسیہ نے مسکراتے ہوئے کہا،
"ویسے... ایک خوشخبری دینی تھی۔"
سب کی نظریں فوراً ان کی طرف اٹھ گئیں۔
ضرار نے روٹی کا نوالہ رکھتے ہوئے پوچھا،
"کیسی خوشخبری؟"
قدسیہ کے چہرے پر خوشی نمایاں تھی۔
"مبارک ہو تم دونوں کو۔"
ضرار نے حیران ہو کر پوچھا،
"مبارک؟ کس بات کی؟"
قدسیہ نے خوشی سے کہا،
"تمہارے ماموں نے رشتہ قبول کر لیا ہے۔"
ایک لمحے کے لیے فضا خاموش ہو گئی۔
پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا،
"ظہیر... تمہارے لیے مریم کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔"
"اور ضرار..." انہوں نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا، "تمہارے لیے ماہم۔"
یہ سنتے ہی ضرار کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں مگر اس کے چہرے کی خوشی چھپ نہ سکی۔
لیکن دوسری طرف...
ظہیر کے ہاتھ میں پکڑا نوالہ جیسے وہیں رک گیا۔

اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔
اس نے خاموشی سے نظریں نیچے کر لیں۔
دل کے اندر جیسے اچانک غصے کی ایک لہر اٹھی تھی۔
"میرے ساتھ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے...؟"
اس کے ذہن میں یہی سوال گونجنے لگا۔
وہ کچھ کہنا چاہتا تھا...
بہت کچھ کہنا چاہتا تھا...
مگر الفاظ اس کے گلے میں ہی اٹک گئے۔
چند لمحے وہ خاموش بیٹھا رہا۔
پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
اور دل ہی دل میں سوچا،
"شاید یہی میری قسمت ہے..."
اس نے خاموشی سے پانی پیا اور چہرے کے تاثرات چھپاتے ہوئے آہستہ سے کہا،
"ٹھیک ہے۔"
بس ایک لفظ۔
صرف ایک لفظ۔
مگر اس ایک لفظ کے پیچھے نہ جانے کتنی بے بسی چھپی ہوئی تھی۔
قدسیہ نے بھی زیادہ غور نہ کیا۔ وہ تو اپنی خوشیوں میں مگن تھیں۔
کچھ دیر بعد دونوں بھائی تیار ہوئے، اپنی فائلیں اٹھائیں اور آفس کے لیے نکل گئے۔
مگر ضرار کے چہرے پر جہاں مسکراہٹ تھی...
وہیں ظہیر کے چہرے پر خاموشی چھا چکی تھی۔
اور اس خاموشی کے پیچھے شاید ایک نئی کہانی جنم لے رہی تھی۔۔۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ آسمان پر سورج آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا اور نارنجی روشنی پورے آسمان پر پھیلتی جا رہی تھی۔

ٹھنڈی ہوا کے نرم جھونکے موسم کو مزید خوشگوار بنا رہے تھے۔ سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت معمول کے مطابق تھی، مگر آج قدسیہ کے دل میں ایک الگ ہی بے چینی اور خوشی تھی۔ آخر آج وہ دن آ گیا تھا جب ایک اہم بات کو آخری شکل دی جانی تھی۔

قدسیہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی چادر ٹھیک کی اور پھر آواز لگائی،

"بتول! جلدی کرو بیٹا، دیر ہو رہی ہے۔"

اوپر سے فوراً آواز آئی،

"آ رہی ہوں امی!"

چند لمحوں بعد بتول سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔ آج اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ قدسیہ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور ہلکا سا مسکرائیں۔

"چلو اب۔ سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

دونوں گھر سے نکل گئیں۔

راستے بھر قدسیہ آنے والے دنوں کی باتیں کرتی رہیں جبکہ بتول خاموش بیٹھی کبھی کھڑکی سے باہر دیکھتی اور کبھی ہلکا سا مسکرا دیتی۔ جیسے اس کے ذہن میں بھی بہت کچھ چل رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی عبد الرحمان کے گھر کے سامنے جا کر رکی۔

گھر کے باہر ہلکی ہلکی روشنیاں جل رہی تھیں۔ اندر کا ماحول آج معمول سے زیادہ خوشگوار لگ رہا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی عزرا بیگم نے مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔

"آئیں آپا، ہم لوگ کب سے انتظار کر رہے تھے۔"

قدسیہ بھی مسکرا دیں۔

"بس ذرا دیر ہو گئی۔"

وہ دونوں اندر آ گئیں۔

ڈرائنگ روم میں عبد الرحمان پہلے سے موجود تھے جبکہ باقی سب بھی وہیں بیٹھے تھے۔ ماحول کافی خوشگوار تھا۔ کہیں ہلکی ہلکی باتیں ہو رہی تھیں تو کہیں قہقہے گونج رہے تھے۔

اسی دوران ماہم اور مریم بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں، مگر دونوں ہمیشہ کی طرح نظریں جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔

اور دوسری طرف...

میرا اپنی گڑیا لیے زمین پر بیٹھی تھی اور اپنی ہی دنیا میں مگن تھی۔

وہ کبھی گڑیا کے بال بناتی اور کبھی اس سے باتیں کرنے لگتی۔

پھر اچانک اس نے خوشی سے کہا،

"ماما! جب میری بہنوں کی شادی ہوگی نا، تو میں بہت اچھا سا لہنگا پہنوں گی!"

اس کی بات سنتے ہی سب ہنس پڑے۔

میرا نے دوبارہ کہا،

"اور میں بہت ساری چوڑیاں بھی پہنوں گی... اور میں سب سے زیادہ خوبصورت لگوں گی!"

عزرا بیگم ہنستے ہوئے بولیں،

"اچھا جی! تو شادی تمہاری ہے؟"

میرا نے فوراً معصومیت سے سر ہلایا،

"جی!"

اس کی معصوم باتوں پر پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

کچھ دیر ہنسی مذاق اور چائے کا دور چلتا رہا۔

پھر اصل بات کی طرف آیا گیا۔

قدسیہ نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور سنجیدہ ہوتے ہوئے بولیں،

"تو عبدالرحمان، اب اگر تم کہو تو تاریخ بھی طے کر لیتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی سب خاموش ہو گئے۔

عبدالرحمان نے مسکراتے ہوئے کہا،

"جی آپا، ضرور۔"

قدسیہ نے چند لمحے سوچا پھر بولیں،

"میرا خیال ہے کے اس مہینے کہ دوسرے جمعے کو نکاح کر لیتے ہیں۔"

سب غور سے سننے لگے۔

"اور پھر ہفتے والے دن رخصتی رکھ لیتے ہیں..."

چند لمحے رک کر دوبارہ بولیں،

"اور اتوار کو ولیمہ۔"

عزرا بیگم نے فوراً مسکراتے ہوئے کہا،

"بہت اچھا ہے۔"

قدسیہ آپا نے مزید کہا،

"اور دیکھیں، زیادہ مہمانوں کی ضرورت نہیں۔ بس اپنے لوگ ہوں گے، قریبی رشتے دار اور خاندان والے۔"

عبدالرحمان خاموشی سے سنتے رہے۔

پھر انہوں نے دھیرے سے مسکرا کر کہا،

"جی آپا، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمیں بھی زیادہ دکھاوا نہیں کرنا۔ ہم تو بس اپنی بیٹیوں کی ذمہ داری خوشی خوشی ادا کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے ان کی نظر چند لمحوں کے لیے مریم اور ماہم پر گئی۔

ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی نمی اور خوشی ساتھ ساتھ تھی۔

آخرکار طویل گفتگو کے بعد دونوں خاندانوں نے رشتے کو باقاعدہ طور پر پکا کر لیا۔

فضا میں خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

چائے کے کپ خالی ہوتے گئے، باتیں بڑھتی گئیں، ہنسی مذاق بھی چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد قدسیہ اور بتول اٹھ گئیں۔

"اب اجازت دیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔"

سب نے انہیں دروازے تک چھوڑا۔

جیسے ہی وہ دونوں گاڑی میں بیٹھیں، بتول نے ایک آخری نظر گھر کی طرف ڈالی۔

اس کے ہونٹوں پر آہستہ سے ایک پراسرار سی مسکراہٹ آ گئی۔

اور شاید اس مسکراہٹ کے پیچھے بھی کوئی ایسی بات تھی...

جس سے ابھی سب بے خبر تھے۔

☆☆☆

قدسیہ اور بتول کے جانے کے بعد گھر میں آہستہ آہستہ خاموشی پھیلنے لگی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ڈرائنگ روم ہنسی، باتوں اور خوشیوں سے بھرا ہوا تھا، مگر اب سب اپنے اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے۔ لیکن اس خاموشی کے پیچھے ایک عجیب سی خوشی بھی چھپی ہوئی تھی، کیونکہ آج ایک بڑا فیصلہ ہو چکا تھا۔ دو رشتے صرف طے نہیں ہوئے تھے بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ایک مضبوط تعلق بھی جڑ چکا تھا۔

عزرا بیگم کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہیں۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں گہری سوچیں تھیں۔ وہ کبھی سامنے دیوار کو دیکھتیں اور کبھی آہستہ سے مسکرا دیتیں۔

آخر انہوں نے گہرا سانس لیا اور آواز دی،

"مریم... ماہم... ذرا یہاں آؤ۔"

دونوں بہنیں جو ابھی ایک طرف خاموش بیٹھی تھیں، فوراً اپنی امی کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

عزرا بیگم نے دونوں کو غور سے دیکھا۔ چند لمحے خاموش رہیں، پھر نرم لہجے میں بولیں،

"بیٹا، اب تم دونوں کے پاس صرف دس دن رہ گئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"دس دن بعد تمہاری شادیاں ہیں۔ اس لیے ابھی سے تیاریاں شروع کر دو۔ بعد میں ایسا نہ کہو یہ رہ گیا، وہ رہ گیا، یہ لینا تھا، وہ کرنا تھا۔"

عبد الرحمان بھی قریب بیٹھے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ہاں بھئی، بعد میں مت کہنا وقت نہیں ملا۔"

مریم نے نظریں جھکا کر ہلکی سی مسکراہٹ دی، جبکہ ماہم نے فوراً ڈرامائی انداز میں منہ بنایا۔

"امی! اتنے کم دن رہ گئے؟"

عزرا بیگم ہنس پڑیں۔

"ہاں بیٹا، وقت بہت تیزی سے گزر جاتا ہے۔"

ماہم نے فوراً مریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یا اللہ! مریم، ہماری شادی ہونے والی ہے!"

مریم صرف مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد عزرا بیگم اور عبد الرحمان اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ادھر پورے گھر میں خاموشی پھیلنے لگی۔
اقراش حسبِ معمول اپنے دوستوں کے ساتھ باہر تھا۔
میر الاؤنج میں فرش پر بیٹھی اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ کبھی وہ گڑیا کو تیار کرتی، کبھی اس کے بال بناتی اور کبھی خود ہی اس سے باتیں کرنے لگتی۔
"تم بھی میری بہن کی شادی میں اچھے سے کپڑے پہننا، ٹھیک ہے؟"
وہ اپنی گڑیا سے بول رہی تھی۔
اور دوسری طرف...
مریم اور ماہم اپنے کمرے میں آچکی تھیں۔
جیسے ہی دروازہ بند ہوا، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
چند لمحوں تک خاموشی رہی۔
پھر اچانک ماہم زور سے چیخی،
"یا اللہ!! صرف دس دن!"
اور بستر پر گر گئی۔
مریم فوراً ہنس پڑی۔
"اتنا ڈرامہ مت کرو۔"
ماہم فوراً اٹھ کر سیدھی بیٹھی۔
"تمہیں احساس بھی ہے؟ دس دن بعد ہماری شادی ہو گی!"
پھر اچانک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
"اوہ مریم! میں اپنی فرینڈز کو ضرور بلاؤں گی۔ سب آئیں گی۔ اور دیکھنا، میری مایوں پر سب سے زیادہ مزہ آئے گا۔"
مریم نے ہلکی آواز میں کہا،
"میری تو کوئی خاص فرینڈ بھی نہیں ہیں۔"
ماہم فوراً اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی،
"کوئی بات نہیں، میں اپنی فرینڈز میں سے آدھی تمہیں دے دوں گی۔"

یہ سن کر مریم ہنس پڑی۔
پھر دونوں کی باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔
"اچھا سنو، نکاح والے دن کیا پہننا ہے؟"
"اور مہندی پر؟"
"شادی کے بعد ہم کیا کریں گے؟"
"اور اگر ہمیں ایک ہی گھر میں ایک دوسرے کے کمرے کے پاس کمرہ ملا تو؟"
ماہم ایک سانس میں بولے جا رہی تھی۔
پھر اچانک بولی،
"اور اگر تم ہر وقت میرے کمرے میں آتی رہیں؟"
مریم نے فوراً جواب دیا،
"میں؟ تم میرے کمرے میں آؤ گی۔"
"نہیں، تم!"
"نہیں، تم!"
اور پھر دونوں ایک دوسرے سے بحث کرنے لگیں۔
کبھی کپڑوں کی بات ہوتی، کبھی جیولری کی، کبھی شادی کے بعد کی زندگی کی۔
کبھی دونوں اچانک خاموش ہو جاتیں اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگتیں۔
وہی باتیں...
وہی خواب...
وہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں...
جو ہر بہن اپنی شادی سے پہلے اپنی بہن کے ساتھ بانٹتی ہے۔
مگر ان دونوں کو کیا معلوم تھا...
کہ آنے والے دن صرف خوشیاں ہی نہیں بلکہ کئی انجان موڑ بھی ساتھ لا رہے تھے۔

☆☆☆

عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ اور اذانوں کی آوازیں ہر طرف کی فضا میں گونج رہی تھیں۔ مسجدوں سے اٹھتی وہ

پُر سکون صدائیں ماحول کو عجیب سی خاموشی اور سنجیدگی دے رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور گھر کے صحن میں پیلا بلب مدھم روشنی بکھیر رہا تھا۔ ایسے میں بتول اور قدسیہ ایک کونے میں بیٹھی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

بتول کے چہرے پر آج عجیب سی پریشانی تھی۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی جیسے دل میں کوئی خوف چھپا بیٹھی ہو۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے ہچکچاتے ہوئے قدسیہ کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی،

"امی... ایک بات پوچھوں؟"

قدسیہ نے اس کی طرف دیکھا اور بولی،

"ہاں پوچھو، اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟"

بتول نے ایک گہرا سانس لیا اور نظریں جھکا لیں۔

"امی... اگر شادی ہو گئی تو پھر ہم کیا کریں گے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ماہم مجھے ہی اس گھر سے نکال دے۔ میرے تو ویسے بھی ایک دو سال رہ گئے ہیں، پھر اس کے بعد میری بھی شادی ہو جائے گی اور میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔"

وہ کچھ لمحوں کے لیے رکی، پھر تھوڑا اور قریب ہو کر دھیمی آواز میں بولی،

"اور امی... کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے مریم کے ساتھ جو برا کیا... ماہم ان سب چیزوں کا بدلہ لے۔ مجھے نہیں پتا کیوں، لیکن مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔ وہ خاموش ضرور رہتی ہے، لیکن اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔"

قدسیہ نے پہلے چند لمحے اسے غور سے دیکھا، پھر اچانک ہلکا سا ہنس دی۔

"ارے او بے وقوف لڑکی! کیسی کیسی باتیں سوچتی رہتی ہو؟ اتنا دماغ مت چلایا کرو۔ میں ابھی زندہ ہوں، اور جب تک میں ہوں نا، کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

پھر اس نے فخر سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا اور بولی،

"اور پھر میرے بیٹے بھی ہیں۔ میرے بچے کیا مجھے ایسے دیکھ سکتے ہیں کہ کوئی بہو آ کر مجھے یا میری بیٹی کو کچھ کہے؟ کبھی نہیں! تم فضول میں ڈر رہی ہو۔"

بتول کے چہرے پر تھوڑا سکون آیا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی اور بولی،

"ہاں امی... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں ہی فضول سوچ رہی تھی۔"

لیکن دونوں کے چہروں پر وہ مسکراہٹ صرف چند لمحوں کی تھی۔ اگلے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی، جیسے دونوں کے ذہن میں ایک ہی طرح کے خیال چل رہے ہوں۔ پھر دونوں آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگیں۔

کبھی دونوں دھیرے سے ہنستیں، کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز نظروں سے مسکراتیں۔ ان کے چہروں پر لالچ اور خودغرضی صاف نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں آنے والے وقت کے خواب دیکھ رہی تھیں، اپنے فائدے کے منصوبے بنا رہی تھیں۔

کافی دیر باتیں کرنے کے بعد قدسیہ نے اچانک گھڑی کی طرف دیکھا تو چونک گئی۔

"ارے اللہ! کافی وقت ہو گیا۔ ظہیر اور ظرار بھی آنے والے ہوں گے۔"

پھر اس نے بتول کو دیکھ کر کہا،

"اچھا چلو اب اٹھو، جا کر کچن میں کھانے کا انتظام کرو۔ اور ہاں... ذرا اچھے سے سب کو خوش بھی رکھنا۔"

بتول فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی امی۔"

یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف چلی گئی، جبکہ قدسیہ وہیں بیٹھی گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی... ایسی مسکراہٹ جس کے پیچھے کئی راز اور کئی منصوبے چھپے ہوئے تھے۔ شاید آنے والا وقت بہت کچھ بدلنے والا تھا۔

☆☆☆

دیکھتے ہی دیکھتے وقت گزرتا گیا۔ عشاء کا وقت کب رات کی گہری تاریکی میں بدل گیا، کسی کو احساس ہی نہ ہوا۔ گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے رات کے دو بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ سڑکیں سنسان ہو چکی تھیں اور ٹھنڈی ہوا رات کی خاموشی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

دوسری طرف اقراش ابھی تک اپنے دوستوں کے ساتھ باہر بیٹھا ہوا تھا۔ سب لوگ اپنی باتوں اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ وقت کا کسی کو اندازہ ہی نہیں رہا تھا۔ اچانک اقراش کی جیب میں رکھا فون بجنے لگا۔

اس نے لاپرواہی سے فون نکالا اور اسکرین پر نظر ڈالی۔

"امی" لکھا دیکھ کر اس نے فوراً فون کان سے لگایا۔

"جی امی؟"

دوسری طرف سے شاید عزرا کی پریشان کن آواز آرہی تھی۔ اقراش نے جلدی سے بات کاٹی اور بولا،

"بس امی... آرہاہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور ایک گہرا سانس لیا۔ پھر اپنے دوستوں سے مختصر سی بات کی اور وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

رات کافی ہو چکی تھی، اس لیے وہ سیدھا گاڑی کی طرف بڑھا اور کچھ دیر بعد اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ادھر گھر میں تقریباً سب لوگ سو چکے تھے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ بڑے ہال کی لائٹس بند تھیں اور لمبی راہداریوں میں صرف ہلکی مدھم روشنیاں جل رہی تھیں۔

گھر کا دروازہ پہلے سے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ سب کو اندازہ تھا کہ اقراش دیر سے ہی واپس آئے گا۔

باہر صرف سیکیورٹی گارڈ اپنی جگہ پر کھڑا جاگ رہا تھا۔ اس نے اقراش کو آتے دیکھا تو فوراً سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم سر۔"

اقراش نے ہلکے سے سر ہلایا اور بغیر کچھ کہے اندر چلا گیا۔

ڈرائیور بھی کافی دیر پہلے اپنے کمرے میں جا چکا تھا اور گہری نیند سو رہا تھا۔ پورا گھر سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔

اقراش آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اندر آیا۔ اس کی نظریں ایک بار پورے گھر پر گھومیں۔ عجیب سی خاموشی تھی... ایسی خاموشی جو کبھی سکون دیتی ہے اور کبھی دل میں بے چینی پیدا کر دیتی ہے۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگا۔

☆☆☆

رات اب اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ آسمان کی سیاہ چادر آہستہ آہستہ ہلکی پڑنے لگی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کھڑکی کے پردوں کو ہلکے ہلکے ہلا رہی تھی اور ہر طرف ایک عجیب سا سکون پھیلا ہوا تھا۔ دور کہیں مسجد سے فجر کی اذان سے پہلے کی خاموش فضا محسوس ہو رہی تھی، جیسے پوری دنیا چند لمحوں کے لیے تھم گئی ہو۔

گھر کے تقریباً سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ ہر کمرہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن ایک کمرہ ایسا بھی تھا جہاں اب تک نیند نے قدم نہیں رکھا تھا۔

میرا ابھی تک جاگ رہی تھی۔

چھوٹا سا معصوم چہرہ، بکھرے ہوئے بال اور ہاتھوں میں اپنی پسندیدہ گڑیا لیے وہ کبھی اس کے بال ٹھیک کرتی، کبھی اس سے باتیں کرنے لگتی اور کبھی خود ہی مسکرا دیتی۔

اس کے کمرے میں مدھم سی نائٹ لائٹ جل رہی تھی۔ وہ اپنی دونوں بہنوں کے ساتھ سو رہی تھی، لیکن نیند جیسے اس کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ اپنی گڑیا کو پکڑ کر اس کے ساتھ کھیل رہی تھی، جیسے وہ کوئی حقیقی دوست ہو۔

اتنے میں فجر کے وقت سے کچھ پہلے، جب اذان ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا، مریم کی آنکھ کھل گئی۔

مریم کی عادت تھی کہ وہ فجر سے پہلے اٹھ جاتی تھی۔ وہ آہستہ سے بستر سے اٹھی تاکہ کسی کی نیند خراب نہ ہو، مگر جیسے ہی اس کی نظر میرا پر پڑی، وہ حیران رہ گئی۔

میرا ابھی تک جاگ رہی تھی۔

مریم نے حیرت سے اسے دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی،

"میرا...؟"

میرا نے فوراً سر اٹھا کر اپنی بڑی بہن کی طرف دیکھا۔

"جی؟"

مریم نے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیار سے بولی،

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟ کیا کر رہی ہو؟"

میرا نے معصومیت سے اپنی گڑیا اوپر اٹھائی اور بولی،

"میں اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی... مجھے نیند ہی نہیں آرہی تھی۔"

مریم ہلکا سا مسکرائی، پھر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"اوہ میری گڑیا... اب بہت رات ہو گئی ہے۔ شاباش، اب جلدی سے سو جاؤ۔ پھر صبح اٹھو گی کب؟"

میرا نے کچھ لمحے سوچا، پھر معصومیت سے بولی،

"اچھا ٹھیک ہے۔"

اس نے فوراً اپنی گڑیا کو سینے سے لگایا، چادر اوپر کی اور آنکھیں بند کر لیں۔

مریم نے مسکرا کر اس کے ماتھے پر ہلکا سا بوسہ دیا اور آہستہ سے کھڑی ہو گئی۔

اس کے بعد وہ وضو کرنے چلی گئی۔ وضو کر کے اس نے نفل ادا کیے اور پھر اپنی امی کو اٹھانے کے لیے ان کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"امی... اٹھ جائیں، فجر کا وقت ہونے والا ہے۔"

عزرا نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور مسکرا کر مریم کو دیکھا۔

"تم ہمیشہ اتنی جلدی اٹھ جاتی ہو۔"

مریم صرف مسکرا دی۔

پھر اس نے ایک لمحے کو ماہم کے بارے میں سوچا۔

"رہنے دیتی ہوں... یہ تو اٹھنے والی نہیں۔"

یہ سوچ کر وہ ہلکا سا ہنس دی اور اس نے ماہم کو جگانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے بعد اذان فجر ہوئی، مریم نے سکون سے فجر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر خاموش بیٹھی رہی۔

پھر جب وہ نماز اور قرآن پاک سے فارغ ہوئی تو وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

میرا اب گہری نیند سو چکی تھی، اپنی گڑیا کو مضبوطی سے سینے سے لگائے ہوئے۔

مریم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے چادر ٹھیک کی، آہستہ سے اپنے بستر پر لیٹی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی نیند کی وادیوں میں کھو گئی...

جبکہ کھڑکی کے باہر صبح کی پہلی روشنی آہستہ آہستہ آسمان پر پھیلنا شروع ہو چکی تھی۔

☆☆☆

یوں ہی دیکھتے دیکھتے پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔ وقت جیسے پر لگا کر اُڑ رہا تھا۔ گھر میں صبح سے رات تک ایک عجیب سی ہلچل رہتی۔ کبھی کوئی بازار جانے کی تیاری کر رہا ہوتا، کبھی کسی کو کپڑوں کی فکر ہوتی، تو کبھی کسی کو جیولری، مہندی یا جوتوں کی۔

شادی کی تیاریاں اب اپنے عروج پر پہنچنے لگی تھیں۔

کبھی لڑکی والوں کے گھر سے فون آتا، تو کبھی لڑکے والوں کی طرف سے کوئی نئی بات ہو جاتی۔ گھر میں ہر طرف صرف ایک ہی موضوع تھا...

"شادی..."

اور اب تو جیسے ہر دیوار، ہر کمرہ، ہر چیز یہی کہہ رہی تھی کہ خوشیوں کے دن بہت قریب آ چکے ہیں۔

دوسری طرف ظہیر اور ظرار کا معمول بھی ویسا ہی چل رہا تھا۔ صبح جلدی آفس جانا، دن بھر کام میں مصروف

رہنااور شام کو واپس آنا۔ اگرچہ وہ اپنے کاموں میں مصروف تھا لیکن دل ہی دل میں شادی کی تیاریاں اور گھر کے حالات بھی اس کے ذہن میں رہتے۔

اور اقراش...

اس کا تو جیسے کچھ بدلا ہی نہیں تھا۔

اس کی راتیں اب بھی دوستوں کے ساتھ گزرتی تھیں اور دن نیند میں۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زور وشور سے ہورہی تھیں مگر اقراش کو شاید ان سب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔

میرا ابھی اپنے ہی ننھے سے جہاں میں مگن رہتی۔ کبھی اپنی گڑیاوں کے ساتھ کھیلتی، کبھی مریم کے پیچھے پیچھے گھومتی اور کبھی ماہم کے ساتھ ضدیں شروع کر دیتی۔

ایسے ہی ہنستے کھیلتے پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔

اور اب...

شادی میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔

جیسے ہی سب کو اس بات کا احساس ہوا، گھر میں ایک نئی بے چینی پھیل گئی۔

"صرف دو دن!"

یہ سن کر سب کے چہروں پر خوشی بھی آتی اور عجیب سی اداسی بھی۔

اسی دوران ماہم اور مریم تقریباً روز بازار جاتی تھیں۔ دونوں کی پسند حیرت انگیز حد تک ایک جیسی تھی۔

اگر مریم کو کوئی سوٹ پسند آتا تو ماہم فوراً بولتی،

"یہی والا میرے لیے بھی۔"

اور اگر ماہم کسی رنگ پر رک جاتی تو مریم ہنس کر کہتی،

"پھر میرے لیے بھی یہی۔"

دونوں اکثر ایک جیسے کپڑے پہنتی تھیں۔ ان کو دیکھ کر ہر کوئی کہتا کہ یہ دونوں بہنیں جڑواں لگتی ہیں۔

اس دن بھی دونوں اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ پورا کمرہ کپڑوں، شاپنگ بیگز، جوتوں اور چھوٹے چھوٹے ڈبوں سے بھرا پڑا تھا۔

مریم ایک جوڑا ہاتھ میں پکڑے بولی،

"ممی! کل مایوں ہے نا؟ تو ہم کل یہ والے کپڑے پہنیں گے۔"

عزرا نے مسکرا کر کپڑوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں، یہی پہننا۔ ویسے بھی تم دونوں پر یہ بہت اچھے لگیں گے۔"

ماہم فوراً دوسرے کپڑے اٹھا کر بولی،

"اور یہ نکاح والے دن۔"

"اور یہ رخصتی پر!"

مریم نے جلدی سے بات مکمل کی۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

عبدالرحمان بھی وہیں بیٹھے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ خاموشی سے اپنی بیٹیوں کو دیکھ رہے تھے۔

کبھی ان کی باتیں...

کبھی ان کی ہنسی...

اور کبھی ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں...

آخر کافی دیر سوچ بچار کے بعد دونوں نے اپنے کپڑے فائنل کر لیے۔

"بس! ہو گیا۔"

ماہم نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

پھر دونوں نے اپنے اپنے کپڑے سمیٹے اور اندر کمروں میں چلی گئیں تا کہ سامان پیک کر سکیں کیونکہ اب جلد ہی انہیں پارلر جانا تھا، اور ظاہر تھا کہ شادی کے دنوں میں وقت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔

دونوں کے جانے کے بعد کمرے میں اچانک خاموشی چھا گئی۔

عبدالرحمان ابھی تک اسی طرف دیکھ رہے تھے، جہاں سے اُن کی بیٹیاں گئی تھیں۔

پھر اُنہیں نے ایک گہرا سانس لیا۔

اُن کی آنکھوں میں عجیب سی نمی اترنے لگی۔

انہوں نے آہستہ سے عزرا کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے

"عزرا..."

عزرا نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔

"جی؟"

عبد الرحمان کچھ لمحے خاموش رہے۔

پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے،

"یہ بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں نا..."

اُن کی آواز میں عجیب سی اداسی گھل گئی تھی۔

"ابھی کل تک تو یہ دونوں اتنی سی تھیں۔ ہر وقت میرے آگے پیچھے گھومتی تھیں۔ کبھی ضد کرتی تھیں، کبھی لڑتی تھیں، کبھی میری گود میں بیٹھ جاتیں..."

اُن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"یاد ہے؟ ماہم کو میں کندھوں پر بٹھاتا تھا اور مریم ہر بار ناراض ہو جاتی تھی کہ پہلے مجھے اٹھاؤ۔"

وہ ہلکا سا ہنسے مگر اگلے ہی لمحے اُن کی آنکھوں میں نمی بڑھ گئی۔

"اب دیکھو..."

"ان کی شادی ہو رہی ہے۔"

"وقت اتنا جلدی کیسے گزر گیا؟"

انہوں نے نظریں جھکا لیں۔

عزرا خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

پھر وہ آہستہ سے اُن کے پاس آئیں اور اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آپ اتنا پریشان نہ ہوں۔"

"ویسے بھی بیٹیاں تو ایک دن چلی ہی جاتی ہیں۔"

اُنھوں نے مسکرا کر بات جاری رکھی،

"اور پھر ہمارے پاس میرا اور اقراش تو ہیں نا۔"

"آپ کیوں اتنا اداس ہو رہے ہیں؟"

عبد الرحمان خاموشی سے مسکرا دیے۔

لیکن اُن کے دل میں ایک باپ کا درد تھا۔

وہ درد...

جو ہر باپ اپنی بیٹی کی رخصتی سے پہلے محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ بیٹیاں گھر سے جاتی نہیں...
اپنے ساتھ گھر کی رونقیں بھی لے جاتی ہیں۔

☆☆☆

گھر میں ایک عجیب سی بھاگ دوڑ لگی ہوئی تھی۔ ہر طرف خوشیوں کی رونقیں تھیں۔ کہیں ہنسی کی آوازیں آ رہی تھیں، کہیں بچوں کی شرارتیں اور کہیں عورتوں کی اونچی آواز میں ہوتی باتیں۔ پورا گھر روشنیوں اور خوشیوں سے بھر چکا تھا۔

دوسری طرف ماہم اور مریم اپنی تیاری کے لیے پارلر جانے والی تھیں۔

دونوں نے اپنا ضروری سامان لیا اور گھر کے باہر نکل آئیں جہاں ڈرائیور پہلے سے گاڑی کے پاس کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"چلیں بیٹی؟"

ڈرائیور نے احترام سے پوچھا۔

"جی۔"

دونوں ایک ساتھ بولیں اور گاڑی میں جا کر بیٹھ گئیں۔

راستے بھر دونوں خاموش نہیں رہیں۔

کبھی مریم اپنی چوڑیاں دیکھتی تو کبھی ماہم اپنے کپڑوں کی طرف دیکھ کر پریشان ہوتی۔

"مریم اگر میک اپ اچھا نہ ہوا تو؟"

ماہم نے ہلکی سی فکر سے پوچھا۔

مریم فوراً ہنس پڑی۔

"آپ کو ہر بات کی ٹینشن کیوں ہوتی ہے؟"

"ویسے بھی آپ تو بغیر میک اپ کے بھی اچھی لگتی ہو۔"

ماہم نے فوراً اسے گھورا۔

"ہاں ہاں بہت، مذاق اڑا لو۔"

دونوں پھر ہنسنے لگیں۔

کچھ دیر بعد گاڑی پارلر کے سامنے جا کر رک گئی۔

دونوں نیچے اتریں اور اندر چلی گئیں۔

پارلر میں کافی رش تھا۔ ہر طرف لڑکیاں تیار ہو رہی تھیں، کہیں ہیئر اسٹائل بن رہے تھے، کہیں میک اپ اور کہیں قہقہے گونج رہے تھے۔

پارلر والی نے دونوں کو دیکھ کر مسکرا کر استقبال کیا۔

"آئیں، آپ دونوں کا ہی انتظار تھا۔"

پھر کافی دیر تک دونوں کی تیاری چلتی رہی۔

کبھی بال بن رہے تھے، کبھی جیولری سیٹ ہو رہی تھی، کبھی دوپٹے ٹھیک کیے جا رہے تھے۔

وقت گزرتا گیا۔

اور جب تیاری مکمل ہوئی تو دونوں خود کو آئینے میں دیکھ کر چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئیں۔

آج واقعی دونوں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

مریم نے مسکرا کر ماہم کو دیکھا۔

"ماشاءاللہ۔"

ماہم نے فوراً کہا،

"نظر نہ لگاؤ۔"

دونوں پھر ہنسنے لگیں۔

تیاری کے بعد دونوں واپس گاڑی میں بیٹھیں اور گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ گھر کا نقشہ اب مکمل بدل چکا ہو گا۔

جب تک وہ واپس پہنچیں، گھر میں بے شمار مہمان آ چکے تھے۔

باہر گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔

ہال سے ہنسی اور شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔

جیسے ہی گاڑی رکی، سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

ماہم اور مریم آہستہ آہستہ نیچے اتریں۔

ایک لمحے کے لیے جیسے سب خاموش ہو گئے۔

پھر اچانک ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

"ماشاء اللہ!"
"کتنی پیاری لگ رہی ہیں!"
"نظر نہ لگے!"
دونوں شرما کر مسکرا دیں۔
پھر انہیں اسٹیج کی طرف لے جایا گیا اور خوبصورت سجے ہوئے صوفے پر بٹھا دیا گیا۔
اس کے بعد تو ایک عجیب سلسلہ شروع ہو گیا۔
ایک لڑکی آتی، ان دونوں کو مٹھائی کھلاتی، مذاق کرتی، ہنساتی اور پھر سیلفی لے کر چلی جاتی۔
کوئی آ کر کہتی،
"آج تو دلہن شرما رہی ہے۔"
تو کوئی چھیڑتی،
"کل سے تو اپنے گھر چلی جانا ہے۔"
اور ہر بار ماہم کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے جبکہ مریم صرف ہنستی رہتی۔
اتنے میں ہال کے دروازے سے بتول اور قدسیہ اندر آئیں۔
دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی مگر ان کی آنکھوں میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔
بتول سیدھا ماہم کے پاس آئی۔
اس کے ہاتھ میں مٹھائی تھی۔
اس نے مسکرا کر مٹھائی ماہم کی طرف بڑھائی۔
"لو بھابی... مٹھائی کھاؤ۔"
لیکن جیسے ہی اس نے مٹھائی آگے کی، ماہم نے فوراً چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔
اس کے چہرے پر صاف ناگواری نظر آ رہی تھی۔
بتول کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے کو ہلکی پڑ گئی۔
مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور مصنوعی ہنسی ہنس کر بولی،
"خیر کوئی بات نہیں..."
پھر ماہم کو دیکھتے ہوئے بولی،

"...میری پیاری بھابی ہے۔"
"مان جائیں گیں۔"
ماہم نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔
پھر بغیر کچھ بولے دوسری طرف دیکھنے لگی۔
اور یہی خاموشی...
بتول کے دل میں عجیب سی چبھن چھوڑ گئی۔ کیونکہ کبھی کبھی خاموشی، لفظوں سے زیادہ جواب دے جاتی ہے۔

☆☆☆

مایوں کا فنکشن آخر کار خوشیوں، ہنسی مذاق اور بے شمار تصویروں کے ساتھ ختم ہو چکا تھا۔ پورا گھر کئی گھنٹوں سے شور اور رونقوں سے بھرا ہوا تھا۔ کہیں عورتیں ڈھولکی پر گا رہی تھیں، کہیں بچوں کی شرارتیں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں اور کہیں مہمان اب بھی بیٹھے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔
لیکن اتنی دیر کی مصروفیات کے بعد اب تھکن سب کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔
دوسری طرف ماہم اور مریم تو جیسے بالکل نڈھال ہو چکی تھیں۔
آخر کار کافی دیر بعد دونوں اپنے کمرے میں واپس آئیں۔
جیسے ہی کمرے کا دروازہ بند ہوا دونوں نے ایک ساتھ لمبا سا سانس لیا۔
"ہائے اللہ..." ماہم نے اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"میں تو بہت تھک گئی ہوں۔"
مریم فوراً ہنسنے لگی۔
"ابھی تو صرف مایوں تھا، ابھی آگے اور بھی فنکشن ہیں۔"
ماہم نے فوراً تکیہ اٹھا کر اس کی طرف مارا۔
"چپ کرو تم!"
دونوں پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔
کمرے میں ابھی بھی ہلکی ہلکی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر جیولری، کلپس، چوڑیاں اور میک اپ کا سامان بکھرا ہوا تھا۔
دونوں ابھی تک دلہنوں کی طرح تیار بیٹھی تھیں۔

مریم اچانک بولی،
"رکو... پہلے تصویریں۔"
ماہم نے حیران ہو کر دیکھا۔
"ابھی؟"
"ہاں ابھی!"
پھر دونوں فوراً ایک دوسرے کے پاس بیٹھ گئیں۔
کبھی مریم سیلفی بناتی، کبھی ماہم اس کا فون پکڑ لیتی۔
"نہیں نہیں یہ والی اچھی نہیں آئی۔"
"ارے دوبارہ بناؤ!"
"رکو میرا دوپٹہ ٹھیک کرو!"
اور پھر دونوں بچوں کی طرح ہنسنے لگتیں۔
کافی دیر تک دونوں تصویریں کھینچتی رہیں۔
کبھی الگ الگ، کبھی ساتھ، کبھی عجیب سے پوز بنا کر اور کبھی بے ساختہ ہنستے ہوئے۔
پھر آخر کار دونوں تھک کر بستر پر گر گئیں۔
"بس۔ اب مزید نہیں۔"
مریم نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔
اس کے بعد دونوں آہستہ آہستہ اٹھیں اور کپڑے تبدیل کرنے لگیں۔
بھاری کپڑے، چوڑیاں اور جیولری اتارتے اتارتے ہی دونوں مزید تھک گئی تھیں۔
دونوں نے میک اپ بھی اتارا۔
جیسے جیسے چہرے سے میک اپ ہٹ رہا تھا ویسے ویسے ان کے چہروں پر سکون واپس آ رہا تھا۔
اسی دوران میرا بھی اپنی گڑیا اٹھائے کمرے میں آ گئی۔
وہ کچھ لمحے خاموشی سے دونوں کو دیکھتی رہی۔
پھر اچانک بولی،
"آپ لوگ میک اپ کیوں ہٹا رہے ہو؟"

دونوں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔
میرا منہ پھلا کر بولی،
"آپ دونوں تو اتنی اچھی اور پیاری لگ رہی تھیں۔"
پھر اس نے اپنی گڑیا کو اوپر کرتے ہوئے معصومیت سے کہا،
"میری گڑیا کو بھی ایسے ہی تیار کریں گے۔"
"اور پھر اس کی بھی آپ لوگوں کے ساتھ شادی ہو گی۔"
یہ سن کر چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
پھر اچانک مریم اور ماہم دونوں زور سے ہنسنے لگیں۔
"اچھا!؟"
مریم نے ہنسی روکتے ہوئے پوچھا۔
ماہم نے گڑیا کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا،
"اس کا دولہا کون ہو گا؟"
میرا چند لمحے سوچتی رہی۔
پھر بولی،
"پتہ نہیں... ڈھونڈ لیں گے!"
یہ سنتے ہی دونوں دوبارہ ہنسنے لگیں۔
مریم نے ہنستے ہوئے میرا کو اپنے پاس کھینچ لیا۔
"اچھا ٹھیک ہے، سب کریں گے۔"
ماہم نے بھی مسکراتے ہوئے کہا،
"اب شاباش... بہت رات ہو گئی ہے۔ سو جاؤ۔"
میرا نے فوراً اپنی گڑیا کو سینے سے لگایا۔
"اور آپ لوگ بھی سو جاؤ۔"
"ہم بھی سو رہے ہیں۔"
مریم نے اس کے بال بگاڑتے ہوئے کہا۔

پھر کمرے کی لائٹ بند کر دی گئی۔
کچھ ہی لمحوں بعد کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔
میرا اپنی گڑیا کے ساتھ سو گئی۔
اور ماہم اور مریم بھی دن بھر کی تھکن لیے آہستہ آہستہ نیند کی وادیوں میں کھو گئیں۔
کیونکہ آنے والے دن... ان کی زندگی کے سب سے اہم دن ہونے والے تھے۔

☆☆☆

باب چہارم:

آج کا دن عام دنوں جیسا نہیں تھا۔
صبح سے ہی گھر کا ماحول بدلا بدلا سا تھا۔ ہر طرف عجیب سی ہلچل، شور، ہنسی اور بھاگ دوڑ تھی۔ کسی کے ہاتھ میں کپڑے تھے، کوئی جیولری سنبھال رہا تھا، کوئی مہمانوں کے فون اٹینڈ کر رہا تھا اور کوئی آخری تیاریوں میں مصروف تھا۔
کیونکہ آج...
آج نکاح کا دن تھا۔
وہ دن جس کا سب کو بے صبری سے انتظار تھا۔
وہ دن جس کے بعد دو زندگیاں ایک نئے رشتے میں بندھنے والی تھیں۔
ادھر شادی ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف خوبصورت پھولوں کی سجاوٹ تھی۔ چھتوں سے لٹکتی روشنیاں، دیواروں پر سجے سفید اور سنہری پھول اور ہر طرف بکھری خوشبو پورے ماحول کو خواب جیسا بنا رہی تھی۔
ہال میں مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔
ہر طرف لوگوں کی آوازیں، ہنسی مذاق اور خوشی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
اور ہال کے عین درمیان خوبصورت سا اسٹیج بنا ہوا تھا۔
جہاں آج سب کی نظریں رکنے والی تھیں۔
اسٹیج کے درمیان ایک چھوٹا سا پھولوں سے سجا خوبصورت پردہ نما حصّہ بنایا گیا تھا، جو دونوں طرف بیٹھے لوگوں کے درمیان نفاست سے رکھا گیا تھا۔
ایک طرف ظہیر اور ظرار بیٹھے تھے۔
دونوں آج بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔
چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔
دوسری طرف...
ماہم اور مریم بیٹھی تھیں۔
دونوں دلہن بنی خاموش بیٹھی تھیں۔
سر جھکے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں پہنی چوڑیاں بار بار ہلکی آواز پیدا کر رہی تھیں۔

ان کے دل کی دھڑکنیں شاید آج معمول سے زیادہ تیز تھیں۔
کیونکہ زندگی کے سب سے بڑے لمحوں میں سے ایک لمحہ ان کے سامنے تھا۔
ہال میں بیٹھے سب لوگ کبھی دلہنوں کو دیکھتے اور کبھی دولہوں کو۔
کچھ عورتیں ایک دوسرے کے کان میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔
"ماشاء اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔"
"اللہ نصیب اچھے کرے۔"
"نظر نہ لگے۔"
اسی دوران اچانک ہال میں ہلکی سی خاموشی چھا گئی۔
قاری صاحب اندر تشریف لائے۔
سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔
وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے درمیان میں آکر بیٹھ گئے۔
پھر نکاح کی چند ضروری باتوں کے بعد انہوں نے پہلے ظہیر سے اجازت لی۔
"آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"
چند لمحوں کے لیے جیسے وقت رک گیا۔
ظہیر نے بے بسی والے لہجے میں کہا:
"قبول ہے۔"
قاری صاحب نے دوبارہ پوچھا۔
"قبول ہے۔"
تیسری بار پھر سوال ہوا۔
"قبول ہے؟"
ہال میں بیٹھی کچھ عورتیں خوشی سے مسکرا دیں۔
پھر ضرار کی باری آئی۔
اس نے بھی تینوں بار پورے اعتماد سے جواب دیا۔
"قبول ہے۔"

ادھر جب ماہم اور مریم سے پوچھا گیا تو دونوں کے چہرے شرم سے مزید سرخ ہو گئے۔
مریم نے آہستہ آواز میں کہا،
"قبول ہے۔"
ماہم نے بھی نظریں جھکائے دھیمی آواز میں جواب دیا،
"قبول ہے۔"
اور پھر...
چند لفظوں کے ساتھ دو نئے رشتے ہمیشہ کے لیے جڑ گئے۔
"مبارک ہو!"
اچانک ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔
ہال تالیوں اور مبارکبادوں سے گونج اٹھا۔
اسی وقت مٹھائی بھی آ گئی۔
ہر طرف خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔
کوئی دولہا دلہن کو مٹھائی کھلا رہا تھا، کوئی تصویریں بنا رہا تھا، کوئی ہنسی مذاق کر رہا تھا۔
پھر آہستہ آہستہ ڈھول کی آواز بھی گونجنے لگی۔
اور پھر شروع ہوئیں مستیاں۔
سب لوگ خوشی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہنس رہے تھے۔
بچے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔
عورتیں خوشی سے گانے گا رہی تھیں۔
اور وقت...
وقت ہمیشہ کی طرح چپکے سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔
پتہ ہی نہیں چلا کب شام رات میں بدل گئی۔
آہستہ آہستہ مہمان واپس جانے لگے۔
کچھ دیر بعد ہال تقریباً خالی ہونے لگا۔
کیونکہ کل... رخصتی تھی۔

یہ سوچ کر ماہم اور مریم کے دل میں عجیب سا احساس جاگا۔
رات کو گھر واپس آنے کے بعد دونوں سیدھا اپنے امی ابو کے کمرے میں چلی گئیں۔
جیسے ہی عزرا نے دونوں کو دیکھا وہ مسکرا دیں۔
مگر اگلے ہی لمحے دونوں بہنیں ان کے گلے لگ گئیں۔
اور پھر...
ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
دونوں بہنیں زار و قطار روتے رہیں،
"امی..."
مریم روتے ہوئے بولی۔
"اب ہم آپ لوگوں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔"
ماہم نے بھی روتے ہوئے کہا،
"لیکن آپ لوگوں نے فکر نہیں کرنی۔"
"ہم آتے رہیں گے۔"
"ویسے بھی ہم دونوں ساتھ ہیں۔"
"تو زیادہ ڈر نہیں لگے گا۔"
عبدالرحمان خاموش کھڑے سب دیکھ رہے تھے،
اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
اس نے فوراً نظریں دوسری طرف کر لیں۔
کیونکہ باپ اکثر اپنے آنسو چھپا لیتے ہیں۔
اقراش بھی ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔
آج پہلی بار شاید اس کے دل میں بھی عجیب سا درد تھا۔
اس کی آنکھیں بھی ہلکی سی نم ہو گئیں۔
لیکن میرا...
ننھی سی میرا تو کچھ سمجھ ہی نہیں رہی تھی۔

وہ خاموش کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی۔
اس کے ذہن میں شاید صرف اپنی گڑیا کی شادی گھوم رہی تھی۔
وہ معصومیت سے بولی،
"آپ لوگ رو کیوں رہے ہو؟"
"شادی تو اچھی ہوتی ہے۔"
"میری گڑیا بھی جاتی ہے پھر واپس آجاتی ہے۔"
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سب ہنس پڑے۔
اور اسی ہنسی کے ساتھ وہ رات بھی گزر گئی۔
اور پھر...
رخصتی کا دن آگیا۔
صبح سویرے ہی پورا گھر جاگ چکا تھا۔
ہر طرف بھاگ دوڑ مچی ہوئی تھی۔
کسی کو شادی ہال جانا تھا۔
کسی کو پارلر۔
کسی کو کپڑے سنبھالنے تھے۔
کسی کو مہمانوں کا خیال رکھنا تھا۔
ہر طرف صرف ایک ہی آواز:
"جلدی کرو!"
"وقت ہو رہا ہے!"
اور بیچ میں اقراش...
آج وہ بھی ایک جگہ نہیں رُک رہا تھا۔
کبھی کیٹرنگ والوں کے پاس جاتا۔
کبھی سجاوٹ چیک کرتا۔
کبھی فون پر کسی سے بات کرتا۔

اور کبھی کسی کو ڈانٹ دیتا،

"بھائی جلدی کرو!"

آخر کار کافی بھاگ دوڑ کے بعد وہ اپنے کمرے میں گیا۔

جلدی جلدی کپڑے بدلے۔

آئینے میں ایک نظر خود کو دیکھا۔

اور پھر گاڑی کی چابی اٹھا کر تیزی سے ہال کی طرف نکل گیا۔

دوسری طرف...

ماہم اور مریم پارلر میں تیار ہو رہی تھیں۔

..ماہم اور مریم خوبصورتی سے تیار ہو کر نیچے آئیں تو گھر والے ایک لمحے کے لیے انہیں دیکھتے ہی رہ گئے۔
دونوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سب کی طرف دیکھا اور پھر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئیں۔ ابھی وہ دونوں آرام سے بیٹھی ہی تھیں کہ اچانک ان کے پیچھے اقراش بھی آ کر بیٹھ گیا۔

ماہم نے حیرانی سے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولی،

"ارے! تم یہاں؟"

اقراش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے کہا،

"کیوں؟ کیا میں اپنی دونوں بہنوں کی شادی میں ساتھ نہیں جا سکتا؟"

مریم ہنس دی جبکہ ماہم نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔ پھر تینوں باتیں کرتے ہوئے شادی ہال کی طرف روانہ ہو گئے۔

جیسے ہی ان کی گاڑی شادی ہال کے سامنے رکی، وہاں موجود سب لوگ ان کے استقبال کے لیے پہلے ہی کھڑے تھے۔ چاروں طرف خوبصورت روشنیوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ دروازے پر کھڑے لوگ ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہے تھے۔ ڈھول کی آوازیں پورے ماحول کو مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔ یوں بہت ہی شاندار انداز میں ان کی انٹری ہوئی۔

ماہم اور مریم دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ہال کے اندر داخل ہوئیں۔ اندر کا منظر نہایت حسین تھا۔ ہر طرف روشنی، پھول اور خوشیوں کا سماں تھا۔ پھر وہ اسٹیج پر جا کر بیٹھ گئیں۔ اسٹیج پر دو بڑی بڑی خوبصورت کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ ایک طرف ظہیر اور مریم بیٹھے تھے جبکہ دوسری طرف ظرار اور ماہم بیٹھے ہوئے تھے۔

مہمان آتے جا رہے تھے، سب مبارکباد دے رہے تھے، تصویریں بن رہی تھیں اور ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ کچھ لوگ ڈھول کی تھاپ پر ناچ رہے تھے، کچھ گانے گا رہے تھے، اور ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ وقت گزرتا گیا اور آہستہ آہستہ رات گہری ہونے لگی۔

پھر آخر کار وہ لمحہ بھی آ گیا جس کا ہر ایک کو ڈر تھا... رخصتی کا وقت۔

یہ سنتے ہی ماہم اور مریم کے چہروں کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اقراش آگے بڑھا، اس کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اپنی دونوں بہنوں کے سروں پر قرآنِ پاک رکھا۔

وہ لمحہ سب کے لیے بہت جذباتی تھا۔

ماہم اور مریم نے اپنی امی، ابو، اقراش اور میرا کی طرف دیکھا۔ سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ میرا تو بری طرح رو رہی تھی۔ امی نے دونوں کو گلے لگا لیا اور روتے ہوئے بولیں،

"اپنا خیال رکھنا..."

یہ سن کر ماہم اور مریم بھی خود کو نہ روک سکیں اور امی سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگیں۔

لیکن پھر دونوں نے خود کو سنبھالا، سب سے گلے ملیں اور بھاری دل کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

اور پھر آہستہ آہستہ وہ گاڑی ان کے بچپن، اپنی یادوں اور اپنے گھر سے دور نکل گئی... جبکہ پیچھے کھڑے سب لوگ نم آنکھوں سے گاڑی کو جاتا دیکھتے رہ گئے۔

رخصتی کے بعد ماحول ابھی تک اداسی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بتول اور قدسیہ نے مشکل سے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ دونوں کی نظریں بار بار جاتی ہوئی گاڑیوں پر ٹھہر رہی تھیں۔ دوسری طرف عبدالرحمان بھی سب کے پیچھے کھڑے تھے۔ اُن کی آنکھیں لال ہو چکی تھیں اور آنکھوں میں نمی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی نظریں جھکا کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ آہستہ سے اپنی بہن قدسیہ کے پاس آیا اور بھاری آواز میں بولا،

"میری بہن... اب میری دونوں بیٹیاں تمہارے حوالے ہیں، ان کا بہت خیال رکھنا۔"

قدسیہ نے فوراً اُن کی طرف دیکھا اور نرمی سے بولی،

"ایسی بات کیوں کر رہے ہو؟ کیا وہ صرف تمہاری بیٹیاں ہیں؟ وہ میری بھی بیٹیاں ہیں، تم بے فکر رہو۔"

یہ سن کر عبدالرحمان نے ہلکی سی مسکراہٹ دی، مگر اس کے دل کی اداسی پھر بھی چہرے سے ظاہر ہو رہی

تھی۔

پھر کچھ دیر بعد بتول اور قدسیہ بھی دوسری گاڑی میں بیٹھ گئیں اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر دوسری طرف دلہنوں کی گاڑیاں بھی اپنے نئے گھر کے دروازے تک پہنچ چکی تھیں۔ پورا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ دروازے پر سب لوگ بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی گاڑی رکی تو گھر کی لڑکیاں خوشی سے شور مچاتی ہوئی آگے بڑھیں۔

انہوں نے بڑے شاندار انداز میں دلہنوں کا استقبال کیا۔ ہنسی مذاق اور خوشیوں کا الگ ہی سماں تھا۔ رسموں کے مطابق دلہنوں کو تھوڑا گھما پھرا کر لایا گیا اور سب ان کے ارد گرد جمع تھے۔

پھر ماہم اور مریم کو کچھ دیر کے لیے باہر صوفہ سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ تقریباً دس پندرہ منٹ تک سب لوگ انہیں دیکھتے، ہنستے اور مذاق کرتے رہے۔

آخر کار جب رسمیں ختم ہوئیں تو سب نے مسکراتے ہوئے انہیں آرام کرنے کا کہا، اور پھر دونوں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ اپنے کمروں کی طرف چلی گئیں۔

ان کے قدم نئے گھر میں تو داخل ہو گئے تھے... مگر دل کا ایک حصہ ابھی بھی اپنے پرانے گھر کے آنگن میں رہ گیا تھا۔

دونوں دلہنیں رسموں کے بعد باہر رکھی خوبصورت کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے ارد گرد رنگ برنگی لائٹیں جگمگا رہی تھیں، پھولوں کی خوشبو پورے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی اور ہر طرف خوشیوں کا شور تھا۔ گھر کی عورتیں اور لڑکیاں ان کے گرد جمع تھیں۔ کوئی ان کے کپڑوں کی تعریف کر رہی تھی، کوئی زیورات کو غور سے دیکھ رہی تھی، تو کوئی شرارتی انداز میں ہنسی مذاق کیے جا رہی تھی۔

ماہم خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی، اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں تھکن اور رخصتی کی اداسی اب بھی صاف جھلک رہی تھی۔ وہ کبھی نظریں جھکا لیتی تو کبھی چپکے سے ارد گرد دیکھ لیتی۔ دوسری طرف مریم بھی سر جھکائے بیٹھی تھی، مگر لڑکیوں کی شرارتوں پر کبھی کبھار ہلکا سا مسکرا دیتی۔

گھر کی ایک لڑکی فوراً بولی،

"ارے دیکھو دیکھو! ابھی سے بھابھی اتنی شرما رہی ہیں!"

اتنا سننا تھا کہ سب زور سے ہنسنے لگیں۔ مریم نے فوراً نظریں جھکا لیں جبکہ ماہم نے اسے دیکھ کر ہلکی سی

مسکراہٹ دبالی۔

دوسری لڑکی شرارتی انداز میں بولی،

"ابھی تو صرف شروعات ہے بھابھی، آگے آگے دیکھیں کیا کیا ہوتا ہے!"

پھر ایک اور نے فوراً بات پکڑی،

"ہاں بھئی! آج تو دلہنوں کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑنا!"

پورا ماحول ہنسی سے بھر گیا۔ کوئی جوس لا رہا تھا، کوئی پانی دے رہا تھا، اور کوئی تصویریں لینے میں مصروف تھا۔ وقت گزرتا گیا اور تقریباً دس سے پندرہ منٹ یوں ہی ہنسی مذاق اور رسموں میں گزر گئے۔

پھر گھر کی بڑی عورتوں نے سب کو تھوڑا پیچھے کیا اور نرمی سے بولیں،

"چلو اب دونوں بہت تھک گئی ہوں گی، انہیں آرام کرنے دو۔"

یہ سنتے ہی لڑکیاں ہلکا سا منہ بنا کر پیچھے ہٹ گئیں، مگر جاتے جاتے بھی شرارتی مسکراہٹیں دینا نہیں بھولیں۔

پھر ماہم اور مریم کو آہستہ آہستہ اٹھایا گیا۔ دونوں نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں جیسے پہلے سے تیز ہو رہی تھیں۔ نئے گھر کی خوشی، انجانے رشتوں کا احساس اور اپنے گھر کی یاد... سب ایک ساتھ دل میں چل رہا تھا۔

پھر انہیں ان کے اپنے اپنے کمروں کی طرف لے جایا گیا۔

راستے میں لڑکیاں بھی پیچھے پیچھے چل رہی تھیں، کوئی ہنس رہی تھی، کوئی شرارت سے ایک دوسرے کو کہنیاں مار رہی تھی۔ اور پھر آخرکار دونوں اپنے کمروں کے دروازوں کے سامنے پہنچ گئیں...

جہاں ان کی زندگی کا ایک نیا باب ان کا انتظار کر رہا تھا۔

تقریباً کچھ دیر بعد وہ وقت بھی آ گیا جب ظہیر اور ظرار کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔ گھر کی لڑکیاں اب بھی ہنسی مذاق میں مصروف تھیں۔ بتول بھی شرارتی مسکراہٹ لیے چلتے چلتے ظرار کے کمرے کے باہر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ظہیر زیادہ سنجیدہ اور غصے والے مزاج کا انسان ہے، اس لیے وہ ادھر جانے کے بجائے ظرار والے کمرے کے باہر ہی رک گئی۔

کچھ دیر بعد ظہیر خاموشی سے آیا اور بغیر کسی سے کچھ کہے سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

جبکہ دوسری طرف جیسے ہی ظرار آیا تو دروازے کے باہر کھڑی لڑکیوں نے فوراً راستہ روک لیا۔

ایک لڑکی ہاتھ باندھ کر بولی،

"رک جائیں جناب! ایسے اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

ضرار نے حیرانی سے ان سب کو دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،
"اچھا؟ تو پھر کیا چاہیے آپ لوگوں کو؟"
فوراً ایک لڑکی شرارتی انداز میں بولی،
"ہمیں نیگ چاہیے!"
ظرار نے ہنستے ہوئے پوچھا،
"کتنا؟"
سب نے ایک ساتھ شور مچایا،
"پچاس ہزار!"
ظرار نے فوراً آنکھیں پھیلائیں۔
"پچاس ہزار؟ اتنے میں تو آدھا گھر آجائے!"
یہ سن کر سب ہنسنے لگیں۔
ظرار نے مذاق کرتے ہوئے کہا،
"چلو پانچ ہزار لے لو۔"
یہ سنتے ہی بتول نے فوراً منہ بنالیا۔
"نہیں بھائی! پورے پچاس ہزار چاہیے ہیں، ورنہ آپ یہیں کھڑے رہیں گے۔"
اب لڑکیاں بھی ضد پر اتر آئیں۔ کوئی ہنس رہی تھی، کوئی کہہ رہی تھی،
"آج آسانی سے نہیں چھوڑیں گے!"
یوں تقریباً دس پندرہ منٹ تک زرار باہر ہی کھڑا رہا۔ آخر کار اس نے ہار مانتے ہوئے مسکراتے ہوئے پچاس ہزار نکال دیے۔
"لو بھئی، اب راستہ دو۔"
یہ سنتے ہی سب خوشی سے شور مچانے لگیں اور دروازے سے ہٹ گئیں۔
ضرار مسکراتے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ماہم خاموشی سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ ظرار آہستہ سے اس کے قریب گیا اور ایک خوبصورت سا چھوٹا گفٹ باکس اس کی طرف بڑھادیا۔

ماہم نے حیرانی سے اسے دیکھا اور آہستہ سے کھولا۔
اندر ایک خوبصورت سونے کا چین سیٹ رکھا تھا۔
ماہم نے حیرت سے ضرار کی طرف دیکھا جبکہ اس کے چہرے پر پہلی بار ایک ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔
دوسری طرف ظہیر کمرے میں داخل ہوا تو پورے کمرے میں عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ ہلکی روشنی میں سجا ہوا کمرہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا، مگر اس وقت وہاں کا ماحول بالکل سرد محسوس ہو رہا تھا۔ مریم نظریں جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن نہ جانے کیوں بے حد تیز ہو رہی تھی۔
کچھ لمحوں تک ظہیر خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے گہرا سانس لیا اور مریم کی طرف دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولا،
"مجھے لگتا ہے ایک بات ابھی صاف صاف ہو جانی چاہیے۔"
مریم نے ہلکے سے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
ظہیر کے چہرے پر غصہ اور بےزاری صاف نظر آ رہی تھی۔
"میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔"
یہ الفاظ سن کر مریم جیسے ساکت رہ گئی۔ اسے لگا شاید اس نے غلط سنا ہے۔
مگر زہیر دوبارہ بولا،
"اور صرف یہی نہیں... میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔"
مریم کی آنکھیں بے اختیار پھیل گئیں۔ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے کانپنے لگے۔
ظہیر نے سرد لہجے میں بات جاری رکھی،
"اس لیے مجھ سے کسی امید کی ضرورت نہیں۔ اور یہ سوچنا بھی مت کہ میں کبھی تمہیں پسند کروں گا۔"
مریم کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی مگر وہ خاموش رہی۔
پھر ظہیر غصے سے اس کی طرف دیکھ کر بولا،
"اور ایک بات... یہ سب باتیں گھر میں کسی کو مت بتانا۔ ابھی ہر چیز نئی ہے، اور میں کسی ڈرامے یا مسئلے میں نہیں پڑنا چاہتا۔"
کمرے میں ایک عجیب خاموشی چھا گئی۔
مریم نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ جیسے اس کے گلے میں ہی رک گئے۔ وہ صرف خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اس کی

آنکھوں سے آہستہ آہستہ آنسو بہنے لگے۔

ظہیر نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے دروازہ کھولا اور باہر چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز آئی...

اور اس آواز کے بعد کمرے میں صرف خاموشی رہ گئی۔

مریم اپنے آنسو پونچھنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جو آنسوؤں سے بھی کم نہیں ہوتے۔
اس کی نئی زندگی کی پہلی رات... اس کے تصور سے بالکل مختلف نکلی تھی۔

کچھ درد چیخوں سے نہیں، خاموش آنسوؤں سے پہچانے جاتے ہیں۔

☆☆☆

اگلی صبح کی پہلی کرن آہستہ آہستہ کھڑکی کے باریک پردوں سے ہوتی ہوئی کمرے میں پھیلنے لگی۔ ہلکی سنہری روشنی پورے کمرے میں بکھر گئی تھی۔ باہر پرندوں کی آوازیں آرہی تھیں اور گھر میں بھی آہستہ آہستہ چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ نیچے کچن سے برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں اور پورا گھر آج بھی خوشیوں کے ماحول میں ڈوبا ہوا تھا کیونکہ شام کو ولیمے کی تقریب تھی۔

دوسری طرف ماہم آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ارد گرد ڈالی اور پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اب وہ اپنے گھر میں نہیں بلکہ اپنے نئے گھر میں تھی۔ چند لمحے وہ خاموش بیٹھی رہی۔ رات کے کچھ لمحے اس کے ذہن میں آئے اور پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

ادھر مریم بھی اپنے کمرے میں جاگ چکی تھی، مگر اس کی صبح ماہم جیسی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ رات بھر رونے کی وجہ سے چہرہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھا اور فوراً نظریں جھکا لیں۔

"نہیں... کسی کو کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے..."

اس نے خود سے دھیرے سے کہا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے چہرے پر لکھی اداسی کوئی پڑھ لے۔ اس نے فوراً خود کو سنبھالا، ٹھنڈے پانی سے منہ دھویا اور ہلکی سی مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجانے کی کوشش کی۔

کچھ دیر بعد دونوں تیار ہو کر کمروں سے باہر نکلیں۔

ماہم کے چہرے پر ہلکی خوشی تھی جبکہ مریم نے زبردستی خود کو نارمل ظاہر کیا ہوا تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں باہر آئیں تو سامنے سے بتول ہنستی ہوئی ان کے پاس آئی۔
"اوہ ہو... ہماری نئی نئی دلہنیں جاگ گئی ہیں!"
ماہم ہلکا سا مسکرائی جبکہ مریم نے بھی زبردستی مسکراہٹ دی۔
پھر اچانک بتول نے شرارتی انداز میں مریم کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ایک طرف لے گئی۔
"چلو بھابھی، ایک بات بتاؤ۔"
مریم حیران ہوئی۔
"کیا؟"
بتول فوراً اس کے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگی۔
"یہ بتاؤ... بھائی نے کیا دیا؟ چین؟ انگوٹھی؟ بریسلٹ؟ کچھ تو دیا ہوگا!"
یہ سوال سنتے ہی مریم کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدل گیا۔
رات کے سارے الفاظ اچانک اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔
"میں تمہیں پسند نہیں کرتا..."
"کسی کو کچھ مت بتانا..."
اس کا دل ایک لمحے کے لیے زور سے دھڑکا۔
مگر اگلے ہی لمحے اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔
ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی،
"ہاں... انہوں نے مجھے ایک انگوٹھی دی تھی۔"
بتول فوراً خوش ہوگئی۔
"اوووو... اچھا! پھر تو ہمیں بھی دکھاؤ!"
مریم ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی پھر جلدی سے بولی،
"وہ... کمرے میں رہ گئی۔"
وہ بات بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔
اتنے میں ماہم بھی ان کے پاس آگئی۔
"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

بتول فوراً ہنس دی۔

"کچھ نہیں! بس بھابھی سے راز نکلوائے جا رہے ہیں۔"

مریم نے فوراً بات بدلتے ہوئے کہا،

"چلو چھوڑو، ناشتے پر چلتے ہیں۔"

پھر بتول ہنستی ہوئی بولی،

"ہاں چلو... اور آج تمہیں سب دوستوں سے بھی ملوانا ہے۔"

تینوں ہنستے ہوئے ڈائننگ ہال کی طرف چلنے لگیں۔

نیچے ڈائننگ ہال میں کافی رونق تھی۔

بڑا سا ڈائننگ ٹیبل مختلف قسم کے نشتوں سے بھرا ہوا تھا۔ پراٹھے، آملیٹ، چنے، جوس، چائے، اور نہ جانے کیا کیا رکھا ہوا تھا۔

ادھر عزرا اور میرا ناشتے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

بتول قدسیہ کے پاس ایک طرف بیٹھ گئی اور آپس میں باتیں کرنے لگی،

قدسیہ بولی،

"پتہ ہی نہیں چلا کب بچیاں اتنی بڑی ہو گئیں۔"

بتول نے گہرا سانس لیا۔

"کل تک گھر میں شور مچاتی پھرتی تھیں اور آج دیکھو..."

دونوں دلہنیں دھیرے دھیرے چلتی ہوئی آ رہی تھیں۔

ماہم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

لیکن مریم...

لیکن عذرا بیگم کی نظر فوراً اپنی بیٹی کے چہرے پر جا ٹھہری۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"یہ اتنی خاموش کیوں ہے؟"

اس کے دل میں عجیب سا خیال آیا۔

وہ مسلسل مریم کو دیکھے جا رہی تھی۔

مریم نے فوراً نظریں چرا لیں۔
وہ جانتی تھی اگر ماں نے زیادہ دیر دیکھ لیا تو شاید اس کے چہرے کے پیچھے چھپا درد پڑھ لیں گی۔
پھر سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔
ماحول میں ہنسی مذاق چل رہا تھا۔
کوئی کل کے فنکشن کی باتیں کر رہا تھا، کوئی تصویروں کا ذکر کر رہا تھا۔
مگر مریم بہت کم بول رہی تھی۔
وہ صرف ہلکی سی مسکراہٹ دے دیتی۔
کئی بار ماہم نے بھی اسے دیکھا، مگر وہ سمجھ رہی تھی شاید مریم تھکی ہوئی ہے۔
کچھ دیر بعد ناشتا ختم ہوا۔
ماہم نے قدسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،
"امی، ہم دونوں پارلر جانا چاہتے ہیں۔ شام کو ولیمہ بھی ہے۔"
قدسیہ نے فوراً کہا،
"ہاں ہاں، چلے جاؤ۔"
پھر مسکرا کر بولیں،
"بتول بھی جائے گی، تم دونوں اس کے ساتھ چلی جانا۔"
دونوں نے فوراً سر ہلایا۔
"ٹھیک ہے۔"
پھر وہ جلدی جلدی اوپر گئیں، اپنے بیگ لیے اور نیچے آ گئیں۔
باہر گاڑی پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔
بتول گاڑی میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔
ماہم اور مریم بھی آ کر بیٹھ گئیں۔
گاڑی آہستہ آہستہ گھر سے نکل گئی۔
ماہم پورے راستے خوشی خوشی باہر دیکھ رہی تھی۔
جبکہ مریم کھڑکی سے باہر گزرتے راستوں کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

اور شاید...
وہ باہر کے راستے نہیں بلکہ اپنی قسمت کے بدلتے راستوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔۔۔
"زندگی کے نئے باب ہمیشہ خوشی سے نہیں کھلتے، کچھ باب آنسوؤں سے بھی شروع ہوتے ہیں۔"
دوپہر آہستہ آہستہ شام میں بدلنے لگی تھی۔ آسمان پر ہلکی سنہری روشنی پھیل رہی تھی اور آج کا دن بھی خاص تھا، کیونکہ آج ولیمے کی تقریب تھی۔ گھر میں صبح سے ہی ایک الگ سی بھاگ دوڑ لگی ہوئی تھی۔ ہر کوئی اپنی تیاریوں میں مصروف تھا۔ کہیں کپڑوں کی آوازیں تھیں، کہیں زیورات سنبھالے جا رہے تھے، اور کہیں آئینے کے سامنے آخری بار خود کو دیکھا جا رہا تھا۔
دوسری طرف بتول، مریم اور ماہم پارلر پہنچ چکی تھیں۔
پارلر کے اندر ٹھنڈی ہوا، خوبصورت روشنیاں اور ہلکی ہلکی میوزک کی آواز پورے ماحول کو پر سکون بنا رہی تھی۔ وہاں کئی لڑکیاں اپنی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ بڑے بڑے آئینوں کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے لوگ تیار ہو رہے تھے۔
بتول ہلکے سے مسکرا کر بولی،
"آج تو میری دونوں شہزادیاں سب سے خوبصورت لگنی چاہئیں۔"
ماہم فوراً ہنس پڑی۔
"جیسے کل کم لگ رہی تھیں!"
مگر مریم صرف ہلکی سی مسکراہٹ دے سکی۔
بتول نے ایک لمحے کے لیے اسے غور سے دیکھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ مریم آج بھی کہیں نہ کہیں کھوئی ہوئی ہے، مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔
پھر تینوں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور تیاری شروع ہو گئی۔
کبھی بال بن رہے تھے، کبھی میک اپ ہو رہا تھا، کبھی کوئی جیولری لا رہا تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔
دوسری طرف اقراش اور عبدالرحمان بھی تقریباً تیار ہو چکے تھے۔
اقراش نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے کوٹ کا کالر ٹھیک کیا اور زور سے آواز دی،
"ابو! جلدی کریں، پہلے ہی دیر ہو رہی ہے!"
عبدالرحمان باہر آتے ہوئے بولے،

"بس بھئی آ گیا، اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"
نیچے عزرا اور میرا پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ کر ان دونوں کا انتظار کر رہی تھیں۔
میرا فوراً بولی،
"کتنی دیر لگاتے ہیں آپ لوگ!"
اقراش ہنستے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔
کچھ ہی لمحوں بعد عبد الرحمان بھی آ گئے اور پھر سب لوگ ہال کی طرف روانہ ہو گئے۔
ادھر قدسیہ اکیلی ہی پہلے ہال پہنچ گئی تھی کیونکہ بتول پہلے ہی مریم اور ماہم کے ساتھ پارلر گئی ہوئی تھی۔
ہال کو بہت خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ ہر طرف پھول، روشنیاں اور چمکتی سجاوٹ تھی۔ آہستہ آہستہ مہمان بھی آنا شروع ہو گئے تھے۔
کوئی ایک دوسرے سے مل رہا تھا، کوئی تصویریں بنوا رہا تھا اور ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔
وقت گزرتا گیا...
تقریباً ایک سے دو گھنٹے بعد پارلر میں تینوں کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔
ماہم ہلکے رنگ کے خوبصورت لباس میں بہت پیاری لگ رہی تھی جبکہ مریم آج بھی خاموش حسن کی تصویر بنی ہوئی تھی۔
بتول دونوں کو دیکھ کر چند لمحے خاموش رہی پھر مسکرا کر بولی،
"نظر نہ لگ جائے میری بھابیوں کو۔"
پھر تینوں گاڑی میں بیٹھیں اور ہال کی طرف روانہ ہو گئیں۔
راستے بھر ماہم کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی مسکرا رہی تھی جبکہ مریم خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
گاڑی آہستہ آہستہ ہال کے سامنے آ کر رک گئی۔
جیسے ہی دونوں دلہنیں اندر داخل ہوئیں، سب کی نظریں ایک لمحے کے لیے ان پر رک گئیں۔
کچھ دیر بعد ظہیر اور ظرار بھی آ گئے۔
دونوں جا کر اسٹیج پر بیٹھ گئے جبکہ ماہم اور مریم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئیں۔
تصویریں بن رہی تھیں، لوگ مبارکباد دے رہے تھے، ہنسی مذاق جاری تھا۔
آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا۔

پھر کھانے کا اعلان ہوا۔

سب لوگ آہستہ آہستہ ڈائننگ ایریا کی طرف جانے لگے۔ کوئی کھانے کی تعریف کر رہا تھا، کوئی اپنے رشتے داروں سے باتوں میں مصروف تھا۔

یوں خوشیوں اور مصروفیت کے درمیان ولیمے کی تقریب بھی اپنے اختتام کی طرف بڑھنے لگی۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔

مہمان ایک ایک کر کے واپس جانے لگے۔

کچھ دیر بعد ہال بھی آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔

سب لوگ ایک دوسرے سے مل رہے تھے، دعائیں دے رہے تھے اور پھر اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔

یوں ہنسی، خوشیوں، آنسوؤں، نئی شروعات اور کئی ان کہی باتوں کے ساتھ یہ شادی اپنے اختتام کو پہنچی۔

مگر کچھ کہانیاں شادی پر ختم نہیں ہوتیں...

وہ تو اصل میں شادی کے بعد شروع ہوتی ہیں۔

"ہر کہانی کا خوبصورت حصہ شادی نہیں ہوتی، بعض اوقات اصل امتحان شادی کے بعد شروع ہوتا ہے۔"

☆☆☆

اگلی صبح موسم خوشگوار تھا، ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سڑکوں پر گاڑیوں کی آوازیں اور لوگوں کی ہلکی چہل پہل ماحول کو ایک الگ ہی احساس دے رہی تھیں۔ شہر کے ایک پر سکون سے کیفے کے کونے میں ظہیر اور مناہل آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پر دو کپ گرم چائے کہ رکھے تھے جن سے اٹھتی بھاپ فضا میں گھل رہی تھی، مگر آج نہ چائے کی خوشبو میں وہ لطف تھا اور نہ ہی اس ملاقات میں پہلے جیسی خوشی۔

زہیر خاموشی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں بار بار جھک رہی تھیں۔

چہرے پر ایک عجیب سی اداسی اور شرمندگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بار بار کچھ بولنے کی کوشش کرتا مگر پھر رک جاتا۔ آج پہلی بار اس کے پاس الفاظ کم پڑ گئے تھے۔

دوسری طرف مناہل بھی خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر جا رہی تھیں، جیسے وہ کسی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی ہو۔ پہلے تو وہ زہیر کے سامنے بے شمار باتیں کیا کرتی تھی، ہر چھوٹی بات پر ہنس دیتی تھی، مگر آج اس کی خاموشی بہت کچھ بیان کر رہی تھی۔

چند لمحوں بعد زہیر نے ہمت کر کے کپ اٹھایا اور دھیمی آواز میں بولا،
"مناہل... میں جانتا ہوں میں غلط تھا۔"
مناہل نے آہستہ سے اس کی طرف دیکھا مگر کچھ نہ بولی۔
زہیر نے ایک گہرا سانس لیا اور نظریں جھکا کر بولا،
"میں نے تم سے بہت وعدے کیے تھے... کہا تھا کہ ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گا، تمہیں کبھی اکیلا محسوس نہیں ہونے دوں گا، تمہاری ہر خوشی کا خیال رکھوں گا... لیکن میں اپنے وعدے پورے نہ کر سکا۔"
اس کی آواز میں پچھتاوا صاف محسوس ہو رہا تھا۔
"ہر بار سوچا کہ سب ٹھیک کر دوں گا، ہر بار خود کو موقع دیا... مگر شاید میں دیر کرتا گیا۔"
مناہل نے چائے کے کپ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ دی، مگر وہ مسکراہٹ درد سے بھری ہوئی تھی۔
"ظہیر..." اس نے دھیرے سے کہا۔
ظہیر فوراً اس کی طرف دیکھنے لگا۔
مناہل نے چند لمحے خاموش رہ کر گہرا سانس لیا۔
"تمہیں پتا ہے؟ انسان غلطیوں سے نہیں ٹوٹتا... انسان امید ٹوٹنے سے ٹوٹتا ہے۔"
یہ سن کر زہیر کا دل جیسے بیٹھ سا گیا۔
وہ فوراً بولا،
مناہل، پلیز ایسا مت کہو۔ مجھے ایک موقع اور دے دو میں سب ٹھیک کر دوں گا
مناہل نے آہستہ سے سر جھکا لیا۔
کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے وہ الفاظ کہے جنہیں سننے کا شاید ظہیر نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔
"ظہیر... آج میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"
ظہیر کا دل زور سے دھڑکا۔
"آج میں تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔"
یہ الفاظ سنتے ہی ظہیر کے ہاتھوں کی گرفت کپ پر سخت ہو گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ جیسے ایک دم اڑ گیا۔
"کیا...؟"

اس کی آواز کانپ گئی۔

"مناہل، تم مذاق کر رہی ہو نا؟"

مناہل کی آنکھوں میں نمی آچکی تھی مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں ظہیر، میں تھک گئی ہوں۔ بہت انتظار کیا میں نے... ہر بار خود کو یہی کہہ کر سمجھایا کہ شاید اگلی بار سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر اب مجھ میں ہمت نہیں رہی۔

ظہیر کی آنکھیں بھی بھرنے لگیں۔

"مناہل، ایک بار... صرف ایک بار میری بات سن لو۔"

مگر مناہل نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میز سے ہٹا لیا۔

وہ کرسی سے اٹھی۔

ایک لمحے کے لیے اس نے ظہیر کی طرف دیکھا۔ وہی ظہیر جس کے ساتھ اس نے نہ جانے کتنے خواب دیکھے تھے۔

اور پھر دھیمی آواز میں بولی،

"کبھی کبھی محبت ختم نہیں ہوتی... بس انسان تھک جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر مناہل پلٹی اور آہستہ آہستہ کیفے سے باہر نکل گئی۔

ظہیر وہیں خاموش بیٹھا رہ گیا۔

سامنے رکھی چائے اب ٹھنڈی ہو چکی تھی...

اور شاید اس کے دل کے اندر بھی سب کچھ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

کیفے سے باہر نکلتے ہی دوپہر مزید گہری ہونے لگی تھی۔ سڑک کے کنارے جلتی پیلی روشنیاں ایک عجیب سا اداس منظر بنا رہی تھیں۔ ہوا پہلے سے کچھ زیادہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ مناہل تیز قدموں سے چل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سختی تھی، مگر اس کے دل کے اندر ایک طوفان برپا تھا۔

اس کی آنکھوں میں نمی تھی، لیکن وہ بار بار خود کو سنبھال رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بار رک گئی تو شاید اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکے۔

پیچھے سے اچانک ایک آواز آئی۔

"مناہل... مناہل، رکو!"

یہ ظہیر تھا۔
وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کی سانسیں تیز تھیں، قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اسے اس وقت آس پاس کے لوگوں کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ صرف مناہل کو روکنا چاہتا تھا۔
"مناہل، پلیز ایک بار میری بات سن لو!"
مناہل نے قدم تیز کر دیے، مگر ظہیر بھی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔
آخر چند قدم آگے جا کر مناہل رک گئی۔
اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کیں، ایک گہرا سانس لیا، پھر پلٹ کر ظہیر کی طرف دیکھا۔
"کیا کر رہے ہو تم، ظہیر؟"
اس کی آواز میں ناراضی بھی تھی اور درد بھی۔
"اب اور کتنا تماشہ لگانا ہے؟"
ظہیر چند لمحے خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر بے بسی لکھی ہوئی تھی۔
اس نے دھیرے سے کہا،
"مجھے تماشے کی پرواہ نہیں... مجھے صرف تمہاری پرواہ ہے۔"
مناہل کی نظریں ایک لمحے کے لیے لرزیں مگر اس نے فوراً خود کو مضبوط کر لیا۔
ظہیر اس کے قریب آیا۔
"مناہل، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم چلی گئی تو میں ٹوٹ جاؤں گا۔"
اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
مناہل نے نظریں جھکا لیں۔
وہ اس سے محبت کرتی تھی... شاید بہت زیادہ۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے لیے یہ لمحہ آسان نہیں تھا۔
چند لمحوں بعد ظہیر نے دھیمی آواز میں کہا،
"مجھے ایک موقع دے دو۔"
مناہل خاموش رہی۔
پھر آہستہ سے بولی،
"موقعے صرف مانگنے سے نہیں ملتے، ظہیر۔ کبھی کبھی انہیں اپنے عمل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔"

ظہیر نے بے چینی سے پوچھا،

"تو بتاؤ، کیا کروں؟"

مناہل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اگر تم واقعی اپنی زندگی کے فیصلے کرنا چاہتے ہو، تو پہلے سچائی کے ساتھ کرو۔ کسی اور انسان کو تکلیف دے کر کوئی رشتہ مضبوط نہیں ہوتا۔"

ظہیر خاموش ہو گیا۔

مناہل نے بات جاری رکھی،

"اگر تمہاری زندگی میں کوئی اور انسان شامل ہے، تو اس کے ساتھ انصاف کرو۔ فیصلے صاف اور سچے ہونے چاہئیں۔ کسی کو اذیت دے کر، تڑپا کر یا استعمال کر کے محبت نہیں ملتی۔"

یہ الفاظ سن کر ظہیر کی نظریں جھک گئیں۔

اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا گزرا۔

کچھ لمحے دونوں خاموش کھڑے رہے۔

پھر مناہل نے آہستہ سے کہا،

"میں تم سے محبت کرتی ہوں... لیکن محبت انسان کو غلط بننے کی اجازت نہیں دیتی۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ وہاں سے چلنے لگی۔

اور اس بار ظہیر وہیں کھڑا رہ گیا...

کیونکہ کبھی کبھی انسان کو سب سے مشکل لڑائی اپنے دل کے خلاف لڑنی پڑتی ہے۔

☆☆☆

گھر کے لاونج میں آج کافی سکون تھا۔ عزرا اور عبد الرحمان آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے سامنے چائے رکھی ہوئی تھی اور روزمرہ کی باتوں کے بعد اب گھر کے معاملات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ عزرہ کے چہرے پر آج الگ سی سنجیدگی تھی، جیسے وہ کافی دیر سے کسی بات کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔

عبد الرحمان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا،

"کیا بات ہے عزرہ؟ کافی دیر سے خاموش بیٹھی ہو، لگتا ہے دماغ میں کچھ چل رہا ہے۔"

عزرہ نے چند لمحے سوچتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو آپس میں جوڑا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ہاں... میں واقعی ایک بات سوچ رہی تھی۔"

عبدالرحمان اب پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگے۔

عزرا نے آہستہ سے کہنا شروع کیا،

"میں سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ ہم سب کے لیے ایک اچھا سا پروگرام رکھیں۔ ایسا پروگرام جہاں سب اکٹھے ہوں، ہنسیں، خوش ہوں اور کچھ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں۔"

عبدالرحمان خاموشی سے سنتا رہا۔

عزرہ اب اپنی بات میں مزید دلچسپی سے بولنے لگی،

"دیکھو نا، ماہم اور مریم بھی کافی دنوں سے گھر کے کاموں اور روزمرہ کی چیزوں میں مصروف رہتی ہیں۔ پھر قدسیہ آپا، بتول اور باقی سب بھی اپنی اپنی ذمہ داریوں میں لگے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان کو گھر کے ماحول سے ہٹ کر سب کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔"

عبدالرحمان نے ہلکا سا سر ہلایا۔

عزرہ نے بات جاری رکھی،

"میں چاہتی ہوں ایک ایسا دن ہو جہاں سب لوگ ہمارے گھر آئیں۔ ہم اچھا سا کھانا بنوائیں، سب اپنی پسند کی چیزیں کھائیں، مل کر باتیں کریں، ہنسی مذاق کریں۔ اور سب سے اچھی بات... سب ایک ساتھ بیٹھیں۔"

یہ کہتے ہوئے عزرہ کے چہرے پر خوشی صاف نظر آنے لگی۔

وہ اب پوری طرح اپنے خیال میں کھو چکی تھی۔

"اور سنیں..." اس نے ذرا جوش سے کہا۔

عبدالرحمان ہلکا سا مسکرائے،

"ابھی بات ختم نہیں ہوئی؟"

عزرہ نے فوراً کہا،

"نہیں، اصل بات تو ابھی باقی ہے۔"

عبدالرحمان نے اب پوری دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

عزرہ بولی،

"پروگرام کے بعد میں سوچ رہی ہوں کہ ماہم اور مریم کو دو دن کے لیے یہیں روک لیں۔ آخر کو بچیاں ہیں، ساتھ رہیں گی، خوش رہیں گی، تھوڑا سا ماحول بدلے گا تو ان کا موڈ بھی فریش ہو جائے گا۔"

چند لمحے رک کر وہ پھر بولی،

"میں قدسیہ آپا سے کہہ دوں گی کہ اگر وہ اجازت دے دیں تو دونوں کو دو دن کے لیے ہمارے پاس چھوڑ جائیں۔ آخر بچے جب اپنوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں تو خوش بھی رہتے ہیں۔"

عبد الرحمان نے اس کی بات غور سے سنی۔

پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

"عزرہ، ایک بات کہوں؟"

عزرہ نے فوراً پوچھا،

"کیا؟"

عبد الرحمان ہلکا سا ہنسا۔

"تم جب بھی کوئی پلان بناتی ہو نا، چھوٹا شروع کرتی ہو اور پھر آہستہ آہستہ پورا پروگرام بنا دیتی ہو۔"

عزرہ نے فوراً مصنوعی غصے سے اسے دیکھا۔

"تو کیا مطلب؟ برا خیال ہے؟"

عبد الرحمان فوراً بولا،

"نہیں، بالکل نہیں۔ بلکہ مجھے تو بہت اچھا لگا۔"

پھر اس نے ذرا سنجیدہ ہو کر کہا،

"ویسے بھی کافی عرصے سے سب ایک ساتھ بیٹھے نہیں۔ اگر سب اکٹھے ہوں گے تو گھر میں رونق بھی ہو جائے گی۔"

عزرہ کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ آ گئی۔

"سچ؟ تمہیں اچھا لگا؟"

عبد الرحمان نے سر ہلایا۔

"ہاں، اور کھانے کا انتظام بھی اچھا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر تم نے سب کو بلا لیا تو پھر آدھے لوگ کھانے کے لیے زیادہ خوش ہوں گے۔"

یہ سن کر ازرہ ہنس پڑی۔
"فکر نہ کرو، کھانے میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔"
اب عزرہ کے ذہن میں پورا منظر بننا شروع ہو چکا تھا۔
کون آئے گا، کیا بنے گا، سب کہاں بیٹھیں گے، کون کیا پسند کرتا ہے... وہ ایک ایک چیز دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔
اور عبدالرحمان اسے دیکھ کر صرف مسکرا رہے تھے۔
کیونکہ وہ جانتے تھے،...
عزرہ جب کسی خوشی کا سوچ لیتی تھی، تو پھر اسے خوبصورت بنانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتی تھی۔
گھر کے باہر صحن میں میرا اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ کبھی وہ ہنستی، کبھی دوڑتی اور کبھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ باتیں کرتے کرتے پھر کھیل میں مصروف ہو جاتی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی شرارتیں اور معصوم باتیں سب کو اچھی لگتی تھیں۔

دوسری طرف گھر کے اندر لاونج میں عزرہ اور عبدالرحمان ابھی تک باتوں میں مصروف بیٹھے ہوئے تھے۔
دونوں آرام سے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک باہر سے ایک گھبرائی ہوئی، درد سے بھری آواز سنائی دی۔
"امی۔۔۔!!!"
آواز اتنی تیز اور خوف زدہ تھی کہ عزرہ کا دل ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔
پھر دوبارہ روتی ہوئی آواز آئی،
"امی۔۔۔امی۔۔۔!"
عزرہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"یہ تو میرا کی آواز ہے!"
اس کے چہرے پر پریشانی واضح ہو گئی۔
عبدالرحمان بھی گھبرا کر فوراً ہو گئے۔
دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر ایک لمحہ ضائع کیے تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئے۔
ادھر اقراش حسبِ معمول اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس لیے اسے ابھی کچھ معلوم نہیں تھا۔

عزرہ تقریباً بھاگتے ہوئے باہر پہنچی۔

جیسے ہی اس کی نظر سامنے گئی، اس کے قدم ایک دم رک گئے۔

"یا اللہ!"

اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

میرا زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر درد صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ زور زور سے رو رہی تھی اور بار بار اپنی امی کو پکار رہی تھی۔

"امی... بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔"

اس کی آواز رونے کی وجہ سے ٹوٹ رہی تھی۔

عزرہ فوراً اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئی۔

"میرا! میری بچی! کیا ہوا؟"

اس نے گھبراہٹ میں میرا کو اپنے قریب کیا۔

تبھی اس کی نظر میرا کے ہاتھ پر گئی۔

میرا کا ہاتھ بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔

وہ کھیلتے کھیلتے گر گئی تھی اور گرنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ کسی سخت چیز سے بری طرح لگ گیا تھا۔ ہاتھ پر خراش نہیں بلکہ گہری چوٹ آئی تھی، اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔

عزرہ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔

"عبدالرحمان!"

اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

عبدالرحمان فوراً جھک کر میرا کا ہاتھ دیکھنے لگے۔

میرا درد کی وجہ سے زور زور سے رو رہی تھی۔

"امی... امی مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔"

وہ سسکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔

عزرہ کی آنکھوں میں بھی پریشانی اتر آئی۔

اس نے فوراً میرا کو گلے سے لگا لیا۔

"کچھ نہیں ہوا میری بچی... میں ہوں نا۔"
مگر ایک ماں ہونے کے ناطے وہ خود اندر سے بری طرح گھبرا چکی تھی۔
عبدالرحمان نے فوراً اپنا رومال نکالا اور احتیاط سے میرا کے ہاتھ پر باندھنے لگے تاکہ خون کچھ رکے۔
"عزرہ، جلدی کرو، ہسپتال لے جانا ہوگا۔"
اس کی آواز میں بھی پریشانی تھی۔
میرا اب بھی روتے ہوئے بار بار اپنی امی کو پکڑ رہی تھی۔
"امی مجھے چھوڑنا نہیں..."
عزرہ نے فوراً اس کے آنسو صاف کیے۔
"نہیں میری جان، میں کہیں نہیں جا رہی۔"
میرا نے اپنے ہاتھ سے اپنی امی کے کپڑے مضبوطی سے پکڑ لیے۔
عبدالرحمان نے فوراً میرا کو اٹھایا۔
وہ ابھی بھی درد سے سسک رہی تھی اور اس کا سر عزرہ کے کندھے سے لگا ہوا تھا۔
گھر کا پرسکون ماحول ایک ہی لمحے میں گھبراہٹ میں بدل چکا تھا۔
سب کے چہروں پر پریشانی تھی۔
اور عذرا کے دل میں بس ایک ہی دعا تھی،
"یااللہ، میری بچی کو ٹھیک کر دے۔"

☆☆☆

عزرہ نے موبائل اٹھایا اور کچھ دیر نمبر دیکھتی رہی، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ قدسیہ کا نمبر ملا دیا۔ چند سیکنڈ بعد دوسری طرف سے کال رسیو ہوئی۔
"السلام علیکم!" قدسیہ کی خوشگوار آواز سنائی دی۔
"وعلیکم السلام، کیسی ہو؟" عزرہ نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔
قدسیہ ہلکا سا مسکرائی اور بولی، "الحمدللہ، میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟ آج اچانک کال کیسے کر لی؟"
عزرہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا، "بس سوچا حال چال پوچھ لوں... اور ایک ضروری بات بھی کرنی تھی۔"
قدسیہ اب تھوڑا حیران ہوئی۔ "اچھا؟ کیسی بات؟"

عزرہ نے جان بوجھ کر چند لمحے خاموشی اختیار کی اور پھر بولا، "میں نے کل آپ سب گھر والوں کے لیے دعوت رکھی ہے، اور آپ سب نے لازمی آنا ہے۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔"

قدسیہ چند لمحے خاموش رہی، پھر ہنستے ہوئے بولی، "اچھا جی! اتنی خاص دعوت؟ خیر کی بات ہے نا؟"

عزرہ نے شرارتی انداز میں کہا، "وہ تو آپ کل آؤ گی تو پتہ چل جائے گا۔ ابھی سے سب راز تھوڑی بتا دوں۔"

"اوہ اچھا! اب تو مجھے اور بھی تجسس ہو رہا ہے۔" قدسیہ نے مصنوعی ناراضی ظاہر کرتے ہوئے کہا، "لیکن ایک بات بتائیں، یہ دعوت اچانک کیسے یاد آ گئی؟"

عزرہ نے ہلکے انداز میں جواب دیا، "کبھی کبھی اپنوں کے ساتھ وقت گزارنے کا دل کر جاتا ہے، اس لیے سوچا سب کو اکٹھا کیا جائے۔"

قدسیہ مسکرا دی۔ "یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ ویسے میں سب کو بتا دوں گی اور ہم سب کل آ جائیں گے۔"

"صرف بتانا نہیں، سب کو ساتھ بھی لانا ہے۔ بعد میں یہ نہ ہو کہ کوئی بہانہ بنا دے۔" عزرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جی جناب، حکم کی تعمیل ہو گی۔" قدسیہ نے بھی مزاحیہ انداز میں جواب دیا۔

اس کے بعد دونوں کی باتوں کا رخ عام گپ شپ کی طرف مڑ گیا۔ کبھی وہ پرانی باتیں یاد کرتے، کبھی ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے۔ باتوں باتوں میں وقت کا احساس ہی نہ رہا۔ ہنسی مذاق کا سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔

کافی دیر بعد قدسیہ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور چونک کر بولی، "ارے! اتنا وقت ہو گیا؟ مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔"

عزرہ ہلکی سی ہنسی۔ "باتیں اچھی ہوں تو وقت تیزی سے گزر جاتا ہے۔"

"چلو پھر، اب اجازت دو۔ باقی باتیں کل ملاقات پر ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے، اپنا خیال رکھنا، اور کل سب کے ساتھ آنا مت بھولنا۔"

"جی بالکل۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

کال بند ہوتے ہی دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی، اور اب کل کی دعوت کے انتظار نے ان کے دلوں میں ایک الگ سی بے چینی پیدا کر دی تھی۔

☆☆☆

بتول اور قدسیہ گھر کے پچھلے حصے میں بنے بڑے سے لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ شام کا وقت تھا، ہلکی ہلکی

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور درختوں کے پتے آہستہ آہستہ سرسرا رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں چائے کے کپ تھے، لیکن ان کے چہروں کے تاثرات بتا رہے تھے کہ آج ان کی گفتگو عام باتوں سے کچھ مختلف تھی۔

قدسیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا تاکہ آس پاس کوئی موجود نہ ہو، پھر وہ آہستہ سے بتول کے قریب ہوئی اور دھیمی آواز میں بولی، "دیکھو بتول، اگر ہمیں اپنا کام کامیاب کرنا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔"

بتول نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

قدسیہ کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آئی۔ "مطلب یہ کہ ہمیں مریم کو اتنا کمزور کرنا ہو گا کہ وہ خود ہی سب سے دور ہو جائے۔"

بتول نے فوراً سوال کیا، "لیکن کیسے؟"

قدسیہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اتنی جلدی سب کچھ بتا دوں؟ آہستہ آہستہ سب سمجھ آ جائے گا۔"

اسی دوران ان دونوں کو خبر نہیں تھی کہ پیچھے سے ماہَم آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ادھر آ رہی تھی۔ وہ اصل میں بتول کو ڈھونڈ رہی تھی، مگر جیسے ہی اس کے کانوں میں مریم کا نام پڑا، اس کے قدم اچانک رک گئے۔

ماہَم چند قدم پیچھے درخت کے سائے میں کھڑی ہو گئی۔

اس کے چہرے پر حیرانی چھا گئی۔

وہ خاموشی سے ان کی باتیں سننے لگی۔

قدسیہ پھر بولی، "اگر مریم کو بار بار یہ محسوس کروایا جائے کہ وہ کسی کے لیے اہم نہیں، تو وہ خود ہی ٹوٹ جائے گی۔"

بتول بھی اب سر ہلاتے ہوئے بولی، "ہاں... اور جب انسان اندر سے کمزور ہو جائے تو پھر وہ کچھ نہیں کر پاتا۔"

یہ سب سن کر ماہَم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اب اسے ساری بات سمجھ آنے لگی تھی۔

اس نے دل ہی دل میں کہا،

"تو یہ کھیل چل رہا ہے... مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہے۔ لیکن اب میں تم لوگوں کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"

ماہَم کے چہرے کے تاثرات سخت ہو گئے۔

اس نے آہستہ سے خود سے کہا،

"مریم پہلے ہی بہت پریشان ہے۔ وہ بہت حساس ہے۔ اگر ان لوگوں نے اسے مزید تکلیف دی تو وہ اندر سے بالکل ٹوٹ جائے گی... نہیں، میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

ماہَم نے ایک آخری نظر ان دونوں پر ڈالی اور خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تاکہ انہیں شک نہ ہو۔

دوسری طرف...

مریم ابھی تک اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔

کمرے کی لائٹ مدھم تھی۔ کھڑکی کے پردے ہلکی ہوا سے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

مریم بیڈ کے ایک کونے میں بیٹھی تھی، اس کے گھٹنے سینے سے لگے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

وہ بار بار یہی سوچ رہی تھی،

"آخر سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟"

اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، مگر دل کا بوجھ کم ہونے کے بجائے اور بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا۔ پورا گھر آہستہ آہستہ خاموشی کی چادر اوڑھ رہا تھا۔ کچن سے برتن رکھنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں جبکہ باقی سب لوگ اپنے کمروں کی طرف جا چکے تھے۔ اسی دوران قُدسیہ نے اپنی دونوں بہوؤں، ماہَم اور مریم، کو آواز دی۔

"ماہَم! مریم! ذرا ادھر آؤ بیٹا۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی ہوئی جلدی سے ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئیں۔ قُدسیہ صوفے پر بیٹھی تھیں اور ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

ماہَم نے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا، "جی امی، آپ نے بلایا؟"

قُدسیہ نے محبت سے دونوں کو دیکھا اور بولیں، "کل تم لوگوں کے مائیکے والوں نے دعوت رکھی ہے، اور ہم سب نے وہاں جانا ہے۔ اس لیے تم دونوں اپنے اپنے شوہروں کو بھی بتا دینا تاکہ کل کوئی مسئلہ نہ ہو۔"

یہ سن کر ماہَم کے چہرے پر ہلکی سی خوشی آ گئی۔

"سچ امی؟ بہت اچھا۔ ٹھیک ہے، میں ضرار کو بتا دوں گی۔"

مریم بھی دھیرے سے بولی، "جی امی، میں بھی بتا دو گی۔"

قُدسیہ نے دونوں کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ "چلو اب زیادہ دیر نہ جاگنا۔ کل سب نے جلدی تیار ہونا ہے۔"

دونوں "جی امی" کہہ کر وہاں سے اپنے کمروں کی طرف چلی گئیں۔

ماہم اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ضرار موبائل ہاتھ میں لیے بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔

وہ اس کے قریب آکر آہستہ سے بولی،

"سنیں... ایک بات بتانی تھی۔"

ضرار نے موبائل سے نظر ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا، "ہاں، بتاؤ۔"

ماہم بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"کل ہمارے مائیکے والوں نے دعوت رکھی ہے، امی کہہ رہی تھیں ہم سب جائیں گے۔"

ضرار نے بغیر کسی ناراضی کے سر ہلایا۔

"اچھا؟ تو پھر چلے جائیں گے۔"

ماہم کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

دوسری طرف...

مریم کے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے، مگر نہ جانے کیوں آج اس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔

ظہیر کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

مریم نے دھیرے سے ہمت جمع کی۔

"وہ... مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔"

ظہیر نے بغیر مڑے سخت لہجے میں کہا،

"جلدی بولو۔"

مریم کے ہاتھ بے اختیار ایک دوسرے میں الجھ گئے۔

"کل... ہمارے امی نے ہم سب کے لیے دعوت رکھی ہے۔ امی کہہ رہی تھیں کہ ہم سب—"

مریم ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ ظہیر غصے سے اس کی طرف مڑا۔
"تو؟"
مریم گھبرا گئی۔
"وہ... ہم سب نے جانا ہے—"
"میں نہیں جاؤں گا!"
اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مریم خوف سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔
"لیکن... امی نے—"
"میں نے کہا نا نہیں جاؤں گا!"
ظہیر غصے سے بولا۔
"ہر وقت مائیکہ، مائیکہ! اور کوئی کام نہیں ہے؟"
مریم کی آنکھوں میں آنسو اترنے لگے۔
"میں نے تو صرف—"
لیکن ظہیر کو جیسے سننا ہی نہیں تھا۔
اس نے غصے میں مریم کا بازو زور سے پکڑ لیا۔
مریم درد سے سہم گئی۔
"آئندہ ایسی فضول باتوں کے لیے میرے پاس مت آیا کرو!"
مریم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
وہ کچھ بولنا چاہتی تھی، مگر الفاظ اس کے گلے میں ہی پھنس گئے۔
ظہیر نے غصے سے ہاتھ جھٹکا اور دوسری طرف رخ کر لیا۔
مریم خاموش کھڑی رہی۔
اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو خاموشی سے اس کے دل کا حال سنا رہے تھے۔
کمرے کی خاموشی اب بہت بھاری لگ رہی تھی۔
مریم آہستہ سے زمین پر بیٹھ گئی اور اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔
اور تب اس کے دل میں ایک خیال آیا،

"رشتے آواز سے نہیں، احساس سے چلتے ہیں... کیونکہ سخت الفاظ دل پر وہ زخم چھوڑ جاتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔"

اس رات مریم کے آنسو صرف اس کی آنکھوں سے نہیں، اس کے دل سے بھی بہہ رہے تھے۔

☆☆☆

رات کے تقریباً تین بج رہے تھے۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سڑکیں سنسان تھیں اور ٹھنڈی ہوا درختوں کے پتوں سے ٹکرا کر ایک عجیب سی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی۔ آسمان پر چمکتا چاند بھی جیسے آدھی رات کی اداسی اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔

دوسری طرف اقراش اپنی حد سے زیادہ بگڑ چکا تھا۔ اس نے اتنا نشہ کر لیا تھا کہ اس کی حالت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں، قدم لڑکھڑا رہے تھے، اور اسے ٹھیک سے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

کبھی وہ ایک طرف مڑ جاتا، کبھی دوسری طرف۔ کبھی راستے کے کنارے رک کر دیوار کا سہارا لیتا، اور کبھی خود سے ہی بے ترتیب باتیں کرنے لگتا۔

رات کی خاموش سڑک پر اس کے بے ترتیب قدم اس کی حالت کا حال سنا رہے تھے۔

کافی دیر تک بھٹکنے کے بعد آخر کار اسے اپنا گھر نظر آیا۔

اس نے دھندلی نظروں سے گھر کو دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی۔

"آخر پہنچ ہی گیا..." اس نے آہستہ سے خود سے کہا۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے گیٹ تک آیا اور دروازے پر زور زور سے دستک دینے لگا۔

ٹھک... ٹھک... ٹھک...

رات کی خاموشی میں دستک کی آواز بہت نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔

چند لمحوں بعد سیکیورٹی گارڈ نیند سے بیدار ہوا۔ اس نے جلدی سے گیٹ کھولا، مگر جیسے ہی اس کی نظر اقراش پر پڑی، وہ حیران رہ گیا۔

"صاحب؟ آپ... یہ آپ کی کیا حالت ہے؟"

اقراش صرف ہلکا سا ہنسا اور سیدھا کھڑا رہنے کی کوشش کرنے لگا، مگر اس کے قدم بار بار لڑکھڑا رہے تھے۔

اسی شور کی آواز سن کر اندر سے اس کی امی بھی جلدی جلدی باہر آئیں۔

وہ پریشانی سے دروازے تک پہنچیں، مگر جیسے ہی ان کی نظر اقراش پر پڑی، ان کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔
"یا اللہ!"
ان کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔
"اقراش! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟"
ان کی آنکھوں میں فوراً آنسو اتر آئے۔
ماں کا دل تو ویسے بھی اولاد کے درد سے کانپ اٹھتا ہے۔
شور سن کر اقراش کے ابو بھی جلدی سے باہر آ گئے۔
انہوں نے جیسے ہی اقراش کو دیکھا، ان کے چہرے پر غصے اور تکلیف کے ملے جلے تاثرات آ گئے۔
وہ چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔
ان کی آنکھوں میں صرف غصہ نہیں تھا... ایک باپ کی ٹوٹی ہوئی امیدیں بھی نظر آ رہی تھیں۔
انہوں نے سخت لہجے میں کہا،
"ہم نے تمہیں اس دن کے لیے پالا تھا؟"
اقراش نے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے کی کوشش کی، مگر نظریں جھکا لیں۔
گھر کے دروازے پر ایک عجیب خاموشی چھا گئی۔
اس خاموشی میں ایک ماں کے آنسو، ایک باپ کی تکلیف اور ایک بیٹے کی بگڑتی زندگی سب کچھ چھپا ہوا تھا۔
"انسان کی کچھ غلطیاں صرف اس کی زندگی نہیں بگاڑتیں، بلکہ اس سے جڑے دلوں کو بھی خاموشی سے توڑ دیتی ہیں۔"
اس رات صرف اقراش نہیں لڑکھڑایا تھا... اس کے ماں باپ کے دل بھی اندر سے ہل گئے تھے۔

☆☆☆

باب پنجم:

صبح کے تقریباً گیارہ بج چکے تھے۔ گھر میں ایک عجیب سی ہلچل اور مصروفیت کا ماحول تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔ کوئی کپڑے بدل رہا تھا، کوئی آئینے کے سامنے کھڑا خود کو آخری بار دیکھ رہا تھا، اور کوئی جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ پورے گھر میں باتوں کی آوازیں اور ادھر اُدھر چلنے کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔

دوسری طرف ظہیر بھی تیار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی گھڑی دیکھی اور پھر جلدی سے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی۔ وہ باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر ضرار پر پڑی جو باقی سب کے ساتھ تیار ہونے میں مصروف تھا۔ ظہیر اس کے قریب آیا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

"ضرار، میں آفس جا رہا ہوں۔ ویسے بھی آج میں وہاں نہیں آسکوں گا جہاں تم لوگ جا رہے ہو۔ تھوڑا ضروری کام ہے، اور تمہارا کام بھی میں وہیں سے کر دوں گا۔ تم سب کے ساتھ آرام سے چلے جانا۔"

زرار نے ایک لمحہ اس کی طرف دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے بولا

"اچھا ٹھیک ہے بھائی۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔"

زہیر نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور وہ آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

ادھر گھر کے اندر سب لوگ اپنی تیاری مکمل کر چکے تھے۔ ماہم اور مریم بھی نیچے آ گئے تھے۔ ماہم نے ہلکے رنگ کا خوبصورت سوٹ پہنا ہوا تھا جبکہ مریم ہمیشہ کی طرح کافی خوش اور پُر جوش لگ رہی، تھی سب لوگ ایک ایک کر کے باہر آنے لگے۔

ضرار نے گاڑی کی چابی ہاتھ میں لی اور ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ باقی سب لوگ بھی اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ مریم اور ماہم بھی پیچھے والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی کے اندر ایک ہلکی سی خاموشی تھی مگر ساتھ ہی خوشگوار سا ماحول بھی تھا۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئی تھیں۔ ہنسی مذاق کرتے ہوئے وہ لوگ مریم اور ماہم کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں موسم بھی کافی خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور سڑک کے کنارے لگے درختوں کے پتے ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

آخر کار کافی دیر کے سفر کے بعد وہ لوگ مریم اور ماہم کے گھر پہنچ ہی گئے۔ جیسے ہی گاڑی گھر کے سامنے آ کر

رکی، سب کے چہروں پر ایک الگ سی خوشی آگئی۔ ضرار نے گاڑی بند کی اور سب لوگ ایک ایک کر کے نیچے اترنے لگے۔ گھر کے باہر کا ماحول بہت پُرسکون تھا، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور گھر کے اندر سے باتوں اور ہنسی کی مدھم آوازیں بھی آرہی تھیں۔

جیسے ہی وہ سب گھر کے اندر داخل ہوئے، سامنے موجود سب لوگ خوشی سے ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ایک دوسرے سے ملنا، حال پوچھنا اور ہنسی مذاق شروع ہو گیا۔ گھر کا ماحول چند لمحوں میں مزید خوشگوار ہو چکا تھا۔

اسی دوران عبدالرحمان بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی موجود تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح سب کے درمیان بیٹھے کبھی کسی سے مذاق کرتے اور کبھی کسی کو چھیڑتے۔ اس کی وجہ سے ماحول میں مزید رونق آگئی تھی۔

اتنے میں اچانک اوپر سے دوڑتے ہوئے میرا نیچے آئی۔ جیسے ہی اس نے سب کو دیکھا اس کے چہرے پر فوراً بڑی سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ خوشی سے تقریباً دوڑتے ہوئے آئی اور سید حاسب کے پاس پہنچ گئی۔

"ارے! آپ لوگ آگئے؟" میرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ سب سے ملی، پھر ماہم کے گلے لگی اور ضرار کے پاس جا کر ہنسنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی سب کے ساتھ بیٹھ گئی۔ گھر میں ایک خوبصورت سا فیملی ماحول بن چکا تھا۔ ہر طرف باتیں، ہنسی اور خوشی کا سماں تھا۔

اسی دوران کسی نے بتایا کہ اقراش معمول کے مطابق کچھ دیر پہلے اپنے دوستوں کے پاس گیا ہوا تھا اور شاید ابھی واپس آنے والا ہو گا۔

کچھ ہی لمحوں بعد گھر کے دروازے کی آواز آئی اور اقراش اندر داخل ہوا۔ جیسے ہی اس کی نظر سب پر پڑی، وہ چند سیکنڈ کے لیے وہیں رک گیا اور پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

"اوہ اچھا... سب لوگ آبھی گئے؟"

عبدالرحمان فوراً شرارتی انداز میں بولے،

"نہیں ہم ابھی جانے والے تھے، بس تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

اس کی بات سن کر سب لوگ ہنسنے لگے اور اقراش بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔

کافی دیر تک سب لوگ بیٹھے گپ شپ لگاتے رہے۔ کوئی پرانی باتیں یاد کر رہا تھا، کوئی کسی کا مذاق اڑا رہا تھا، تو کوئی صرف بیٹھ کر سب کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس دوران وقت کا احساس ہوا

پھر کچھ دیر بعد سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر آگئے۔ سب لوگ آرام سے بیٹھ گئے اور کھانا کھانے لگے۔ کھانے

کے دوران بھی ہلکی پھلکی باتیں اور مذاق چلتا رہا۔

لیکن اسی دوران ضرار کی جیب میں موجود فون اچانک بج اٹھا۔

ضرار نے پہلے تو فون کی طرف دیکھا، پھر چند لمحے خاموش رہا۔نہ جانے کیوں اس کے چہرے کے تاثرات اچانک بدلنے لگے۔اس کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔اس نے فون اٹھایا اور بغیر کچھ بولے اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔

یہ دیکھ کر ماہم نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

ضرار سیدھا باہر چلا گیا۔

کچھ لمحوں بعد باہر مکمل خاموشی تھی۔ضرار فون پر بات کر رہا تھا لیکن اس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے کوئی ضروری بات ہو۔

اس نے تھوڑا سننے کے بعد سنجیدہ لہجے میں کہا،

"اوکے... اوکے... میں سمجھ گیا۔ان شاءاللہ آج رات کی فلائٹ میں آجاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کیا اور چند لمحوں کے لیے وہیں خاموش کھڑا آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

ادھر کھانے کی میز پر بیٹھی ماہم مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"آخر اچانک کیا ہوا؟"

چند لمحوں بعد ضرار واپس اندر آیا لیکن اب اس کے چہرے پر پہلے والی ہنسی نہیں تھی۔

ماہم فوراً اس کے قریب آئی اور دھیمی آواز میں بولی،

"کیا ہوا ضرار؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

ضرار نے چند سیکنڈ خاموش رہ کر ایک گہرا سانس لیا۔

پھر وہ بولا،

"مجھے آفس کے سلسلے میں کراچی جانا ہوگا۔شاید ایک دو دن کے لیے۔کچھ ضروری کام آگیا ہے۔رات کی فلائٹ سے نکلنا پڑے گا۔"

یہ سنتے ہی ماہم چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی۔

اس نے ضرار کے چہرے کی طرف دیکھا۔شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ بات کوئی معمولی نہیں بلکہ کچھ اہم ہے تبھی ضرار اچانک پریشان ہوگئے۔

لیکن پھر اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،
"اچھا... آفس کا کام ہے نا... پھر ٹھیک ہے۔ کام تو ضروری ہوتا ہے۔"
ضرار صرف ہلکا سا مسکرا دیا۔
کچھ دیر بعد ماہم آہستہ سے اس کے ساتھ چلنے لگی اور دونوں شور شرابے سے دور سیدھا اوپر کمرے کی طرف چلے گئے۔
نیچے اب بھی سب لوگ ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے، مگر اوپر کمرے میں آ کر ماحول بالکل مختلف ہو چکا تھا۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی ماہم خاموشی سے جا کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔
اور ضرار کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا...
کمرے میں خاموشی تھی۔
اور اس خاموشی کے پیچھے نہ جانے کتنے سوال چھپے ہوئے تھے۔۔۔
کافی دیر تک ہنسی مذاق، گپ شپ اور خوشگوار باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ وقت اتنا اچھا گزر رہا تھا کہ کسی کو احساس ہی نہیں ہوا کہ رات آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی ہے۔ کھڑکیوں سے آتی چاند کی روشنی اب مدھم ہونے لگی تھی
سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ کوئی چائے پی رہا تھا، کوئی اب بھی باتوں میں مصروف تھا، اور کوئی بس مسکراتے ہوئے سب کو دیکھ رہا تھا۔
پھر کچھ دیر بعد واپسی کا ٹائم آ گیا،
ضرار نے گھڑی دیکھی اور آہستہ سے بولا،
"شاید اب ہمیں نکلنا چاہیے، کافی دیر بھی ہو گئی ہے۔"
یہ سنتے ہی سب لوگ آہستہ آہستہ اٹھنے لگے۔ کوئی اپنی چیزیں اٹھا رہا تھا اور کوئی آخری بار ایک دوسرے سے بات کر رہا تھا۔
اسی دوران عذرا بیگم چند لمحوں کے لیے خاموش رہیں، جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہوں۔ پھر انہوں نے دھیرے سے سب کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولیں،
"اگر آپ لوگوں کو برا نہ لگے تو... میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔"
سب نے فوراً ان کی طرف دیکھا۔

قدسیہ مسکراتے ہوئے بولیں،
"ارے بھابھی جی، کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ بتایئے نا۔"
عزرا بیگم نے ماہم اور مریم کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر بولیں،
"میرا دل چاہ رہا تھا کہ میری دونوں بیٹیاں ایک دو دن یہاں رک جائیں۔ کافی عرصے بعد گھر میں رونق ہوئی ہے۔"
یہ سنتے ہی مریم اور ماہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیں۔
قدسیہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئیں، پھر پیار سے بولیں،
"ارے اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے؟ کیوں نہیں رکیں گی؟"
لیکن پھر اچانک وہ ہلکا سا مسکرائیں اور بولیں،
"بس... ہمارا ایک چھوٹا سا دستور ہے۔ ایک وقت میں ایک بہو میکے رہتی ہے، دونوں نہیں۔"
یہ سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔
عزرا بیگم بھی غور سے ان کی بات سننے لگیں۔
قدسیہ نے پھر آہستہ سے بات مکمل کی،
"اور ویسے بھی ضرار کو ضروری کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہے۔ تو میرا خیال ہے ماہم یہاں ایک دو دن رک جائے۔ جب ضرار واپس آجائے گا تو پھر وہ بھی واپس آجائے گی... اور بعد میں مریم آجائے گی۔"
گھر میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔
ماہم نے ایک نظر نیچے کر لی جبکہ مریم خاموشی سے بیٹھی رہی۔
عزرا بیگم نے پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،
"جی ٹھیک ہے، اگر آپ لوگوں کی یہی مرضی ہے تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"
ماحول پھر معمول پر آ گیا۔
کچھ دیر بعد سب لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ کوئی گلے مل رہا تھا، کوئی دعائیں دے رہا تھا، اور کوئی ہنستے ہوئے دوبارہ جلد ملنے کی باتیں کر رہا تھا۔
مریم ماہم کے پاس آئی اور شرارتی انداز میں بولی،
"اب مجھے بھول مت جانا۔"

ماہم ہنس پڑی۔

"بس دو دن کی تو بات ہے۔"

مریم نے منہ بنایا،

"تمہیں دو دن لگ رہے ہیں، مجھے تو دو مہینے لگیں گے۔"

دونوں بہنیں ہنسنے لگیں۔

چند لمحوں بعد سب لوگ باہر نکل آئے۔

گاڑی بھی تیار کھڑی تھی۔

ایک ایک کر کے سب لوگ بیٹھنے لگے۔

ماہم دروازے کے قریب خاموش کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے آہستہ سے سب کو خدا حافظ کہا۔

مریم نے جاتے جاتے دوبارہ اسے گلے لگا لیا۔

اور پھر سب لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

آہستہ آہستہ گاڑی وہاں سے دور جانے لگی۔

ماہم وہیں کھڑی خاموشی سے گاڑی کو جاتا دیکھتی رہی...

یہاں تک کہ گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

اور نہ جانے کیوں، گھر میں اتنے سارے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی اسے اچانک ایک عجیب سی خاموشی محسوس ہونے لگی۔۔۔

☆☆☆

ادھر گھر کے ایک کونے میں قدسیہ اور بتول دونوں بیٹھی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔ کمرے کا دروازہ آدھا بند تھا، اور دونوں کے چہروں پر عجیب سی چالاک مسکراہٹ تھی۔ ان کی نظریں بار بار ایک دوسرے کی طرف اٹھ رہی تھیں، جیسے وہ کوئی نئی سازش سوچ رہی ہوں۔

دوسری طرف مریم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ضرار کراچی جا چکا تھا اور ظہیر بھی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ گھر میں ایک عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

یہی موقع دیکھ کر قدسیہ نے آہستہ آواز میں کہا،

"ویسے بھی ظہیر کو مریم پسند نہیں... اور ابھی ضرار بھی گھر میں نہیں ہے، ماہم بھی اپنے ماں باپ کے گھر ہے۔"

بتول فوراً اس کے قریب آئی اور دھیمی آواز میں بولی،

"تو پھر یہ موقع ہاتھ سے کیوں جانے دیں؟"

قدسیہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"اب ذرا مزہ آئے گا... مریم کو اتنا پریشان کریں گے کہ اس کے لیے یہاں رہنا مشکل ہو جائے۔"

دونوں ہلکے ہلکے ہنسنے لگیں۔

چند لمحوں بعد بتول فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔

"رکو... ابھی آتی ہوں۔"

وہ جلدی جلدی کمرے سے باہر نکلی اور سیدھا مریم کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

ادھر مریم خاموشی سے اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ وہ کھڑکی کے قریب بیٹھی باہر آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سکون تھا۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے

اچانک—

دروازہ زور سے کھلا۔

مریم چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

سامنے بتول کھڑی تھی۔

اس کے چہرے پر غصہ اور لہجے میں سختی تھی۔

وہ کمرے کے اندر آئی اور بہت بدتمیزی سے بولی،

"اوہ میڈم! یہاں آرام سے بیٹھی ہو؟ نیچے آکر کھانا بناؤ۔ کیا ہم تمہارے نوکر ہیں؟"

مریم ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

اس نے حیرانی سے بتول کی طرف دیکھا، مگر کچھ نہیں بولی۔

وہ جانتی تھی کہ جواب دینے سے بات مزید بڑھ سکتی ہے۔

چند لمحوں بعد اس نے آہستہ سے سر ہلایا اور دھیمی آواز میں کہا،

"ٹھیک ہے... میں آرہی ہوں۔"

بتول نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا اور پھر مڑ کر وہاں سے چلی گئی۔

مریم چند لمحے وہیں بیٹھی رہی۔
اس کی آنکھوں میں ہلکی سی اداسی آگئی تھی۔
وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر اس نے ایسا کیا کیا تھا کہ ہر بار اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھا جاتا تھا۔
اس نے ایک گہرا سانس لیا اور خاموشی سے اٹھ گئی۔
کچھ دیر بعد وہ کچن میں موجود تھی۔
وہ خاموشی سے سبزی کاٹ رہی تھی، برتن نکال رہی تھی اور کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔
کچن میں صرف برتنوں کی ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔
لیکن مریم کے دل میں ایک خاموش سوال بار بار آرہا تھا...
آخر کب تک؟۔۔۔
مریم خاموشی سے کچن میں کھڑی کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ اس کے ہاتھ مسلسل کام کر رہے تھے۔ کبھی وہ سبزیاں کاٹتی، کبھی برتن نکالتی، اور کبھی چولہے پر رکھی چیزوں کو دیکھتی۔ پورا کچن ہلکی ہلکی خوشبو سے بھر چکا تھا، مگر اس کے چہرے پر وہ سکون نہیں تھا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔
اس کے ذہن میں اب بھی کچھ دیر پہلے کی باتیں گھوم رہی تھیں۔ بتول کا لہجہ، اس کی بدتمیزی اور وہ عجیب سا رویہ... مریم چاہ کر بھی انہیں نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی۔
اسی سوچ میں گم وہ اوپر والی شیلف سے ایک کانچ کا برتن اتارنے لگی۔
لیکن شاید اس کا دھیان کہیں اور تھا۔
اچانک —
اس کے ہاتھ سے برتن پھسل گیا۔
اور اگلے ہی لمحے —
چھنااااک!
پورے کچن میں کانچ ٹوٹنے کی آواز گونج گئی۔
مریم ایک دم گھبرا گئی۔
اس نے فوراً نیچے دیکھا۔
کانچ کے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"یا اللہ..."

اس کے منہ سے دھیمی آواز نکلی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، باہر سے تیز قدموں کی آواز آنے لگی۔

چند ہی لمحوں بعد قدسیہ غصے سے کچن میں داخل ہوئی۔

اس کے پیچھے بتول بھی کھڑی تھی۔

جیسے ہی قدسیہ کی نظر ٹوٹے ہوئے برتن پر پڑی، اس کا چہرہ غصے سے سخت ہو گیا۔

"یہ کیا کیا تم نے ؟!"

اس کی اونچی آواز سن کر مریم فوراً کھڑی ہو گئی۔

"وہ... میں... غلطی سے—"

لیکن قدسیہ نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"تم سے ایک کام بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا؟ ہر وقت بس مسئلے ہی پیدا کرنے ہوتے ہیں!"

مریم خاموش کھڑی رہی۔

اس نے نظریں نیچے کر لیں۔

بتول نے ایک طنزیہ ہنسی ہنسی اور بازو باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا... میڈم سے کام نہیں ہوتا۔"

یہ سن کر دونوں ہنسنے لگیں۔

مریم کے لیے یہ سب سننا آسان نہیں تھا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی...

مگر پھر خاموش ہو گئی۔

اسے لگتا تھا کہ اگر اس نے کچھ کہا تو بات اور بڑھ جائے گی۔

قدسیہ مسلسل غصے میں بولے جا رہی تھی،

" کبھی یہ توڑ دو، کبھی وہ خراب کر دو۔ آخر کس کام کی ہو تم ؟"

مریم کی آنکھوں میں نمی سی آنے لگی تھی، مگر اس نے فوراً اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کی کمزوری دیکھے۔
کچن میں چند لمحوں کے لیے عجیب سی خاموشی چھا گئی۔
اور پھر مریم نے آہستہ سے جھک کر کانچ کے ٹکڑے سمیٹنے شروع کر دیے...
خاموشی سے...
بغیر کچھ کہے...
جیسے وہ صرف ٹوٹا ہوا برتن نہیں، بلکہ اپنے دل کے بکھرے ہوئے احساسات بھی سمیٹ رہی ہو۔۔۔
مریم خاموشی سے فرش پر جھکی ہوئی کانچ کے ٹکڑے سمیٹ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور چہرہ پہلے سے زیادہ اداس لگ رہا تھا۔ چند لمحے پہلے کی ڈانٹ اب بھی اس کے دل میں چبھ رہی تھی۔ مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔
وہ جانتی تھی کہ بعض اوقات خاموشی ہی سب سے آسان راستہ لگتی ہے۔
کافی دیر بعد اس نے سارے ٹکڑے احتیاط سے سمیٹے، جگہ صاف کی اور پھر دوبارہ کھانا بنانے میں لگ گئی۔
چولہے پر سبزی رکھی ہوئی تھی۔ مریم آہستہ آہستہ چمچ ہلا رہی تھی۔ کچن میں ہلکی ہلکی خوشبو پھیل رہی تھی اور وہ پوری توجہ سے کھانا مکمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
اسی دوران دروازے کے پاس آہستہ قدموں کی آواز آئی۔
مریم نے پلٹ کر دیکھا۔
سامنے بتول کھڑی تھی۔
اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی، لیکن مریم اس پر دھیان نہ دے سکی۔
بتول نے عام سے انداز میں کہا،
"مریم، امی تمہیں بلا رہی ہیں۔"
مریم نے حیرانی سے پوچھا،
"امی؟ ابھی؟"
بتول نے فوراً جواب دیا،
"ہاں، جلدی جاؤ۔ کہہ رہی تھیں ابھی بلاؤ۔"
مریم نے بغیر سوچے چولہے کی طرف دیکھا، چمچ سائیڈ پر رکھا اور بولی،

"اچھا، میں ابھی آتی ہوں۔"
وہ جلدی سے کچن سے نکل گئی۔
جیسے ہی مریم وہاں سے گئی، بتول کے چہرے کی مسکراہٹ فوراً بدل گئی۔
اس نے جلدی سے ادھر اُدھر دیکھا۔
پورا کچن خاموش تھا۔
وہ آہستہ سے چولہے کے قریب گئی۔
پھر اس نے نمک کا ڈبہ اٹھایا۔
اور سبزی میں کافی زیادہ نمک ڈال دیا۔
اس کے بعد اس نے لال مرچ بھی اٹھائی اور معمول سے کہیں زیادہ شامل کر دی۔
چمچ سے جلدی جلدی سبزی ہلائی اور ہلکی آواز میں بولی،
"اب آئے گا مزہ..."
اس کے چہرے پر چالاک سی مسکراہٹ آ گئی۔
چند لمحوں بعد وہ فوراً سیدھی ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
اسی وقت مریم واپس آ گئی۔
وہ کچن میں داخل ہوئی اور حیرانی سے بولی،
"بتول؟ امی کہاں ہیں؟"
بتول فوراً پلٹی اور بناوٹ والے انداز میں بولی،
"ارے... انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ شاید بھول گئی ہوں۔"
مریم چند لمحوں کے لیے حیران ہوئی، لیکن پھر آہستہ سے بولی،
"اچھا..."
اس نے زیادہ کچھ نہیں پوچھا۔
وہ واپس چولہے کے پاس گئی اور دوبارہ کھانا بنانے میں لگ گئی۔
اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کی محنت کے ساتھ کسی نے چپکے سے شرارت نہیں، بلکہ ایک بڑی مشکل کھڑی کر دی ہے۔

اور دوسری طرف بتول خاموشی سے دروازے کے قریب کھڑی ہلکا سا مسکرا رہی تھی...
جیسے وہ کسی اگلے منظر کا انتظار کر رہی ہو۔۔۔

☆☆☆

رات کافی ہو چکی تھی۔ گھر میں آہستہ آہستہ خاموشی پھیلنے لگی تھی۔ باہر ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جبکہ اندر سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

اسی دوران دروازہ کھلا اور ظہیر گھر واپس آ گیا۔

جیسے ہی وہ اندر آیا، سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے ایک نظر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بیٹھتے ہوئے کہا

ضرار کو میں نے بھی اسے کال کی تھی۔ میں نے کہا تھا جلدی روانہ ہو جاؤ تاکہ وہاں جا کر کام ختم کر لے۔ ویسے بھی ایک دو دن میں واپس آ جائے گا۔"

اتنے میں سب لوگ کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھ گئے۔

مریم خاموشی سے سب کا کھانا لگا رہی تھی۔ وہ زیادہ بات نہیں کر رہی تھی، بس اپنا کام کیے جا رہی تھی۔

اتنے میں ظہیر نے کھانے کا ایک نوالہ لیا۔

چند لمحوں کے لیے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

اس نے دوبارہ کھانے کی طرف دیکھا۔

مریم نے فوراً پوچھا،

"کیا ہوا؟"

ظہیر نے کچھ کہنے سے پہلے پانی پیا۔

زہیر کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔

صرف خاموشی اختیار کر لی۔

مریم نے بھی فوراً نظریں جھکا لیں۔

اسے محسوس ہوا جیسے ماحول اچانک بدل گیا ہو۔

کھانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

گھر میں اب مکمل خاموشی تھی۔

ادھر بتول اور قدسیہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی، جیسے وہ کسی بات کا انتظار کر رہی ہوں۔

دوسری طرف مریم کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی اور بار بار سوچ رہی تھی،

"آخر مجھ سے کیا غلطی ہوئی؟"

کچھ دیر بعد ظہیر کمرے میں آیا۔ اس کے چہرے پر ناراضی صاف نظر آ رہی تھی۔

اس نے سخت لہجے میں مریم سے کھانے کے بارے میں سوال کیا۔

مریم ایک دم گھبرا گئی۔

"میں نے... میں نے تو ٹھیک بنایا تھا..." اس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن وہ خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

اسے واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر مسئلہ کیا ہوا۔

بات بڑھنے لگی۔

ظہیر غصے میں تھا اور مریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی،

"میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا..."

کمرے کے باہر بتول اور قدسیہ خاموشی سے کھڑی تھیں۔

دونوں آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں اور اپنے منصوبے کے کامیاب ہونے پر خوش تھیں۔

اور اندر...

مریم بیڈ کے کونے پر بیٹھی خاموشی سے رو رہی تھی۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی صفائی کیسے دے۔

وہ خود بھی حیران تھی، پریشان تھی، اور اندر ہی اندر ٹوٹتی جا رہی تھی۔

اس کے دل میں صرف ایک سوال تھا،

"کیا واقعی ہر غلطی میری ہی ہوتی ہے؟"

رات بہت گہری ہو چکی تھی۔ گھر کی ساری روشنیاں ایک ایک کر کے بند ہو گئی تھیں۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹِک ٹِک کمرے کی خاموش فضا میں سنائی دے رہی تھی۔

لیکن اس خاموشی کے درمیان ایک دل ایسا بھی تھا جو سکون سے بہت دور تھا۔

مریم اپنے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں مسلسل نم تھیں۔ چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی اور دل جیسے بے شمار بوجھوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔

وہ خاموشی سے بیٹھی تھی۔

پھر اس کی آنکھوں سے ایک اور آنسو نکل کر گال پر بہہ گیا۔

اور یہ سلسلہ جاری رہا،

نہ جانے کب اس کے آنسو رُکنے کے بجائے مسلسل بہنے لگے۔

وہ اپنے دونوں گھٹنوں کو سینے سے لگا کر بیٹھی تھی اور آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس کی غلطی کیا تھی۔

وہ بار بار اپنے دل میں یہی سوچ رہی تھی,

"میں نے آخر ایسا کیا کیا ہے؟"

"کیوں ہر بار میرے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے؟"

"آخر میں کب تک سب کچھ برداشت کرتی رہوں گی؟"

رات گزرتی جا رہی تھی...

گھڑی کی سوئیاں بھی آگے بڑھ رہی تھیں...

اور مریم کے آنسو بھی۔

روتے روتے اس کی آنکھیں سوجھ چکی تھیں۔

وہ اتنی تھک چکی تھی، کہ کبھی دیوار سے سر لگا لیتی، کبھی آنکھیں بند کر لیتی۔

اور پھر نہ جانے کب...

روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

لیکن وہ نیند زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

کچھ دیر بعد مریم کی آنکھ دوبارہ کھل گئی۔
کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی۔
اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔
چند لمحوں تک وہ خاموش بیٹھی رہی۔
پھر اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔
رات ابھی باقی تھی۔
آسمان پر چند ستارے مدھم روشنی کے ساتھ چمک رہے تھے۔
مریم نے ایک گہرا سانس لیا۔
پھر آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
وہ خاموش قدموں سے وضو کرنے چلی گئی۔
ٹھنڈا پانی جیسے اس کے چہرے کو چھو رہا تھا، ویسے ہی اس کے بے چین دل کو بھی کچھ سکون ملنے لگا۔
وضو مکمل کرنے کے بعد وہ واپس کمرے میں آئی۔
اس نے جائے نماز نکالی۔
بہت آہستگی سے اسے بچھایا۔
اور پھر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔
کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔
بس مریم کی دھیمی آواز اور اس کی ٹوٹی ہوئی سانسیں محسوس ہو رہی تھیں۔
نماز پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔
سجدے میں جاتے ہی جیسے اس کے دل کا سارا درد آنکھوں کے راستے باہر آنے لگا۔
وہ بہت روئی...
بہت زیادہ۔
لیکن اس بار وہ کسی انسان کے سامنے نہیں رو رہی تھی۔
وہ اپنے رب کے سامنے بیٹھی تھی۔
وہ دھیمی آواز میں دعا مانگ رہی تھی،

"یااللہ... اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف کر دے..."

"یااللہ... میرے دل پر اتنا بوجھ کیوں ہے؟"

"میرے ساتھ ہر بار ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"مجھے ہمت دے... مجھے صبر دے..."

اس کے الفاظ مکمل بھی نہیں ہو پا رہے تھے۔

آنسو بار بار اس کی آواز کو توڑ رہے تھے۔

وہ کافی دیر تک جائے نماز پر بیٹھی دعا کرتی رہی۔

پھر نہ جانے کب...

اس کی آنکھوں پر نیند کا بوجھ بڑھنے لگا۔

وہ وہیں جائے نماز پر بیٹھی بیٹھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اس کی پلکیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔

اسے خود بھی پتا نہ چلا کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

کمرے میں خاموشی تھی۔

اور جائے نماز پر بیٹھی ایک تھکی ہوئی روح آخر کار سکون کی نیند سو چکی تھی۔۔۔

☆☆☆

ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھا اور دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گھر کے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ پورا گھر سکون میں ڈوبا ہوا تھا۔

اوپر اپنے کمرے میں ماہم ابھی تک جاگ رہی تھی۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ نہ جانے کیوں آج اس کا دل بہت بے چین تھا۔ ضرار کراچی گیا ہوا تھا اور گھر میں ویسے ہی عجیب سا ماحول تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

اتنے میں—

ٹھک... ٹھک...

دروازے پر دستک ہوئی۔

ماہم چونک گئی۔

اس نے فوراً گھڑی کی طرف دیکھا۔
آدھی رات گزر چکی تھی۔
اتنی رات کو کون ہو سکتا ہے؟
چند لمحوں کے لیے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
پھر وہ آہستہ آہستہ کمرے سے نکلی اور نیچے کی طرف جانے لگی۔
پورا گھر خاموش تھا۔
اس نے احتیاط سے دروازے کے قریب جا کر دھیمی آواز میں پوچھا:
"کون ہے؟"
باہر سے کوئی واضح جواب نہیں آیا۔
صرف دوبارہ دستک سنائی دی۔
ماہم نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔
جیسے ہی دروازہ کھلا...
وہ ایک دم ساکت رہ گئی۔
سامنے اقراش کھڑا تھا۔
لیکن آج اس کی حالت بالکل مختلف تھی۔
اس کی آنکھیں شدید سرخ تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے، قدم لڑکھڑا رہے تھے اور وہ بمشکل خود کو سنبھال پا رہا تھا۔
ماہم کے چہرے کا رنگ ایک لمحے میں اڑ گیا۔
وہ گھبرا کر بولی،
"اقراش...؟"
اقراش نے بمشکل سر اٹھایا۔
اس کی حالت دیکھ کر ماہم کے دل میں خوف سا بیٹھ گیا۔
وہ چیخنا چاہتی تھی۔
وہ سب کو جگانا چاہتی تھی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں خیال آیا،
"اگر امی ابو اٹھ گئے تو؟"
وہ فوراً خود کو سنبھالنے لگی۔
اس نے دھیمی مگر پریشان آواز میں کہا،
"اقراش... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"
اقراش نے نظریں چرائیں۔
اور مصنوعی انداز میں ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی۔
"میں ٹھیک ہوں... کچھ بھی تو نہیں ہوا۔"
ماہم کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔
"جھوٹ مت بولو... تم ٹھیک نہیں ہو۔"
اقراش نے جیسے بات کو نظرانداز کیا۔
وہ سیدھا اندر آنے لگا لیکن اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔
ماہم فوراً آگے بڑھی اور اسے سنبھال لیا۔
چند لمحوں کے لیے وہ خاموش رہی۔
پھر دھیمی آواز میں بولی،
"اقراش... تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"
اقراش نے کوئی جواب نہیں دیا۔
صرف نظریں دوسری طرف کر لیں۔
ماہم کی آواز مزید اونچی ہو گئی۔
"تمہیں پتا بھی ہے اگر کسی نے تمہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو؟"
اقراش خاموش تھا۔
ماہم نے اسے سہارا دیا اور آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف لے جانے لگی۔
راستے میں وہ بار بار لڑکھڑا رہا تھا۔
ماہم ہر بار اسے سنبھال رہی تھی۔

اس کے دل پر عجیب بوجھ تھا۔
کمرے تک پہنچتے پہنچتے ماہم کے دل میں بے شمار سوال آرہے تھے۔
"میرا بھائی آخر یہ سب کیوں کر رہا ہے؟"
"وہ خود کو کیوں تباہ کر رہا ہے؟"
کمرے میں پہنچ کر اس نے اقراش کو آرام سے بیڈ پر بٹھایا۔
پھر پانی لا کر دیا۔
اقراش خاموشی سے بیٹھا رہا۔
ماہم نے اس کا منہ دھلوایا، اسے سیدھا لیٹنے کا کہا اور کمبل ٹھیک کیا۔
کافی دیر بعد جب وہ مطمئن ہو گئی کہ وہ آرام سے لیٹ گیا ہے، تو آہستہ سے کمرے سے باہر نکل آئی۔
واپس اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم بوجھل ہو رہے تھے۔
کمرے میں آکر وہ خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔
اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔
وہ بس ایک ہی بات سوچ رہی تھی،
"میرا بھائی آخر کس راستے پر جا رہا ہے...؟"
اور یہی سوچتے سوچتے وہ کھڑکی سے باہر اندھیری رات کو دیکھتی رہی۔۔۔

☆☆☆

اگلی صبح سورج کی ہلکی ہلکی روشنی کھڑکی کے پردوں سے چھن کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ باہر پرندوں کی آوازیں ایک نئی صبح کا احساس دلا رہی تھیں۔ گھر کے باقی لوگ ابھی آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے، مگر گھر کے ایک کمرے میں رات کی اداسی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔
مریم نے پوری رات بے چینی میں گزاری۔
روتے روتے، دعا کرتے کرتے اور اپنے رب سے دل کی باتیں کرتے کرتے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔
وہ ابھی بھی جائے نماز پر بیٹھی تھی۔
اس کا سر دیوار کے ساتھ ٹکا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اس کے چہرے پر تھکن صاف دکھائی دے رہی تھی۔
اسی دوران زہیر اُٹھ گیا۔
پہلے تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر اس کی نظر مریم پر جا کر رک گئی۔
وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔
اس کے ذہن میں نہ جانے کیا آیا کہ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔
وہ آگے بڑھا اور سخت لہجے میں بولا،
"یہ کیا ہے؟"
مریم ہڑبڑا کر چونکی اور فوراً آنکھیں کھول دیں۔
وہ ابھی پوری طرح جاگی بھی نہیں تھی۔
"ج...جی؟"
ظہیر ناراضی سے بولا،
"ساری رات جاگتی رہو گی؟ اور پھر یہ سب کیا؟"
مریم فوراً گھبرا گئی۔
وہ جلدی سے کھڑی ہوئی اور پریشان لہجے میں بولی،
"نہیں... ایسی کوئی بات نہیں ہے..."
اس کی آواز کمزور تھی۔
وہ ابھی تک پوری طرح سنبھل نہیں پائی تھی۔
"میں نے کسی کے لیے کچھ غلط نہیں سوچا..."
اس کی آنکھوں میں پھر نمی اترنے لگی۔
مریم کی باتوں میں صرف گھبراہٹ تھی، کوئی شکایت نہیں۔
لیکن ظہیر بہت غصے میں تھا اور اس وقت اس نے مریم کی بات پوری توجہ سے سنی ہی نہیں۔
اسی شور کی آواز سن کر باہر سے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔
چند لمحوں بعد بتول اور قدسیہ بھی وہاں آ گئیں۔
جیسے ہی وہ اندر آئیں، انہوں نے حیران بننے کی کوشش کی۔

بتول فوراً بولی،
"ارے کیا ہوا؟ صبح صبح کیا بات ہو گئی؟"
قدسیہ بھی پریشان ہونے کا ڈراما کرتے ہوئے آگے بڑھی۔
"کیا ہوا ظہیر؟"
ظہیر نے ناراضی سے کہا،
"دیکھیں نا... یہ عجیب حرکتیں کر رہی ہے۔"
مریم فوراً بے بسی سے بولی،
"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں... آپ لوگ غلط سمجھ رہے ہیں..."
اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
وہ مسلسل اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔
لیکن دوسری طرف بتول اور قدسیہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموشی سے مسکرا رہی تھیں۔
مریم ابھی بھی یہی سوچ رہی تھی کہ شاید وہ اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔
مگر حقیقت کچھ اور تھی۔
کمرے کا ماحول بوجھل ہو چکا تھا۔
مریم کی آواز کانپ رہی تھی۔
"براہِ کرم... میری بات سن لیں..."
پھر اچانک باتوں کے دوران ایک لفظ سن کر مریم کا دل جیسے رک گیا۔
طلاق۔
مریم چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی۔
اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
وہ فوراً گھبرا کر بولی،
"نہیں... پلیز... ایسا مت کہیے..."
اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
"میں سب کچھ کر لوں گی... ہر بات مانوں گی... لیکن ایسا مت کہیے..."

اس کی آواز میں خوف تھا۔
بے بسی تھی۔
اور ایک ٹوٹتے ہوئے دل کی لرزش تھی۔
کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔
پھر ظہیر نے گہرا سانس لیا اور ہاتھ کے اشارے سے بات ختم کرتے ہوئے بولا،
"بس۔ جاؤ... ہمارے لیے ناشتہ بنا دو۔"
مریم نے فوراً نظریں نیچے کر لیں۔
اس نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کیے۔
اور دھیرے دھیرے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
کچن میں پہنچ کر اس نے خاموشی سے برتن نکالنے شروع کیے۔
چولہا جلایا۔
چائے رکھی۔
اور ناشتے کی تیاری کرنے لگی۔
اس کے ہاتھ مسلسل کام کر رہے تھے...
مگر اس کا دل کہیں اور تھا۔
آج صبح سورج تو نکل آیا تھا...
لیکن مریم کی زندگی میں ابھی بھی اندھیرا باقی تھا۔۔۔
مریم خاموش قدموں سے کچن میں آ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی ہلکی سرخ تھیں، مگر اس نے اپنے چہرے پر پھیلی اداسی کو چھپانے کی کوشش کی۔ اس نے آستین سے آنکھوں کے کنارے صاف کیے اور گہرا سانس لے کر خود کو سنبھالا۔
کچن میں ہر طرف خاموشی تھی۔
وہ آہستہ آہستہ ناشتے کی تیاری کرنے لگی۔
چائے چولہے پر رکھ دی۔
پھر پراٹھے بنانے شروع کیے۔

برتن نکالے۔
پلیٹیں سجائیں۔
ہر کام وہ خاموشی سے کر رہی تھی۔
اس کے ہاتھ کام میں مصروف تھے، لیکن اس کا دل ابھی بھی صبح کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔
وہ بار بار یہی سوچ رہی تھی،
"آخر مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی...؟"
لیکن پھر اس نے سر ہلایا اور خود کو دوبارہ کام میں مصروف کر لیا۔
کافی دیر کی محنت کے بعد ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔
مریم نے سب کچھ احتیاط سے ٹرے میں رکھا اور پھر ڈائننگ ٹیبل کی طرف لے آئی۔
آہستہ آہستہ سب لوگ بھی آکر بیٹھنے لگے۔
بتول اور قدسیہ پہلے ہی آچکی تھیں۔
ماہم بھی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی۔
کچھ لمحوں بعد زہیر بھی آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔
مریم نے خاموشی سے سب کے سامنے ناشتہ رکھا۔
چائے رکھی۔
پلیٹیں رکھیں۔
اور پھر آخر میں خود بھی ایک کونے میں آکر بیٹھنے لگی۔
لیکن جیسے ہی وہ بیٹھنے لگی—
ظہیر کی آواز اچانک سنائی دی۔
"رکو۔"
مریم کے قدم وہیں رک گئے۔
اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔
ڈائننگ ہال میں اچانک خاموشی چھا گئی۔
سب کی نظریں ایک لمحے کے لیے ظہیر کی طرف چلی گئیں۔

ظہیر نے سرد لہجے میں مریم کی طرف دیکھا۔
پھر ایک پلیٹ اٹھائی۔
اور اسے نیچے فرش کے قریب رکھ دیا۔
اس کے بعد سخت لہجے میں بولا،
"تم وہاں بیٹھو۔"
مریم چند لمحوں کے لیے خاموش کھڑی رہ گئی۔
اسے جیسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ اس نے صحیح سنا بھی ہے یا نہیں۔
اس کی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی۔
"جی...؟"
اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔
زہیر نے دوبارہ بے رخی سے کہا،
"ہمارے ساتھ اوپر بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا ناشتہ وہاں بیٹھ کر کر لو۔"
یہ سنتے ہی مریم کے ہاتھ ہلکے سے کانپ گئے۔
اتنی خاموشی کہ گھڑی کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔
بتول نے بے اختیار مریم کی طرف دیکھا۔
اس کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔
لیکن وہ کچھ بول نہ سکی۔
دوسری طرف بتول اور قدسیہ خاموش بیٹھی تھیں۔
مریم نے ایک نظر سب کی طرف دیکھا۔
پھر نظریں جھکا لیں۔
اس نے کوئی بحث نہیں کی۔
کوئی سوال نہیں کیا۔
وہ صرف آہستہ سے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔
اس کے ہاتھ اپنی گود میں رکھے ہوئے تھے۔

چہرہ جھکا ہوا تھا۔
اور آنکھوں میں نمی پھر سے اترنے لگی تھی۔
وہ ناشتے کی پلیٹ کو دیکھ رہی تھی...
مگر شاید اس وقت اسے بھوک بالکل نہیں تھی۔
کبھی کبھی انسان کو روٹی کی بھوک نہیں ہوتی...
صرف عزت اور محبت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔
اور آج مریم خاموشی سے یہی کمی محسوس کر رہی تھی۔۔۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا۔ گھر میں ایک عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی ٹی وی دیکھ رہا تھا، کوئی کمرے میں آرام کر رہا تھا، اور کوئی بس وقت گزار رہا تھا۔
ادھر ماہم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے پاس ہلکی دھوپ آرہی تھی اور ٹھنڈی ہوا پردوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔
ماہم کافی دیر سے اپنے فون کو دیکھ رہی تھی۔
اسے انتظار تھا۔
اور پھر اچانک —
فون کی اسکرین روشن ہوئی۔
ضرار کا نام دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
اس نے فوراً کال اٹھائی۔
"السلام علیکم۔"
دوسری طرف سے ضرار کی آواز آئی،
"وعلیکم السلام۔ کیا کر رہی ہو؟"
ماہم ہلکا سا مسکرائی۔
"کچھ نہیں... بس ایسے ہی بیٹھی تھی۔"
چند لمحوں تک دونوں ایک دوسرے سے عام باتیں کرتے رہے۔ ضرار کراچی کے کام کے بارے میں بتا رہا تھا

اور ماہم گھر کے حالات کے بارے میں۔

کافی دیر باتیں کرنے کے بعد اچانک ضرار چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

اس کی آواز اب پہلے سے ذرا سنجیدہ لگ رہی تھی۔

"ماہم... ایک بات کہنی تھی۔"

ماہم فوراً خاموش ہو گئی۔

"جی؟ کیا ہوا؟"

ضرار نے گہرا سانس لیا۔

پھر آہستہ سے بولا،

"سوری... شاید مجھے ایک ہفتہ اور یہاں رکنا پڑے گا۔"

ماہم کے چہرے کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ مدھم پڑ گئی۔

"ایک ہفتہ؟"

ضرار نے نرمی سے کہا،

"ہاں... یہاں کام بہت زیادہ نکل آیا ہے۔ میں نے سوچا تھا جلد واپس آ جاؤں گا، لیکن ابھی کافی چیزیں باقی ہیں۔"

ماہم خاموشی سے سنتی رہی۔

ضرار بولا،

"اس لیے تم ابھی وہیں رہو۔ جب میں واپس آؤں گا تب تم بھی آ جانا۔"

پھر وہ ہلکے سے ہنسا اور بولا،

"ویسے بھی ابھی ہمارے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ وہاں جا کر تم پھر سب کے کاموں میں لگ جاؤ گی۔"

ماہم بے اختیار مسکرا دی۔

ضرار نے مزید کہا،

"اور اگر ممی کچھ کہیں تو انہیں بول دینا میں نے کہا ہے۔"

ماہم نے دھیمی آواز میں کہا،

"ٹھیک ہے۔"

چند لمحوں کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔
لیکن یہ خاموشی عجیب نہیں تھی۔
یہ وہ خاموشی تھی جس میں اپنائیت چھپی ہوتی ہے۔
پھر ضرار ہلکے شرارتی انداز میں بولا،
"ویسے... اتنی آسانی سے مان گئی؟"
ماہم ہنس پڑی۔
"تو اور کیا کرتی؟"
ضرار فوراً بولا،
"مجھے لگا تم کہو گی، نہیں نہیں فوراً واپس آؤ۔"
ماہم ہنستے ہوئے کہنے لگی،
"جی نہیں، اتنی بھی ضدی نہیں ہوں۔"
دونوں ہنسنے لگے۔
کافی دیر تک آگے پیچھے کی باتیں کرتے رہے،
کبھی پرانی باتیں...
کبھی مذاق...
کبھی ایک دوسرے کو چھیڑنا...
وقت جیسے تیزی سے گزر رہا تھا۔
پھر آخر میں ضرار آہستہ سے بولا،
"اپنا خیال رکھنا۔"
ماہم کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ آ گئی۔
"آپ بھی۔"
اور پھر چند لمحوں بعد دونوں نے فون بند کر دیا۔
کال ختم ہو گئی تھی...
لیکن دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ ابھی بھی باقی تھی۔۔۔

دوپہر آہستہ آہستہ شام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ موسم خوشگوار تھا۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور سورج کی نرم کرنیں گھر کے لان میں بکھری ہوئی تھیں۔ گھر کا ماحول آج کافی پُرسکون لگ رہا تھا۔

میرا کی دوستیں بھی آچکی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح گھر میں ان کے آنے سے ایک الگ ہی رونق آگئی تھی۔ باہر لان میں سب بچیاں مل کر کھیل رہی تھیں۔ کبھی کوئی بھاگ رہی تھی، کبھی کوئی ہنس رہی تھی، اور کبھی سب مل کر کسی بات پر زور زور سے قہقہے لگا رہی تھیں۔

میرا تو ہمیشہ کی طرح سب سے زیادہ شرارتوں میں آگے تھی۔

کبھی وہ اپنی دوستوں کے پیچھے دوڑتی، تو کبھی خود ہنستے ہوئے بھاگ جاتی۔

اس کی ہنسی کی آواز پورے لان میں گونج رہی تھی۔

دوسری طرف اقراش ابھی تک اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ شاید رات کی تھکن یا بے جا نشا کرنے کی وجہ سے اس کی آنکھ ابھی تک نہیں کھلی تھی۔

ادھر گھر کے لان میں عزرا اور عبد الرحمان دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔

دونوں آرام سے باتیں کر رہے تھے۔

عبد الرحمان کبھی کوئی بات کرتے تو عزرا ہنس پڑتیں۔

کافی دیر تک دونوں مختلف باتیں کرتے رہے۔

اتنے میں عبد الرحمان کی نظر اپنی گھڑی پر پڑی۔

اس کے چہرے کے تاثرات فوراً بدلے۔

وہ چونکتے ہوئے بولا،

"اوہ نہیں... مجھے تو آفس کا کام یاد ہی نہیں رہا!"

عزرا نے حیرانی سے پوچھا،

"کیا ہوا؟"

عبد الرحمان جلدی سے اٹھتے ہوئے بولے،

"ایک ضروری کام تھا، مجھے ابھی جانا ہو گا۔"

عزرا نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، اپنا خیال رکھنا۔"

عبد الرحمان نے جاتے جاتے ہلکے انداز میں کہا،
"زیادہ یاد مت کرنا۔"
عزرا فوراً مصنوعی غصے سے بولیں،
"جایئے یہاں سے!"
دونوں ہنس پڑے۔
چند لمحوں بعد عبد الرحمان گاڑی لے کر آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔
اس کے جانے کے بعد عزرا کچھ دیر وہیں بیٹھی رہیں۔
پھر آہستہ آہستہ اٹھ کر ماہم کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔
کمرے میں ماہم خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔
شاید وہ کچھ سوچ رہی تھی۔
عزرا اندر آئیں اور مسکراتے ہوئے بولیں،
"چلو باہر چلتے ہیں۔"
ماہم نے سر اٹھایا۔
"کہاں؟"
عزرا نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،
"بس...لان میں۔"
ماہم بھی اٹھ گئی اور دونوں آہستہ آہستہ باہر آ گئیں۔
لان میں آ کر دونوں ایک طرف بیٹھ گئیں۔
ان کے سامنے میرا اور اس کی دوستیں کھیل رہی تھیں۔
کبھی وہ دوڑتی تھیں...
کبھی ہنستی تھیں...
اور کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاتی تھیں۔
میرا کی ہنسی سن کر ماہم کے چہرے پر کافی دنوں بعد دل سے مسکراہٹ آئی۔
عزرا نے اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولیں،

"دیکھا؟ بچے کتنی آسانی سے خوش ہو جاتے ہیں۔"
ماہم خاموشی سے مسکرا دی۔
چند لمحوں تک دونوں بس بیٹھ کر بچوں کو دیکھتی رہیں۔
ہلکی ہوا ان کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی۔
اور کافی دنوں بعد ماہم کے دل کو بھی تھوڑا سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔۔۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ گھر میں عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر دھوپ مدھم صحن میں پھیلی ہوئی تھی، لیکن اندر کا ماحول پر سکون اور ساکت تھا۔ دور کہیں پنکھے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی۔
مریم ابھی کچھ دیر پہلے عصر کی نماز ادا کر چکی تھی۔
نماز کے بعد اس نے آہستگی سے جائے نماز تہہ نہیں کی بلکہ وہیں ایک طرف بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے کھلا ہوا قرآنِ پاک رکھا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے تلاوت کر رہی تھی۔
اس کی آواز بہت مدھم تھی۔
اتنی مدھم کہ جیسے صرف وہ اور اس کا رب ہی سن رہے ہوں۔
ہر آیت کے ساتھ اس کا دل جیسے کچھ سکون محسوس کر رہا تھا۔
کافی دنوں بعد شاید یہ چند لمحے ایسے تھے جن میں اس کے دل کو تھوڑا آرام ملا تھا۔
کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔
باہر کی دنیا جیسے اس لمحے بہت دور لگ رہی تھی۔
وہ پوری توجہ سے تلاوت میں مصروف تھی کہ اچانک —
ٹھک!
دروازہ زور سے کھلا۔
کمرے کی خاموش فضا ایک دم ٹوٹ گئی۔
مریم چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔
سامنے بتول اور قدسیہ کھڑی تھیں۔
دونوں کے چہروں پر سختی تھی۔

بتول نے کمرے میں نظر دوڑائی، پھر طنزیہ انداز میں بولی،
"اوہ ماہرانی... یہاں آرام سے بیٹھی ہو؟"
قدسیہ نے بازو باندھتے ہوئے کہا،
"بس ہر وقت کمرے میں ہی گھسی رہنا ہے؟"
مریم خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔
اس نے کچھ نہیں کہا۔
بتول نے دوبارہ سخت لہجے میں کہا،
"باہر نکلو اور جا کر گھر صاف کرو۔"
"ہر وقت صرف اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی ہو۔"
کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
مریم کی نظریں آہستہ سے کھلے ہوئے قرآنِ پاک کی طرف گئیں۔
پھر اس نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔
کوئی بحث نہیں کی۔
کوئی شکایت نہیں کی۔
اس نے آہستہ سے قرآنِ پاک بند کیا۔
بہت احتیاط سے اسے ایک طرف رکھا۔
پھر جائے نماز سمیٹی۔
اور خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
بتول اور قدسیہ مڑ کر باہر نکل گئیں۔
اور مریم...
وہ بھی ان کے پیچھے آہستہ آہستہ چلنے لگی۔
گھر کے باہر آکر اس نے صفائی شروع کر دی۔
وہ کبھی میز صاف کرتی...

کبھی چیزیں ترتیب سے رکھتی...
کبھی فرش صاف کرتی...
پورا گھر خاموش تھا۔
صرف جھاڑو کی ہلکی آواز سنائی دے رہی تھی۔
اور اس خاموشی کے بیچ ایک دل پھر خاموشی سے سب برداشت کر رہا تھا۔
مریم کے چہرے پر نہ غصہ تھا...
نہ شکایت...
بس ایک عجیب سی تھکن تھی۔
اور شاید یہ تھکن صرف جسم کی نہیں...
دل کی بھی تھی۔۔۔

☆☆☆

رات آہستہ آہستہ اپنی تاریکی پورے گھر پر پھیلا رہی تھی۔گھر کے باہر ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جبکہ اندر ہر طرف خاموشی اور معمول کی مصروفیت تھی۔کچن کی روشنیاں جل رہی تھیں، اور وہاں مریم خاموشی سے کھڑی رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔

وہ چپ چاپ اپنے کام کر رہی تھی۔
کبھی سبزی چیک کرتی...
کبھی روٹیاں بناتی...
کبھی برتن نکالتی...
اس کے ہاتھ مسلسل کام میں مصروف تھے، مگر دل کہیں اور تھا۔
آج بھی پورا دن اس نے خاموشی سے گزارا تھا۔
بغیر شکایت...
بغیر کسی سے کچھ کہے...
وقت گزرتا گیا اور آخر کار کھانا تیار ہو گیا۔
مریم نے آہستگی سے سب کچھ ٹرے میں رکھا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف لے جانے لگی۔

اسی دوران ظہیر بھی واپس آ چکا تھا۔
وہ آ کر سیدھا کرسی پر بیٹھ گیا اور تھکے ہوئے انداز میں بولا،
"کھانا لے آؤ۔"
کچھ ہی دیر میں بتول اور قدسیہ بھی آ گئیں اور سب لوگ ایک ایک کر کے میز کے گرد بیٹھ گئے۔
مریم خاموشی سے سب کے لیے کھانا لگا رہی تھی۔
پہلے پانی رکھا...
پھر پلیٹیں...
پھر سالن...
وہ ہر ایک کا خیال رکھ رہی تھی۔
لیکن کسی نے ایک بار بھی اس سے نہیں پوچھا کہ وہ کیسی ہے۔
کچھ دیر بعد سب لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔
ڈائننگ روم میں صرف برتنوں کی ہلکی آوازیں اور کبھی کبھار چھوٹی موٹی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔
مریم خاموشی سے ایک طرف بیٹھی تھی۔
جیسے ہمیشہ کی طرح وہ موجود بھی تھی...
اور نہیں بھی۔
وقت گزرتا گیا۔
پھر ایک ایک کر کے سب لوگ کھانا ختم کر کے اٹھنے لگے۔
بتول اور قدسیہ بھی اپنے کمروں میں چلی گئیں۔
گھر میں دوبارہ خاموشی پھیلنے لگی۔
ادھر ظہیر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
مریم بھی خاموشی سے اس کے پیچھے آ گئی۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی ظہیر بیڈ پر بیٹھ گیا اور موبائل استعمال کرنے لگا۔
مریم چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔
پھر ہمت کر کے آہستہ سے بولی:،

"اگر آپ چاہیں تو... میں آپ کے لیے چائے یا دودھ لے آؤں؟"
ظہیر نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔
اس کے چہرے پر ناراضی اب بھی باقی تھی۔
اس نے سرد لہجے میں کہا،
"نہیں چاہیے۔"
پھر دوبارہ موبائل کی طرف دیکھنے لگا۔
مریم خاموش ہو گئی۔
اس نے دھیرے سے "ٹھیک ہے" کہا اور ایک طرف بیٹھ گئی۔
کمرے میں عجیب سی خاموشی تھی۔
وقت گزرتا رہا۔
کچھ دیر بعد ظہیر نے موبائل ایک طرف رکھا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔
چند ہی لمحوں میں کمرہ پھر مکمل خاموش ہو گیا۔
لیکن اس خاموشی میں ایک دل ابھی بھی جاگ رہا تھا۔
مریم آہستہ سے اٹھی۔
اس نے کمرے کے ایک کونے میں جا کر جائے نماز بچھائی۔
اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔
اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔
مگر آج وہ صرف رو نہیں رہی تھی...
آج وہ اپنے دل کے سوال اپنے رب کے سامنے رکھ رہی تھی۔
اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔
پھر دھیمی آواز میں بولی،
"یا اللہ..."
اس کی آواز لرز گئی۔
چند آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

"یااللہ... میں اتنی بے بس کیوں ہوں؟"

خاموشی۔

"میں ہر بار خاموش کیوں رہ جاتی ہوں؟"

اس کی آواز مزید بھر گئی۔

"یااللہ... اگر میں کمزور ہوں... تو مجھے ہمت دے۔"

"اگر میں ٹوٹ رہی ہوں... تو مجھے سنبھال لے۔"

"تو میرے دل کو سکون دے۔"

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

اس کے آنسو ایک ایک کر کے جائے نماز پر گرتے جا رہے تھے۔

کمرے میں سب سو چکے تھے۔

مگر اس رات...

ایک لڑکی اپنے رب سے صرف ایک چیز مانگ رہی تھی،

سکون۔

اور شاید...

تھوڑی سی امید۔۔۔

☆☆☆

دن گزرتے جا رہے تھے...

لیکن مریم کی زندگی جیسے ایک ہی جگہ ٹھہر گئی تھی۔

اب وہ پہلے والی مریم نہیں رہی تھی۔

وہ مریم جو کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر مسکرا دیا کرتی تھی، جو سب کے ساتھ ہنس لیتی تھی، جو دل میں امیدیں رکھتی تھی...

وہ کہیں کھو گئی تھی۔

اب اس کے چہرے پر خاموشی زیادہ تھی اور مسکراہٹ بہت کم۔

اور شاید سب سے زیادہ فرق اس کے دل میں آیا تھا۔

کیونکہ مریم اب آہستہ آہستہ اندر سے ٹوٹنے لگی تھی۔
بہت زیادہ۔
اتنا کہ اب وہ اپنے درد کی شکایت بھی نہیں کرتی تھی۔
ہر نئی صبح اس کے لیے ایک جیسی ہوتی۔
وہ گھر کے سب لوگوں کے اٹھنے سے بھی پہلے جاگ جاتی۔
فجر کے وقت جب باہر آسمان پر ہلکی سی روشنی پھیلنا شروع ہوتی، اور سب لوگ ابھی نیند میں ہوتے...
تب مریم خاموشی سے اپنی آنکھیں کھولتی۔
وہ آہستگی سے اٹھتی تاکہ کسی کی نیند خراب نہ ہو۔
پھر وضو کرتی...
نماز پڑھتی...
اور اس کے بعد سیدھا کچن کی طرف چلی جاتی۔
پورا گھر خاموش ہوتا۔
صرف اس کے قدموں کی مدھم آہٹ اور برتنوں کی ہلکی سی آواز سنائی دیتی۔
وہ خاموشی سے چائے بناتی...
پراٹھے تیار کرتی...
ناشتہ لگاتی...
پھر کسی کے لیے چینی کم...
کسی کے لیے زیادہ...
ہر ایک کی پسند اسے یاد رہتی۔
مگر شاید کسی کو یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ مریم کو کیا پسند ہے۔
ناشتہ ختم ہوتا تو کام ختم نہیں ہوتا تھا۔
اس کے بعد کپڑے دھونا...
استری کرنا...
گھر کی صفائی...

کچن سنبھالنا...
پھر دوپہر کا کھانا...
اور پھر شام...
کام ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔
صبح سے رات...
اور رات سے پھر صبح۔
ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔
اور سب سے عجیب بات یہ تھی...
مریم نے کبھی شکایت نہیں کی۔
وہ خاموشی سے سب سنتی۔
اگر کوئی ڈانٹ دیتا...
تو بھی خاموش۔
اگر کوئی سخت بات کہہ دیتا...
تو بھی خاموش۔
اگر کوئی الزام لگا دیتا...
تب بھی خاموش۔
کیونکہ شاید اب وہ سمجھ چکی تھی کہ ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔
کچھ درد انسان اپنے اندر ہی دفن کر دیتا ہے۔
رات کو جب سب لوگ سکون سے سو جاتے...
تب مریم کا دن ختم ہوتا۔
وہ تھکے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے میں آتی۔
اس کے ہاتھ درد کر رہے ہوتے...
آنکھیں بوجھل ہوتی...
اور جسم بری طرح تھکا ہوتا۔

مگر پھر بھی...
وہ سونے سے پہلے خاموشی سے جائے نماز بچھاتی۔
اور اپنے رب کے سامنے بیٹھ جاتی۔
کیونکہ دنیا سے تو وہ کچھ کہہ نہیں پاتی تھی...
اس لیے اپنے دل کی ہر بات اپنے رب سے کہتی تھی۔
اس رات بھی وہ جائے نماز پر بیٹھی تھی۔
اس کی آنکھیں نم تھیں۔
چہرہ تھکن سے بھرا ہوا تھا۔
وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی:
"یااللہ..."
اس کی آواز لرز گئی۔
کچھ آنسو خاموشی سے اس کے گالوں پر بہنے لگے۔
"میں نے ایسا کون سا بڑا گناہ کیا ہے؟"
کمرے میں خاموشی تھی۔
مگر اس کے دل میں ہزار سوال تھے۔
"اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے... تو مجھے بتا دے..."
"اگر میں کمزور ہوں... تو مجھے طاقت دے..."
"اور اگر یہ آزمائش ہے... تو مجھے صبر دے..."
وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔
اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
کیونکہ کبھی کبھی انسان جواب نہیں مانگتا...
صرف اتنا چاہتا ہے کہ کوئی اس کے درد کو سمجھ لے۔۔۔

☆☆☆

اگلی صبح حسبِ معمول مریم نے گھر کا سارا کام مکمل کر لیا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔

آج اس کا دل پہلے کی نسبت کچھ ہلکا محسوس ہو رہا تھا، اس لیے وہ کافی نارمل لگ رہی تھی۔ اسی دوران اس نے فون اٹھایا اور ماہم کو کال کر لی۔

"السلام علیکم!" مریم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام! ارے واہ، آج تو بڑی جلدی فون آ گیا؟" ماہم نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔

مریم ہنس پڑی، "ہاں بس، آج کام جلدی ختم ہو گیا۔ سوچا تم سے بات کر لوں۔"

پھر دونوں دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں، کبھی پرانی یادیں، کبھی ہنسی مذاق اور کبھی روزمرہ کی باتیں۔

کافی دنوں بعد مریم کچھ نارمل محسوس کر رہی تھی، اور ماہم بھی یہ تبدیلی محسوس کر کے دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔

لیکن اچانک—

دروازہ زور سے کھلا۔

اور کمرے کی فضا بدل گئی۔

سامنے بتول کھڑی تھی۔

اس کے چہرے پر ناراضی صاف نظر آ رہی تھی۔

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی تیز آواز میں کہا،

"اوہ ماہرانی! یہاں آرام سے بیٹھی فون پر باتیں ہو رہی ہیں؟"

مریم ایک دم چونک گئی۔

اس نے گھبرا کر فون اپنی طرف کیا۔

بتول بغیر رکے بولتی گئی،

"جلدی اٹھو اور ہمارے لیے ناشتہ بنا کر لاؤ۔"

پھر طنزیہ انداز میں بولی،

"کیا تمہیں یہاں صرف بیٹھنے کے لیے رکھا ہے؟"

مریم خاموش ہو گئی۔

اس کی آنکھوں میں جھجک آ گئی۔

وہ کچھ بولنا چاہتی تھی، مگر الفاظ نہ ملے۔

لیکن بتول رکی نہیں۔
وہ مسلسل طعنے دیے جارہی تھی۔
اور دوسری طرف...
فون کے اُس پار ماہم سب سن چکی تھی۔
کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھاگئی۔
ماہم کی آواز اب بدل چکی تھی۔
"یہ کیا تھا...؟"
مریم فوراً گھبرا گئی۔
"نہیں... کچھ نہیں..."
ماہم نے فوراً سخت لہجے میں کہا،
"مجھ سے جھوٹ مت بولو مریم۔"
مریم خاموش ہو گئی۔
اس کی خاموشی ہی سب کچھ بتارہی تھی۔
چند لمحوں تک فون کے دوسری طرف بھی خاموشی رہی۔
اور پھر ماہم کی آواز آئی...
لیکن اس بار اس کی آواز میں دکھ تھا۔
بہت زیادہ دکھ۔
"میں نے اپنی بہن کو کن حالات میں چھوڑ دیا..."
اس کے الفاظ آہستہ تھے۔
جیسے وہ خود سے بات کر رہی ہو۔
اس کی آنکھوں کے سامنے مریم کا چہرہ گھومنے لگا۔
وہی معصوم مریم...
جو ہمیشہ دوسروں کا خیال رکھتی تھی۔
جو کبھی کسی کے لیے برا نہیں سوچتی تھی۔

اور آج...
وہ اتنی خاموش کیوں ہو گئی تھی؟
ماہم کا دل بے چین ہونے لگا۔
اس نے ایک لمحے کے لیے بھی مزید نہیں سوچا۔
وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
اس کے دل میں اب صرف ایک ہی خیال تھا،
"میں اپنی بہن کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔"
اس نے فوراً فون پر مریم سے کہا،
"تم پریشان مت ہونا۔"
مریم چونک گئی۔
"جی؟"
ماہم نے مضبوط لہجے میں کہا،
"میں آ رہی ہوں۔"
مریم فوراً گھبرا گئی۔
"نہیں... رہنے دیں..."
لیکن ماہم نے اس کی بات کاٹ دی۔
"نہیں۔ بس۔"
اس کی آواز میں فیصلہ تھا۔
"ضرار آئے یا نہ آئے... میں آ رہی ہوں۔"
کال بند ہونے کے بعد ماہم سیدھا اپنی امی کے کمرے میں گئی۔
اس کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آ رہی تھی۔
اس نے دھیمی آواز میں اجازت مانگی۔
اور کچھ ہی دیر بعد...
وہ جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

کیونکہ اس بار وہ صرف بہن بن کر نہیں جا رہی تھی...
وہ اپنی بہن کے لیے سہارا بننے جا رہی تھی۔۔۔

☆☆☆

تقریباً بیس منٹ بعد اچانک دروازہ تیزی سے کھلا۔ ماہم تیز قدموں سے اندر داخل ہوئی، مگر جیسے ہی اس کی نظر سامنے کے منظر پر پڑی، وہ وہیں ساکت رہ گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدل گئے۔ آنکھوں میں حیرت، تکلیف اور پھر غصے کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔

مریم خاموشی سے ایک طرف کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ گھر کے کاموں میں لگی ہوئی تھی جبکہ دوسری طرف قدسیہ اور بتول اس پر مسلسل طعنے کسے جا رہی تھیں۔

"کچھ کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا تم سے!"

"پتہ نہیں ہمارے نصیب میں یہی سب کیوں آیا!"

"دن بھر بس منہ بنا کر گھومتی رہتی ہے!"

ایک ایک لفظ مریم کے دل پر تیر کی طرح لگ رہا تھا، مگر وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔ سر جھکائے سب سنتی جا رہی تھی۔

ماہم کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس نے غصے سے ایک گہرا سانس لیا اور پھر اچانک پوری آواز میں چیخی،

"بس!!!"

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ پورا گھر جیسے ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔

قدسیہ اور بتول دونوں چونک کر پلٹیں۔ ان کے چہروں کا رنگ ایک دم بدل گیا۔

"م۔۔۔ ماہم؟ تم؟!" بتول کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

دونوں کے دل میں ایک ہی خیال آیا۔

"یہ یہاں کیسے آ گئی؟ اگر اس نے سب دیکھ لیا تو؟ کہیں ساری حقیقت سب کے سامنے نہ آ جائے..."

لیکن اگلے ہی لمحے قدسیہ نے اپنے چہرے کے تاثرات سنبھال لیے اور مصنوعی غصے سے بولی،

"تم اس طرح گھر میں چیختی ہوئی کیوں آ رہی ہو؟"

ماہم کی آنکھوں میں غصہ صاف جھلک رہا تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی۔

"میں پوچھتی ہوں، آپ لوگ یہ سب کیا کر رہے ہیں؟ میری بہن کے ساتھ ایسا سلوک؟ اس سے سارے گھر

کے کام کروائے جا رہے ہیں اور اوپر سے طعنے بھی؟"

بتول فوراً بولی،

"اوہ پلیز! زیادہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کیا!"

"کچھ نہیں کیا؟؟؟؟؟" ماہم نے تلخی سے ہنستے ہوئے کہا، "میں اپنی آنکھوں سے سب رہی ہوں!"

قدسیہ کا لہجہ بھی اب سخت ہو چکا تھا۔

"دیکھو لڑکی! تم ہمارے گھر آ کر ہمیں مت سکھاؤ کہ کیا کرنا ہے!"

"اور آپ میری بہن کو تکلیف دینا بند کریں!" ماہم نے فوراً جواب دیا۔

اب گھر کا ماحول مکمل طور پر کشیدہ ہو چکا تھا۔ ایک طرف ماہم تھی اور دوسری طرف قدسیہ اور بتول۔ باتوں ہی باتوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے تلخ جملے، طنز اور طعنے برسنے لگے۔

لیکن اچانک ماہم کی نظر مریم پر پڑی۔

مریم ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں، چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور وہ بہت کمزور لگ رہی تھی۔

ماہم کا غصہ ایک لمحے کے لیے نرم پڑ گیا۔

وہ فوراً مریم کے پاس گئی، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے بولی،

"مریم... میری طرف دیکھو۔" مریم نے آہستہ سے نظریں اٹھائیں۔

ماہم اسے سہارا دے کر صوفے تک لے آئی۔ جلدی سے پانی کا گلاس بھرا اور اس کے ہاتھ میں دیا۔

"پہلے پانی پیو۔"

مریم کے ہاتھ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔ ماہم نے خود اس کے ہاتھ تھام لیے۔

پھر اس نے غصے بھری نظر سے دوبارہ قدسیہ اور بتول کی طرف دیکھا۔

"آج کے بعد میری بہن کے ساتھ ایسا ہوا نا... تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مریم کو سہارا دیا اور آہستہ آہستہ اسے لے کر کمرے کی طرف چل پڑی۔

پیچھے قدسیہ اور بتول خاموش کھڑی تھیں۔

اور پہلی بار ان دونوں کے چہروں پر غصے سے زیادہ خوف صاف دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆

باب ششم:

رات ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی۔ آسمان پر تارے دھیرے دھیرے اپنی چمک بکھیر رہے تھے اور ہلکی ٹھنڈی ہوا کھڑکی کے پردوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔ گھر میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹِک اس خاموشی میں اور زیادہ نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔ وقت تقریباً آٹھ سے نو بجے کے درمیان تھا۔

گھر کے ایک کمرے میں بتول اور قُدسیہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں کے چہروں پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ آج ان کے چہروں پر پہلے جیسی بے فکری نہیں تھی بلکہ جیسے کسی بات نے ان کے دلوں میں بے چینی پیدا کر دی ہو۔ کمرے میں جلتی مدھم روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی اور ان کی خاموشی کئی سوال پیدا کر رہی تھی۔

قُدسیہ نے بے چینی سے ایک لمبی سانس لی اور پھر بتول کی طرف دیکھتے ہوئے بولی،

"اب ماہم ہمارے سارے کھیل کو سمجھ گئی ہے۔ پہلے تو وہ ہماری باتوں میں آجاتی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اب اگر ہم نے کوئی بھی غلط قدم اٹھایا تو سب کچھ خراب ہو سکتا ہے۔"

بتول کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پر جمی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہو۔ چند لمحے گزرے، پھر اچانک اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

قُدسیہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا؟ تم ایسے کیوں مسکرا رہی ہو؟"

بتول آہستہ سے سیدھی ہو کر بیٹھی اور بولی،

"مجھے ایک بہت زبردست خیال آیا ہے۔"

قُدسیہ فوراً تجسس سے اس کے قریب ہوئی۔

"کیا؟ جلدی بتاؤ!"

بتول کے چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔

"اب ہم دونوں کو مریم اور ماہم سے معافی مانگنی ہو گی۔"

یہ سن کر قُدسیہ حیران رہ گئی۔

"کیا؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

بتول ہلکا سا ہنسی۔

"پوری بات تو سنیں۔ ہم ان دونوں سے معافی مانگیں گے، ان کے سامنے اچھے بن جائیں گے، ایسا ظاہر کریں گے جیسے ہم واقعی بدل گئے ہیں۔ ہم ان کے دلوں میں اپنی جگہ دوبارہ بنالیں گے۔"

قُدسیہ خاموشی سے سننے لگی۔

بتول پھر دھیرے لہجے میں بولی

"اور جب ماہم کا دھیان کہیں اور ہو گا... تب ہم ظہیر کے ساتھ مل کر مریم سے ایسا بدلہ لیں گے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی ہو گی۔"

یہ سن کر قُدسیہ کے چہرے پر بھی دھیرے دھیرے مسکراہٹ آگئی۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو۔ اگر ہم سیدھا کچھ کریں گے تو ماہم فوراً سمجھ جائے گی۔ مگر اگر ہم اچھا بننے کا ڈرامہ کریں گے تو کسی کو ہم پر شک بھی نہیں ہو گا۔"

بتول نے سر ہلایا۔

"بالکل، یہی بہترین راستہ ہے۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرائیں۔ مگر ان کے چہروں کی مسکراہٹ میں سچائی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک نیا منصوبہ چھپا ہوا تھا، اس کے پیچھے اُن کے مکار چہرے تھے۔

کچھ دیر بعد دونوں کمرے سے باہر نکلیں اور مریم کے کمرے کی طرف بڑھنے لگیں۔ ان کے قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔

دوسری طرف ماہم اور مریم دونوں کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ مریم خاموش بیٹھی تھی جبکہ ماہم اسے ہنسانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

ٹھک... ٹھک...

دونوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" ماہم نے حیرت سے کہا۔

مریم نے جا کر دروازہ کھولا تو سامنے بتول اور قُدسیہ کھڑی تھیں۔

ان دونوں کو دیکھ کر ماہم کا چہرہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

"تم دونوں یہاں؟"
بتول اور قُدسیہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر اچانک ان دونوں کی نظریں جھک گئیں۔
بتول آگے بڑھی۔
"ہم... ہم آپ دونوں سے معافی مانگنے آئے ہیں۔"
ماہم اور مریم حیران رہ گئیں۔
قُدسیہ کی آنکھوں میں نمی سی آگئی، یا شاید وہ صرف دکھاوا کر رہی تھی۔
"ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں... ہم نے مریم کے ساتھ بہت برا کیا۔ ہمیں معاف کر دو۔"
مریم خاموش کھڑی رہی جبکہ ماہم حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
بتول نے دھیرے لہجے میں کہا،
ہمیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے۔"
مریم نے ماہم کی طرف دیکھا۔
ماہم کچھ لمحے خاموش رہی۔ وہ جیسے ان دونوں کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
کمرے میں چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھاگئی۔
مریم آہستہ سے بولی،
"اگر واقعی آپ لوگوں کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے... تو ہم آپ دونوں معاف کرتے ہیں۔"
یہ سن کر بتول اور قُدسیہ نے فوراً سر اٹھایا۔
ماہم نے بھی دھیرے سے کہا،
"لیکن یاد رکھنا... رشتے بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ ان کو نفرت سے نہیں بلکہ محبت سے نبھایا جاتا ہے۔"
دونوں نے فوراً سر ہلا دیا۔
"اب ایسا دوبارہ نہیں ہو گا۔"
مریم ہلکا سا مسکرائی۔
اور یوں اس رات سب کچھ ٹھیک ہوتا ہوا نظر آیا،...
مگر کچھ چہروں کی مسکراہٹیں حقیقت نہیں ہوتیں، ان کے پیچھے کئی راز چھپے ہوتے ہیں۔
اور شاید اس گھر میں بھی ایک نیا کھیل شروع ہونے والا تھا...

☆☆☆

رات کا وقت آہستہ آہستہ مزید خاموش ہوتا جا رہا تھا۔ گھر کے تقریباً سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر چمکتے تارے رات کو اور بھی حسین بنا رہے تھے۔ ماہم اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی تھکن اور دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ مریم کے قریب آنے کے بعد اس کا دل اپنی بہن کے لیے اور زیادہ نرم ہو گیا تھا۔

اتنے میں اس کے فون کی رنگ بجی۔

ماہم نے فون کی اسکرین دیکھی تو اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ضرار کالنگ..."

ماہم نے فوراً کال اٹھائی۔

"السلام علیکم۔"

دوسری طرف سے ضرار کی نرم سی آواز آئی۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو؟"

ماہم ہلکا سا مسکرائی اور آہستہ سے بولی،

"میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیں؟"

ضرار ہلکا سا ہنسا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں... لیکن ایک بات بتانی تھی۔"

ماہم تھوڑا چونکی۔

"کیا بات؟"

ضرار نے خوش ہوتے ہوئے کہا،

"ان شاء اللہ، میں کل کی فلائٹ سے واپس آ رہا ہوں۔ اور تم بھی آ جانا۔ کافی دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے۔"

یہ سن کر ماہم کے چہرے کی مسکراہٹ ہلکی سی کم ہو گئی۔ وہ چند لمحے خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اس نے ضرار کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ پہلے ہی یہاں آ چکی ہے۔

اس نے نظریں جھکاتے ہوئے آہستہ سے کہا،

"وہ... میں..."

ضرار فوراً بولا،
"کیا ہوا؟ اتنی خاموش کیوں ہو گئی؟"
ماہم نے بات کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے کہا،
"اصل میں... میں پہلے ہی آچکی ہوں۔"
چند لمحوں کے لیے دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی۔
"کیا؟!" ضرار حیران ہو کر بولا۔
ماہم نے جلدی سے بات بنائی،
"مجھے اپنی بہن کی بہت یاد آ رہی تھی... دل نہیں مان رہا تھا اس لیے میں آ گئی۔"
حالانکہ ماہم نے یہ بات پوری سچائی کے ساتھ نہیں کہی تھی۔ اس نے کئی باتیں ضرار سے چھپا لی تھیں۔
ضرار نے ایک گہری سانس لی اور ہلکے ناراض لہجے میں بولا،
"اچھا جی؟ اتنی بڑی بات اور مجھے بتایا بھی نہیں؟"
ماہم ہلکا سا ہنس پڑی۔
"ارے... سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ موقع ہی نہیں ملا۔"
زرار نے مصنوعی غصے میں کہا،
"ہاں ہاں، اب بہانے بنالو۔"
ماہم ہنستے ہوئے بولی،
"اچھا سوری... اب ناراض مت ہوں۔"
زرار چند لمحے خاموش رہا پھر ہلکے لہجے میں بولا،
"چلو کوئی بات نہیں... آ گئی ہو تو ٹھیک ہے۔ ان شاء اللہ میں بھی کل کی فلائٹ سے آ جاؤں گا۔"
ماہم کے چہرے پر دوبارہ مسکراہٹ آ گئی۔
"سچ؟"
"ہاں بالکل۔"
پھر دونوں دیر تک ایک دوسرے سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ کبھی ضرار اسے چھیڑ رہا تھا تو کبھی ماہم اس کی باتوں پر ہنس رہی تھی۔

رات گزرتی جارہی تھی، لیکن دونوں کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

مریم اور ماہم ان دونوں کے جانے کے بعد باتیں کر رہی ہوتی ہے،

ماہم نے مریم سے کہا،

"مجھے تو بالکل سمجھ نہیں آرہی کہ یہ دونوں آخر کیسے سدھر سکتی ہیں۔"

مریم نے آہستہ سے جواب دیا،

"شاید اچھے لوگوں کی صحبت میں آگئی ہوں گی...ویسے بھی لگتا ہے اُنہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو چکا ہے۔"

ماہم نے فوراً بات کاٹی،

"نہیں، مجھے تو لگتا ہے یہ سب ان کی کوئی پلاننگ ہے۔"

مریم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،

"ارے تم تو ہر بات میں منفی ہی سوچتی ہو۔"

۔ دیکھتے ہی دیکھتے رات ہو گئی۔ رات کے کھانے کے لیے مریم اور بتول دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا۔ اسی دوران ظہیر بھی وہاں پہنچ گیا

"ماہم کی وجہ سے مریم کو کچھ نہیں کہا گیا، ورنہ بات بہت آگے جا سکتی تھی۔"

☆☆☆

اقراش بھی حسبِ معمول اپنے دوستوں کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔ وہاں سگریٹ کے دھوئیں کا گھنا بادل سا چھایا ہوا تھا اور ماحول کافی بوجھل لگ رہا تھا۔

گھر میں میرا اور عزرہ بیگم آپس میں کھیلنے میں مصروف تھیں۔ آج میرا کی دوست نہیں آئی تھی، اسی لیے عزرہ بیگم بھی اُس کے ساتھ خوشی خوشی کھیل رہی تھیں۔ دونوں کی ہنسی سے پورا گھر گونج رہا تھا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ خاموشی آہستہ آہستہ پورے ماحول پر چھانے لگی۔ اسی دوران عزرہ بیگم نے فکر مندی سے عبد الرحمان کو فون کیا اور نرمی سے بولیں،

"آپ ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے؟"

عبد الرحمان نے پر سکون لہجے میں جواب دیا،

"مجھے تھوڑا سا کام ہے، ان شاء اللہ جلد آجاؤں گا۔ تم لوگ کھانا کھالو اور پھر آرام سے سو جانا۔"

یہ سن کر عزرہ بیگم نے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف میرا ابھی بھی کھیل میں مگن تھی۔ کچھ دیر بعد دونوں نے مل کر رات کا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد میرا کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی۔ وہ روز کی طرح اپنے بستر پر گئی اور تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند سو گئی۔ گھر کا ماحول بالکل پر سکون ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ہلکی ہلکی شام اتر رہی تھی۔ آسمان پر بکھرے بادلوں کے درمیان سورج کی آخری کرنیں جیسے شہر کو سنہری رنگ میں رنگ رہی تھیں۔ ائیر پورٹ کے باہر گاڑیوں کا شور، لوگوں کی آوازیں اور سرد ہوا کے جھونکے ماحول کو عجیب سی اداسی اور خوشی کے درمیان باندھے ہوئے تھے۔

ضرار کئی دنوں بعد واپس آرہا تھا۔ پلین کی کھڑکی کے ساتھ بیٹھا وہ مسلسل اپنے فون کی اسکرین دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تھکن تو تھی، مگر اس تھکن سے کہیں زیادہ بے چینی تھی۔ دل بار بار صرف ایک ہی نام لے رہا تھا...

"ماہم..."

جہاز کے لینڈ ہوتے ہی اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"آخر کار... واپس آگیا..." اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

ائیر پورٹ سے نکلتے ہوئے اس نے فوراً ماہم کو کال ملائی۔ دوسری طرف جیسے ہی ماہم نے کال اٹھائی، اس کی آواز میں چھپی خوشی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"ضرار! آپ پہنچ گئے؟ کب آرہے ہیں؟"

ضرار نے جان بوجھ کر اپنی آواز نارمل رکھی۔

"یار سوری... کچھ کام آگیا ہے۔ شاید دو تین دن بعد آؤں گا۔"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

ماہم کا چہرہ فوراً اُتر گیا۔ جیسے کسی نے اس کی ساری خوشی اچانک چھین لی ہو۔

"اوہ... اچھا..."

اس نے بس اتنا کہا، مگر اس ایک لفظ میں کتنی مایوسی چھپی تھی، ضرار بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

ضرار ہلکا سا مسکرایا۔

وہ جانتا تھا کہ ماہم اس کے بغیر کتنی اداس رہتی ہے، اور اسی لیے وہ اسے ایک خوبصورت سرپرائز دینا چاہتا تھا۔

ادھر ماہم خاموشی سے فون بند کر کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ڈرائنگ روم میں ہلکی روشنی تھی۔ قدسیہ اور بتول

آپس میں باتیں کر رہی تھیں جبکہ مریم کچھ سوچوں میں گم تھی۔ مگر ماہم کا دل کہیں اور ہی اٹکا ہوا تھا۔

"دو دن اور..."

اس نے آہستہ سے خود سے کہا اور نظریں جھکا لیں۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔

ٹن ٹن...

ماہم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"اس وقت کون آیا ہو گا؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے تک گئی۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا... اس کی سانس ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

سامنے ضرار کھڑا تھا۔

سیاہ جیکٹ میں، ہلکی بڑھی ہوئی داڑھی، تھکی ہوئی مگر محبت سے بھری آنکھیں... اور لبوں پر وہی شرارتی مسکراہٹ۔

ماہم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ضرار...؟!"

اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایسی خوشی پھیل گئی جیسے برسوں بعد کسی نے اس کی دنیا واپس لوٹا دی ہو۔

"آپ نے جھوٹ بولا!"

وہ بے اختیار بولی اور فوراً آگے بڑھ کر ضرار کو مضبوطی سے گلے لگا لیا۔

ضرار نے بھی اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

کئی لمحوں تک دونوں ویسے ہی کھڑے رہے، جیسے وقت وہیں تھم گیا ہو۔

"سرپرائز..." ضرار نے دھیرے سے اس کے کان میں کہا۔

ماہم ہنستے ہوئے اس کے سینے پر ہلکا سا مکا مارتی ہے۔

"میں کتنی اداس ہو گئی تھی..."

"جانتا ہوں..."

ضرار نے محبت سے اس کی پیشانی کو دیکھا۔

"اسی لیے تو یہ سب کیا۔"

اندر بیٹھے سب لوگ بھی دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"ارے ضرار آ گیا!" قدسیہ بھی خوشی سے بولیں۔

بتول کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی جبکہ مریم اب بھی سوچوں میں گم تھی۔

گھر کا ماحول ایک دم زندہ ہو گیا تھا۔ ہر طرف خوشی، ہنسی اور اپنائیت بکھر گئی تھی۔

ضرار نے سب کے ساتھ محبت سے سلام کیا، خیریت پوچھی، اور پھر تھکے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

یہی وہ سکون تھا جسے وہ کچھ دنوں سے یاد کر رہا تھا۔

ماہم بھی خاموشی سے اس کے پیچھے آ گئی۔ دروازے کے قریب کھڑی وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی یقین اور خوشی ملی جلی سی تھی۔

ضرار نے کوٹ اتار کر کرسی پر رکھا اور مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

ماہم نے دھیرے سے کہا،

"بس... یقین نہیں آ رہا کہ آپ واقعی واپس آ گئے ہیں..."

کمرے کی خاموش فضا میں صرف دونوں کی دھیمی سانسیں اور دلوں کی بے چین دھڑکنیں محسوس ہو رہی تھیں۔ باہر سرد ہوا چل رہی تھی۔

☆☆☆

رات آہستہ آہستہ اپنے سائے پھیلا رہی تھی۔ گھر کی کھڑکیوں سے باہر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر آ رہے تھے جبکہ ڈرائنگ روم کی زرد روشنی گھر کو ایک نرم سی اپنائیت دے رہی تھی۔ ضرار ابھی سفر کی تھکن اتار ہی رہا تھا کہ مین گیٹ کے کھلنے کی آواز آئی۔

"لگتا ہے ظہیر آ گیا..." ماہم نے دھیمی آواز میں کہا۔

چند لمحوں بعد ظہیر اندر داخل ہوا۔ آفس کی تھکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی، مگر جیسے ہی اس کی نظر ضرار پر پڑی، اس کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ آ گئی۔

"اوئے... واپس آ گیا تو!"

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ کئی دنوں کی دوری کے بعد ملنے والی وہ گرمجوشی ان کے چہروں سے صاف جھلک رہی تھی۔

"کیسا ہے بھائی؟" ظہیر نے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔

"اب ٹھیک ہوں... گھر آ کر سب ٹھیک لگنے لگتا ہے۔" ضرار نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

دونوں بھائی صوفے پر بیٹھ گئے اور آفس، سفر اور گھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ کبھی ہنسی کی آواز گونجتی تو کبھی کسی پرانی بات کا ذکر نکل آتا۔ ماہم خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے ہمیشہ اچھا لگتا تھا جب گھر میں ایسے ہنستے بولتے لمحے ہوتے تھے۔

ادھر کچن میں بتول اور مریم کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ تازہ گرم روٹیوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ مریم کبھی برتن اٹھاتی تو کبھی بتول سے پوچھتی، "یہ یہاں رکھوں؟"

بتول بولی "آہستہ... سب گرا دو گی تم!"

کچھ ہی دیر بعد سب ڈائننگ ٹیبل پر جمع ہو گئے۔ ٹیبل پر مختلف کھانے سجے ہوئے تھے۔ گرم گرم سالن، سلاد اور تازہ روٹیاں... ماحول میں ایک گھریلو سکون بسا ہوا تھا۔

سب کھانا کھاتے ہوئے باتیں کر رہے تھے، کہ اچانک قدسیہ نے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے دونوں بھائیوں کی طرف دیکھا۔

"میں ایک بات سوچ رہی تھی..."

سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔

"تم دونوں کی ابھی نئی نئی شادیاں ہوئی ہیں، تو تم لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ ہنی مون پر کیوں نہیں جاتے؟ کہیں باہر گھوم آؤ۔"

یہ سنتے ہی ماہم نے چونک کر ضرار کی طرف دیکھا جبکہ مریم نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

ظہیر نے ہلکی سی سانس لی اور فوراً بولا، "نہیں امی... ابھی آفس میں بہت کام ہیں۔ میں نہیں جا سکتا کہیں بھی۔"

اس کی آواز میں تھکن بھی تھی اور ذمہ داری کا احساس بھی۔

"ہاں، اگر ضرار جانا چاہتا ہے تو وہ چلا جائے ماہم کے ساتھ۔"

ضرار فوراً بول اٹھا، "نہیں بھائی، میں اکیلا کیوں جاؤں؟ ویسے بھی آفس کے کام تو میرے پاس بھی ہیں۔"

ماہم خاموش بیٹھی سب سن رہی تھی۔ دل کے کسی کونے میں وہ ضرار کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھی، مگر وہ جانتی تھی کہ ضرار ذمہ داریوں کو بہت اہمیت دیتا ہے۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے، پھر ماہم نے دھیرے سے ضرار کی طرف دیکھا اور نرم آواز میں کہا، "چلو... اگر سب کہہ رہے ہیں تو چلتے ہیں کچھ دن کے لیے۔"

ضرار نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ ماہم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک خاموش سی خواہش بھی چھپی ہوئی تھی... شاید وہ واقعی ضرار کے ساتھ کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتی تھی۔

ادھر مریم خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ظہیر کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ دل کے اندر عجیب سا احساس اٹھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ظہیر نہیں جا رہا... اور نہ ہی اس نے اسے روکنے کی کوئی کوشش کی تھی۔ اس کے دل میں ہلکی سی اداسی اتر گئی، مگر اس نے اپنے چہرے پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔

قدسیہ نے فوراً خوش ہوتے ہوئے کہا، "بس پھر طے ہو گیا۔ تم دونوں کہیں اچھی سی جگہ چلے جاؤ۔ ایک ہفتہ سکون سے گزارو، پھر واپس آ جانا۔ زندگی میں ایسے وقت بار بار نہیں آتے۔"

ضرار نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ "جی امی... ٹھیک ہے۔"

ماہم کے چہرے پر اب واضح خوشی نظر آ رہی تھی۔ وہ خاموش تھی مگر اس کے دل میں ایک الگ ہی excitement جاگ اٹھی تھی۔ شاید پہلی بار اسے لگا کہ وہ اور ضرار واقعی اپنی نئی زندگی کے خوبصورت لمحے جینے جا رہے ہیں۔

دوسری طرف مریم نے چپکے سے بتول کی طرف دیکھا جو بے فکری سے کھانے میں مصروف تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی، مگر دل کے اندر کہیں ایک کسک باقی تھی۔

رات مزید گہری ہوتی گئی۔ ڈائننگ ٹیبل پر ہنسی مذاق، باتیں اور گھریلو شور جاری رہا۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جبکہ گھر کے اندر محبت، اپنائیت اور رشتوں کی گرمائش ہر طرف محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح موسم خوشگوار تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی ہلکی دھوپ پورے کمرے میں نرم سی روشنی بکھیر رہی تھی۔ گھر ابھی پوری طرح جاگا نہیں تھا، مگر کچن سے چائے کی ہلکی خوشبو آنے لگی تھی۔ باہر پرندوں کی آوازیں ماحول کو مزید پرسکون بنا رہی تھیں۔

زرار صبح جلدی اٹھ گیا تھا۔ وہ بالکونی میں کھڑا ہاتھ میں کافی کا مگ لیے کسی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ رات کی

باتیں اب بھی اس کے ذہن میں چل رہی تھیں۔ قدسیہ کی بات کے بعد پہلی بار اس نے سنجیدگی سے سوچا تھا کہ شاید واقعی اسے اور ماہم کو کچھ وقت صرف ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا چاہیے۔

چند لمحوں بعد اس نے اپنا فون اٹھایا اور اپنے آفس کے بوس کو کال ملا دی۔

"ہیلو سر، السلام علیکم..."

کچھ رسمی باتوں کے بعد ضرار نے ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست کی۔ دوسری طرف سے پہلے تھوڑی سی حیرانی ظاہر ہوئی، کیونکہ ضرار عموماً کبھی لمبی چھٹی نہیں لیتا تھا، مگر پھر اس کے بوس نے مسکراتے ہوئے اجازت دے دی۔

"Enjoy your time, Zarar. You deserve a break"

زرار کے چہرے پر ہلکی سی اطمینان بھری مسکراہٹ آ گئی۔

".Thank you, sir"

کال بند کرتے ہی اس نے گہرا سانس لیا۔ دل کے اندر عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی، جیسے کئی دنوں کی مصروف زندگی کے بعد اسے آخرکار سکون کا ایک موقع ملا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ کچن میں واپس آ گیا۔ ماہم اس وقت کچن میں کھڑی ناشتے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور ڈھیلے سے بندھے بال بار بار اس کے چہرے پر آ رہے تھے۔

ضرار دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"اتنی صبح کام شروع کر دیا تم نے؟"

ماہم نے پلٹ کر دیکھا تو ہلکا سا مسکرا دی۔ "اور نہیں تو کیا... آج میں نے سوچا کے سب کے لیے ناشتہ بنا لو"

ضرار آہستہ سے اس کے قریب آیا اور نرم آواز میں بولا، "میں نے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی ہے..."

ماہم نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ "سچ؟"

"ہاں... تو سوچ کہہ رہا ہوں کہ ہم دونوں کہیں ہنی مون پر چلتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ماہم کے چہرے پر بے اختیار خوشی پھیل گئی۔ اس نے نظریں جھکا کر ہلکی سی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔

"جی... ٹھیک ہے۔"

ضرار نے شرارتی انداز میں کہا، "تو میڈم بتائیں، کہاں جانا ہے؟ آج رات کی فلائیٹ بک کر دوں گا۔ ناران؟

کاغان؟ اسلام آباد؟ یا کوئی اور جگہ جہاں تم جانا چاہتی ہو؟"

ماہم چند لمحے سوچتی رہی۔ اس کے ذہن میں کئی جگہوں کے خیال آئے، مگر پھر اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔

"کیوں نہ ہم مری چلیں؟"

ضرار نے فوراً سر ہلایا۔ "Perfect. پھر ہم مری چلتے ہیں۔"

اس کی آواز میں بھی خوشی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"میں ابھی فلائٹ بک کرتا ہوں، اور تم اپنے کپڑے وغیرہ پیک کر لینا۔"

ماہم نے ہلکے سے "ٹھیک ہے" کہا اور دوبارہ کام میں لگ گئی، مگر اب اس کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی۔ دل میں ایک الگ ہی excitement جاگ رہی تھی۔ وہ پہلی بار ضرار کے ساتھ کہیں دور، صرف دونوں کے لیے وقت گزارنے جا رہی تھی۔

ضرار ڈرائنگ روم میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور لیپ ٹاپ کھول لیا۔ چند ہی منٹوں میں وہ فلائٹس اور ہوٹل دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ کبھی وہ options compare کرتا، کبھی ماہم سے پوچھتا، "ونڈو سیٹ چاہیے یا نہیں؟"

ماہم ہنس پڑتی۔ "جیسے آپ کو پسند ہو۔"

"نہیں، اس بار سب تمہاری مرضی سے ہو گا۔"

اس ایک جملے پر ماہم خاموش ہو گئی، مگر اس کے دل میں ایک نرم سا احساس اتر گیا۔ شاید یہی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں جو انسان کو کسی کے اور قریب لے آتی ہیں۔

کچھ دیر بعد ضرار نے آخر کار رات کی فلائٹ بک کر لی۔

"Done." اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ماہم بھی اب اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ الماری کھول کر وہ کپڑے نکالنے لگی۔ کبھی وہ کوئی ڈریس ہاتھ میں لے کر سوچتی، پھر واپس رکھ دیتی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی شرمیلی مسکراہٹ بار بار آ جاتی تھی۔

کمرے میں کھلے سوٹ کیس، بکھرے کپڑے اور آنے والے سفر کی خوشی... سب کچھ ایک نئے آغاز جیسا محسوس ہو رہا تھا۔

ادھر ضرار بھی دل ہی دل میں خوش تھا۔ کئی دنوں کی مصروفیات، تھکن اور ذمہ داریوں کے بعد اب اسے صرف ایک چیز اچھی لگ رہی تھی... ماہم کے ساتھ سکون سے وقت گزارنے کا خیال۔

☆☆☆

کمرے میں ہلکی سی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے پردے ہوا کے نرم جھونکوں سے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے جبکہ بیڈ پر مختلف کپڑے، شالیں اور چھوٹے چھوٹے بیگز بکھرے ہوئے تھے۔ ماہم الماری کے سامنے کھڑی کبھی کوئی ڈریس نکالتی، کبھی سوچ کر واپس رکھ دیتی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی شرمیلی مسکراہٹ بار بار آجاتی تھی۔

ہر چیز سمیٹتے ہوئے اس کے دل میں عجیب سی خوشی دھڑک رہی تھی۔ یہ سفر صرف ایک ٹرپ نہیں تھا... بلکہ ضرار کے ساتھ گزارے جانے والے وہ لمحے تھے جنہیں وہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہتی تھی۔

وہ ابھی سوٹ کیس میں کپڑے ترتیب سے رکھ ہی رہی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ زور سے کھلا۔

ماہم۔

مریم کی چہکتی ہوئی آواز پورے کمرے میں گونجی۔

ماہم نے پلٹ کر دیکھا تو مریم اندر آئی، اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح معصوم سی خوشی تھی۔

"آپ لوگ سچ میں جا رہے ہو کہیں؟"

ماہم ہنس پڑی۔ "ہاں بھئی، آج رات نکلنا ہے۔"

مریم فوراً بیڈ پر بیٹھ گئی اور بڑے غور سے سوٹ کیس میں رکھے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔

"واہ... اتنے سارے کپڑے!"

ماہم نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "آؤ، میرے ساتھ کام کرو۔ ویسے بھی مجھے بہت سارا سامان سمیٹنا ہے۔

پھر دونوں بہنیں مل کر سامان سمیٹنے لگیں۔ مریم کبھی کپڑے تہ کرتی، کبھی کوئی چیز اٹھا کر پوچھتی، "یہ بھی لے کر جانا ہے؟"

اور کبھی شرارتی انداز میں ماہم کو چھیڑتی، "باجی... آپ تو honeymoon پر جا رہی ہو..."

یہ سنتے ہی ماہم کے گال ہلکے سے سرخ ہو گئے۔

"چپ کرو تم!" اس نے فوراً تکیہ اٹھا کر مریم کی طرف پھینکا۔

مریم زور زور سے ہنسنے لگی۔ "میں نے کیا کہا؟"

کمرے میں دونوں کی ہنسی گونجنے لگی۔ کئی دنوں بعد گھر کا ماحول اتنا ہلکا پھلکا اور خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔

مریم پھر اچانک سنجیدہ سی ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "ماہم... تم ایک ہفتے کے لیے چلی جاؤ گی تو میرا دل نہیں لگے گا۔"

ماہم کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رک گئے۔ اس نے مریم کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز میں واقعی اداسی تھی۔
ماہم آہستہ سے اس کے پاس آکر بیٹھ گئی اور پیار سے بولی "صرف ایک ہفتہ ہی تو ہے پاگل... پھر واپس آجاؤں گی۔"

مریم نے ہلکے سے سر ہلایا اور فوراً بولی، "تو میرے لیے وہاں سے کچھ اچھا سا لے کر آنا۔"
ماہم ہنس دی۔ "ٹھیک ہے madam، سب لے کر آئیں گے۔"
پھر دونوں دوبارہ سامان سمیٹنے میں لگ گئیں۔ کبھی کپڑوں کے رنگوں پر بحث ہوتی، کبھی مریم مذاق میں کہتی،
"یہ والا سوٹ پہننا... بھائی کو اچھا لگے گا۔"
اور ہر بار ماہم شرما کر اسے گھورنے لگتی۔
کمرے کا ماحول محبت، اپنائیت اور بہنوں والی شرارتوں سے بھرا ہوا تھا۔ کھلے سوٹ کیس، بکھرے کپڑے، ہنسی کی آوازیں اور آنے والے سفر کی خوشی... سب مل کر ایک خوبصورت یاد بنتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

کمرے کا ماحول اب پہلے سے کئی زیادہ خوش گوار ہو چکا تھا۔ بیڈ پر آدھے کھلے سوٹ کیس پڑے تھے، کہیں کپڑے تہہ ہو رہے تھے، تو کہیں میک اپ کا چھوٹا سا pouch رکھا تھا۔ کھڑکی کے باہر شام آہستہ آہستہ اپنے رنگ بکھیر رہی تھی، اور سنہری دھوپ پردوں سے چھن کر کمرے کے فرش پر پڑ رہی تھی۔
تبھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور مریم اندر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے۔
"اتنا کام کر رہی ہو دونوں، سوچا چائے دے آؤں۔"
ماہم فوراً خوش ہو گئی۔ "اب مزہ آئے گا packing کرنے میں۔"
مریم دل کے کسی کونے میں ہلکی سی اداسی موجود تھی، کیونکہ وہ اور ظہیر کہیں نہیں جا رہے تھے، مگر پھر بھی وہ ماہم کے لیے دل سے خوش تھی۔
ماہم فوراً بول پڑی،
مریم تم بھی چلی جاتیں نا ظہیر بھائی کے ساتھ!"
مریم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی، پھر ہلکا سا مسکرا کر بولی،
ظہیر کو آفس سے فرصت ملے تب نا..."
اس کی مسکراہٹ میں چھپی ہلکی سی اداسی ماہم محسوس کر گئی۔ وہ آہستہ سے اس کے قریب بیٹھی اور اس کا ہاتھ

تھام لیا۔

"ان شاء اللہ، کبھی نہ کبھی آپ لوگ بھی جائیں گے۔"

مریم نے صرف مسکرا کر سر ہلا دیا۔

پھر ماحول دوبارہ ہلکا پھلکا ہو گیا۔ دونوں باتیں کرتے کرتے سامان سمیٹنے لگیں۔ کبھی کسی کپڑے پر بات ہوتی، کبھی کسی پرانے واقعے پر ہنسی چھوٹ جاتی۔ وقت جیسے خاموشی سے گزرتا جا رہا تھا۔

مریم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

باتوں باتوں میں وقت کا احساس ہی نہیں رہا۔ کمرے میں کبھی ہنسی گونجتی، کبھی سنجیدہ باتیں ہوتیں، کبھی مریم کسی بات پر ڈرامائی انداز میں ردِ عمل دیتی تو دونوں ایک دم ہنسنے لگتیں۔

آہستہ آہستہ شام ڈھلنے لگی۔ باہر آسمان پر نارنجی اور ہلکے نیلے رنگ گھل رہے تھے۔ گھر کے اندر لائٹس جل چکی تھیں اور پورے ماحول میں سفر کی excitement پھیل گئی تھی۔

ماہم کی packing تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ سوٹ کیس بند ہو چکے تھے اور ضروری چیزیں الگ رکھ دی گئی تھیں۔

تبھی اچانک باہر سے ضرار کی آواز آئی،

"ماہم! ابھی تک تیار نہیں ہو تم؟"

بتول فوراً ہنسنے لگی۔

"شروع ہو گئے بھائی!"

ضرار تیزی سے کمرے کے دروازے تک آیا اور اندر جھانکا۔

"یار، فلائٹ miss کروانی ہے کیا؟

اس کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ اور جلدی واضح تھی۔ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا، جیسے ہر مرد سفر سے پہلے unnecessary panic کرتا ہے۔

ماہم نے ہنسی روکتے ہوئے کہا،

"سب ہو گیا ہے، relax کریں ذرا۔"

"Relax؟ ابھی luggage نیچے رکھنا ہے، tickets دیکھنی ہیں، airport بھی پہنچنا ہے!"

بتول فوراً بولی،

"بھائی، آپ بہت panic کرتے ہو۔"

ضرار نے آگے بڑھ کر ایک سوٹ کیس اٹھایا۔

"چلو، میں سامان گاڑی میں رکھ رہا ہوں۔ تم جلدی نیچے آؤ۔"

وہ ایک ایک بیگ اٹھا کر نیچے لے جانے لگا، جبکہ ماہم آخری بار پورے کمرے پر نظر ڈال رہی تھی۔ دل میں عجیب سی خوشی اور ہلکی سی گھبراہٹ دونوں تھیں۔

نیچے پورا گھر جیسے انہیں رخصت کرنے کے لیے جمع تھا۔ قدسیہ نے بار بار تاکید کی،

"وہاں پہنچ کر فون ضرور کرنا۔"

"جی امی۔"

ظہیر بھی دروازے کے پاس کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"Enjoy کرنا تم لوگ۔ اور ہاں، ضرار... ماہم کو tang مت کرنا زیادہ۔"

ضرار فوراً بولا،

"بھائی، ہمیشہ مجھے ہی villain بنا دیتے ہو۔"

سب ہنس پڑے۔

مریم اداس سی ماہم کے ساتھ آ کر لپٹ گئی۔

"جلدی واپس آنا..."

ماہم نے پیار سے اسے گلے لگا لیا۔

"صرف ایک ہفتہ ہی تو ہے پاگل۔"

بتول بھی آگے بڑھی اور ماہم کو گلے لگا لیا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

"تم بھی۔"

گھر کے وہ چھوٹے چھوٹے الوداعی لمحے عجیب جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ خوشی بھی تھی، اپنائیت بھی، اور ہلکی سی کمی بھی۔

آخر کار ضرار نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ ماہم خاموشی سے بیٹھ گئی جبکہ ضرار ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"سب بیٹھ گئے؟ کچھ رہ تو نہیں گیا؟"

"نہیں، کچھ نہیں رہ گیا۔" ماہم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
ضرار نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
سب لوگ دروازے کے پاس کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ گاڑی آہستہ آہستہ گھر سے دور ہونے لگی۔
ماہم نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ گھر کی روشنیاں، اپنے لوگ، سب پیچھے رہتے جا رہے تھے... مگر اس کے دل میں ایک نئی خوشی جنم لے رہی تھی۔
ضرار نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔
"Excited?"
معہم نے دھیرے سے مسکرا کر سر ہلایا۔
"بہت زیادہ۔"
رات کی ٹھنڈی ہوا سڑکوں پر پھیل چکی تھی۔ شہر کی روشنیاں چمک رہی تھیں جبکہ گاڑی خاموشی سے ایئرپورٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔
اور ان دونوں کی نئی زندگی کا ایک خوبصورت سفر آہستہ آہستہ شروع ہو رہا تھا۔

☆☆☆

گھر کا ماحول جو کچھ دیر پہلے ہنسی، شور اور رخصتی کی محبت بھری آوازوں سے بھرا ہوا تھا، اب آہستہ آہستہ خاموش ہونے لگا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی جیسے گھر کی فضا بدل گئی۔ باہر سڑک پر جاتی ہوئی گاڑی کی آواز بھی چند لمحوں بعد مکمل غائب ہو گئی۔
ڈرائنگ روم کی زرد روشنی میں ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی تھی۔ مریم ابھی تک دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی، جیسے دل اب بھی ماہم کے ساتھ چلا گیا ہو۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی اداسی تھی۔ وہ آہستہ سے پلٹنے ہی لگی تھی کہ اچانک قدسیہ نے اس کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔
"آہ...!"
مریم کے منہ سے درد بھری سسکی نکلی۔
قدسیہ کی انگلیوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ مریم کو واقعی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ اس کی آنکھوں میں فوراً نمی سی اتر آئی۔
"چ... چھوڑیں مجھے، تکلیف ہو رہی ہے..." مریم نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

لیکن قدسیہ کے چہرے پر سختی تھی۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سا غصہ اور تلخی جھلک رہی تھی، جیسے اندر بہت کچھ بھرا ہوا ہو۔

"ڈرامے مت کرو میرے سامنے۔" ان کی آواز سرد تھی۔

"جاؤ، ہمارے لیے کھانا بنا کر لاؤ۔ اور ہاں، اچھی سی چائے بھی۔ رات کا وقت ہے، سب کھائیں گے بھی اور چائے بھی پئیں گے۔"

مریم نے ڈرتے ہوئے سر ہلایا۔

"جی..."

اس کی آواز بمشکل نکلی۔

وہ جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر وہاں سے نکل گئی۔ اس کے قدم تیز تھے مگر دل خوف سے بھرا ہوا تھا۔ گھر کی راہداری اچانک بہت لمبی اور سنسان محسوس ہونے لگی تھی۔

کچن کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں میں آتے آنسو روکنے کی کوشش کی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ روئی تو پھر مزید ڈانٹ سننے کو ملے گی۔

جیسے ہی وہ کچن میں داخل ہوئی، وہاں بتول پہلے سے موجود تھی۔ وہ خاموشی سے کچھ برتن سمیٹ رہی تھی۔

مریم نے دھیمی آواز میں کہا،

"بتول... انہوں نے کھانا اور چائے بنانے کو کہا ہے..."

بتول نے آہستہ سے اس کی طرف دیکھا۔ مریم کے چہرے پر خوف صاف نظر آ رہا تھا۔

چند لمحوں تک وہ خاموش رہی، پھر اچانک اس کے اندر جیسے دبی ہوئی تلخی باہر آ گئی۔

وہ تیزی سے مریم کے قریب آئی اور اس کے بالوں کو زور سے کھینچ لیا۔

"آہ بتول...!" مریم درد سے تڑپ اٹھی۔

اس کی آنکھوں سے فوراً آنسو نکل آئے۔

تم کھانا بناؤ..." بتول کی آواز غصے اور دکھ سے کانپ رہی تھی،

مریم خوفزدہ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر اس کی غلطی کیا تھی۔

کچن کی سفید روشنی میں مریم کا چہرہ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں صرف غصہ نہیں تھا... بلکہ کہیں نہ کہیں ٹوٹا ہوا دل، حسرت اور اندر کی بھری ہوئی محرومیاں بھی تھیں۔

شاید ماہم اور ضرار کو ایک ساتھ خوش دیکھ کر اس کے دل کے اندر کی اداسی اور گہری ہو گئی تھی۔ شاید اسے اپنی زندگی کی کمیوں نے تلخ بنا دیا تھا۔

مگر ان سب جذبات کا بوجھ اس وقت معصوم مریم پر گر رہا تھا۔

مریم خاموشی سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"میں... میں کھانا بنا دیتی ہوں..." اس نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

بتول نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی۔

کچن میں اب صرف برتنوں کی ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔ مریم کانپتے ہاتھوں سے چائے بنانے لگی۔ آنسو بار بار اس کی پلکوں سے گر رہے تھے مگر وہ خاموشی سے کام کیے جا رہی تھی۔

گھر کے باہر رات مزید گہری ہو رہی تھی... مگر اس گھر کے اندر کچھ دل خاموشی سے اور زیادہ اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

رات آہستہ آہستہ اپنی گہرائی میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ گھر کے شور، برتنوں کی آوازیں، لوگوں کی باتیں... سب ایک ایک کر کے خاموش ہو چکی تھیں۔ ڈرائنگ روم کی روشنیاں بجھا دی گئی تھیں اور راہداری میں صرف مدھم سی زرد روشنی جل رہی تھی جو دیواروں پر خاموش سائے بنا رہی تھی۔

ہر کوئی اپنے اپنے کمروں میں جا چکا تھا۔ دروازے بند ہو چکے تھے۔ پورا گھر اب ایک عجیب سی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا... ایسی خاموشی جو باہر سے پرسکون لگتی ہے مگر اندر بہت کچھ چیخ رہا ہوتا ہے۔

مریم بھی آہستہ قدموں سے اپنے کمرے میں آئی۔ اس کے چہرے پر دن بھر کی تھکن اور دل کے اندر چھپی ہوئی تکلیف صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی ہلکی سرخ تھیں۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، کسی کے سامنے رو نہیں سکتی تھی... بس خاموشی سے سب سہنا اس کی عادت بنتی جا رہی تھی۔

اس نے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور چند لمحوں تک وہیں ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔ جیسے جسم میں اب مزید طاقت باقی نہ ہو۔

کھڑکی کے باہر رات بہت گہری ہو چکی تھی۔ آسمان پر چاند بادلوں میں چھپا ہوا تھا اور ٹھنڈی ہوا کھڑکی کے کناروں سے اندر آ رہی تھی۔

مریم نے خاموشی سے اپنی آنکھیں بند کیں، ایک گہرا سانس لیا اور پھر آہستہ آہستہ الماری کے پاس گئی۔ اس

نے اوپر والی شیلف سے جائے نماز نکالی۔ وہی ہلکے سبز رنگ کی جائے نماز... جو شاید اس کے دل کے سب سے قریب تھی۔

وہ اسے بہت احتیاط سے فرش پر بچھانے لگی، جیسے اس کپڑے کے ساتھ بھی کوئی خاص رشتہ ہو۔

کمرے کی مدھم روشنی میں اس کا کانپتا وجود بہت کمزور لگ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ جائے نماز پر کھڑی ہوئی، اس کے دل میں دبا ہوا ہر درد آہستہ آہستہ باہر آنے لگا۔

اس نے نفل کی نیت باندھی۔

"اللہ اکبر..."

اس کی آواز بہت دھیمی تھی... مگر دل کے اندر ایک طوفان چل رہا تھا۔

ہر رکعت کے ساتھ اس کی آنکھیں اور زیادہ نم ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ قرآن کی آیات پڑھ رہی تھی مگر کئی بار آواز رندھ جاتی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہتے رہتے، مگر وہ انہیں صاف بھی نہیں کر رہی تھی۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے سارے درد، اپنی ساری خاموشیاں اللہ کے سامنے رکھ دینا چاہتی ہو۔

سجدے میں جاتے ہی وہ ٹوٹ گئی۔

اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

"یا اللہ..."

بس اتنا کہہ کر وہ رو پڑی۔

ایسا رونا جس میں آواز کم اور درد زیادہ ہوتا ہے۔

اس کے آنسو جائے نماز کو بھگونے لگے۔

"یا اللہ... میں نے ایسا کیا کیا ہے؟"

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

"اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف کر دے... لیکن یا اللہ... میرے نصیب میں اتنی آزمائشیں کیوں ہیں؟"

اس نے اپنے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی مگر آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔

"یا اللہ... مجھے صبر دے... بس اتنا صبر دے کہ میں ٹوٹوں نہیں..."

کمرے میں صرف اس کی روتی ہوئی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ باہر پوری دنیا شاید سکون سے سو رہی تھی، مگر

اس لمحے مریم کا دل جیسے ٹکڑوں میں بکھر رہا تھا۔
وہ اپنے لیے دعا مانگ رہی تھی... مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے دل میں کسی کے لیے نفرت نہیں تھی۔
نہ قدسیہ کے لیے بددعا...
نہ بتول کے لیے...
نہ کسی اور کے لیے۔
وہ بس خاموشی سے اپنے رب سے طاقت مانگ رہی تھی۔
"یااللہ... اگر میرے لیے آسانیاں نہیں لکھی... تو کم از کم مجھے اتنا مضبوط بنا دے کہ میں ہر مشکل برداشت کر سکوں..."
اس کی آواز میں عجیب سی عاجزی تھی۔
"یااللہ... میرے دل میں کسی کے لیے نفرت نہ آنے دینا..."
یہ کہتے ہوئے وہ پھر سجدے میں جھک گئی۔
وہ چاہتی تو شکایتیں کرتی... لوگوں کے لیے بددعائیں مانگتی... مگر اس کے دل میں اب بھی صرف نرمی باقی تھی۔
وہ بس اپنے رب کے سامنے رو رہی تھی۔
کبھی وہ خاموش ہو جاتی، کبھی پھر سے آنسو بہنے لگتے۔
رات اور زیادہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھی۔
مریم نے آہستہ سے ہاتھ اٹھائے۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
"یااللہ... مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا..."
"یااللہ... میرے دل کو سکون دے..."
"اور اگر میری زندگی میں خوشیاں نہیں ہیں... تو کم از کم میرے صبر کو ختم نہ ہونے دینا..."
اس کے چہرے پر آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
اس لمحے وہ دنیا سے نہیں... صرف اللہ سے بات کر رہی تھی۔ ایسی باتیں جو شاید وہ کبھی کسی انسان سے نہ کہہ پاتی۔
کمرے کی خاموشی، جائے نماز، رات کی ٹھنڈی ہوا... اور ایک ٹوٹا ہوا دل۔
یہ سب مل کر ایک ایسا منظر بنا رہے تھے جس میں درد بھی تھا اور عبادت کا سکون بھی۔

کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ کبھی دعا مانگتی، کبھی خاموش ہو جاتی، کبھی اپنی آنکھیں بند کر کے صرف سانسوں کو سننے لگتی۔

پھر آہستہ آہستہ اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہونے لگا۔

شاید انسان جب ساری دنیا سے تھک جاتا ہے... تب وہ سجدے میں سکون ڈھونڈتا ہے۔

مریم نے اپنے آنسو صاف کیے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا مگر دل میں اب تھوڑا سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے جائے نماز تہہ کی، بہت احتیاط سے واپس رکھی... پھر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

باہر رات اب بھی ویسی ہی خاموش تھی۔

آسمان پر چاند بادلوں کے پیچھے سے ہلکا سا نظر آ رہا تھا۔

مریم نے دھیرے سے آسمان کی طرف دیکھا۔

اس کے دل میں اب بھی درد تھا... مگر ساتھ ہی ایک یقین بھی تھا کہ شاید اللہ اس کی خاموش دعائیں سن رہا ہے۔

اور کبھی کبھی... یہی یقین انسان کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

رات کے آخری پہر کی خاموشی پورے گھر پر چھائی ہوئی تھی۔ مریم کی دعاؤں اور آنسوؤں سے بھری وہ طویل عبادت ختم ہو چکی تھی، مگر اس کے دل میں ابھی بھی ایک ہلکی سی تھکن باقی تھی۔ پھر بھی عجیب بات یہ تھی کہ سجدوں میں رو لینے کے بعد اس کے اندر ایک نرم سا سکون اتر آیا تھا... ایسا سکون جو صرف اللہ کے سامنے دل کھول دینے کے بعد ملتا ہے۔

کمرے میں ہلکی ٹھنڈی ہوا پھیل رہی تھی۔ کھڑکی کے پردے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے، جبکہ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک خاموشی کو اور نمایاں کر رہی تھی۔

مریم نے آہستہ سے اپنی جائے نماز تہہ کی، بہت احتیاط سے اسے واپس رکھا اور چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔

اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں، مگر اب ان میں پہلے جیسی بے چینی نہیں تھی۔

اس نے آہستہ سے ظہیر کی طرف دیکھا۔

ظہیر گہری نیند میں سو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دن بھر کی تھکن واضح تھی۔ شاید اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اسی کمرے کے ایک کونے میں کوئی پوری رات ٹوٹ کر دعا مانگتا رہا ہے۔

مریم نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے لیے بیڈ پر جگہ نہیں تھی... یا شاید وہ خود اب اس جگہ کی عادی ہو چکی تھی۔
اس نے فرش پر بچھی پتلی سی چادر کی طرف دیکھا۔ وہی چادر جو اب اس کی راتوں کی ساتھی بن چکی تھی۔
وہ آہستہ سے زمین پر لیٹ گئی۔ فرش کی ٹھنڈک اس کے جسم میں اترنے لگی، مگر اس نے کوئی شکایت نہیں کی۔
اس نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھے اور چھت کو خاموشی سے دیکھنے لگی۔
دل اب بھی بھاری تھا... مگر سجدوں نے اس کے درد کو تھوڑا نرم ضرور کر دیا تھا۔
"یا اللہ... بس مجھے ہمت دینا..."
اس نے دل ہی دل میں دوبارہ دعا کی۔
پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔
کمرے کی خاموشی، رات کی ٹھنڈی ہوا اور تھکے ہوئے دل نے آخرکار اسے نیند کی آغوش میں لے لیا۔

ابھی فجر کے بعد کا وقت تھا۔ باہر آسمان پر ہلکی ہلکی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ پرندوں کی آوازیں دور کہیں سنائی دینے لگی تھیں۔
مریم کی آنکھ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے کھل گئی۔
اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور خاموشی سے اٹھ بیٹھی تاکہ کسی کی نیند خراب نہ ہو۔
فرش پر سونے کی وجہ سے اس کے جسم میں ہلکا سا درد تھا، مگر وہ اس احساس کی عادی ہو چکی تھی۔
اس نے ایک نظر ظہیر کی طرف دیکھا جو اب بھی سکون سے سو رہا تھا۔
پھر خاموشی سے چادر تہہ کی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
گھر ابھی مکمل خاموش تھا۔ ہر طرف نیند کا سکون پھیلا ہوا تھا۔
مریم سیدھا کچن میں آ گئی۔
چند لمحوں بعد وہاں برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں گونجنے لگیں۔
وہ سب کے لیے ناشتہ تیار کرنے لگی۔
چولہے پر چائے چڑھائی، پھر پراٹھوں کے لیے آٹا نکالا۔ کبھی وہ انڈے بناتی، کبھی برتن ترتیب دیتی۔
اس کے چہرے پر تھکن ضرور تھی مگر ہاتھ مسلسل کام کر رہے تھے۔

یہ اس کی عادت بن چکی تھی... خود سے پہلے سب کے بارے میں سوچنا۔
آہستہ آہستہ گھر کے باقی لوگ بھی جاگنے لگے۔
ڈرائنگ روم میں ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ قدسیہ آکر بیٹھ گئیں جبکہ بتول کچن میں آگئی۔
مریم خاموشی سے سب کے سامنے ناشتہ رکھتی رہی۔
کسی نے شاید اس کے چہرے کی تھکن محسوس نہیں کی... یا شاید کسی نے محسوس کر کے بھی کچھ نہیں کہا۔
ظہیر بھی تیار ہو کر نیچے آگیا۔
اس نے جلدی جلدی ناشتہ کیا کیونکہ اسے آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی۔
"میں چلتا ہوں..." اس نے مختصر سا کہا۔
"جی..." مریم نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔
وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔
ظہیر اپنا بیگ اٹھا کر گھر سے نکل گیا۔ چند لمحوں بعد گاڑی کی آواز بھی دور ہوتی چلی گئی۔
گھر دوبارہ نسبتاً پرسکون ہو گیا۔
کام ختم کرنے کے بعد مریم اپنے کمرے میں آگئی۔
کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی۔ کھڑکی سے صبح کی نرم دھوپ اندر آ رہی تھی۔
وہ بیڈ کے پاس فرش پر بیٹھ گئی اور سامنے رکھا قرآن پاک اٹھا لیا۔
جیسے ہی اس نے قرآن پاک کھولا، اس کے دل میں عجیب سا سکون اترنے لگا۔
وہ بہت محبت اور ادب سے تلاوت کرنے لگی۔
اس کی آواز بہت دھیمی تھی... مگر ہر آیت کے ساتھ اس کے دل کا بوجھ جیسے کم ہوتا جا رہا تھا۔
صبح کی خاموش فضا، قرآن کی تلاوت اور اس کے چہرے پر پھیلا سکون... منظر کو بہت روحانی بنا رہے تھے۔
اسی دوران اچانک فون کی گھنٹی بجی۔
مریم چونک گئی۔
اس نے آہستہ سے قرآن بند کیا اور فون کی طرف دیکھا۔
اسکرین پر ایک نام جگمگا رہا تھا۔
"ماہم

یہ نام دیکھتے ہی اس کے چہرے پر پہلی بار ایک سچی مسکراہٹ آئی۔
اس نے فوراً کال اٹھائی۔
"السلام علیکم..."
دوسری طرف سے ماہم کی خوشی بھری آواز آئی،
"وعلیکم السلام! کیا کر رہی ہو
مریم کے دل کو جیسے ایک دم اپنائیت محسوس ہوئی۔
"کچھ نہیں... قرآن پڑھ رہی تھی۔"
"اوہو... بہت اچھی بن گئی ہو تم تو۔"
مریم ہلکا سا ہنس دی۔
"تم لوگ پہنچ گئے؟"
"ہاں! رات کافی late پہنچے تھے۔ یہاں موسم بہت اچھا ہے۔ تمہیں بہت یاد کیا۔"
یہ سنتے ہی مریم خاموش ہو گئی۔
اسے واقعی ماہم کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔
ماہم فوراً بولی،
"کیا ہوا؟ خاموش کیوں ہو گئی؟"
"کچھ نہیں...
ماہم کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ آ گئی۔
پھر دونوں دیر تک باتیں کرتی رہیں۔
ماہم اسے مری کے موسم، ہوٹل اور راستے کے خوبصورت مناظر کے بارے میں بتاتی رہی جبکہ مریم خاموشی سے سنتی رہی۔
کافی دیر بعد پہلی بار اسے لگا جیسے اس کے دل کا بوجھ تھوڑا ہلکا ہو گیا ہو۔
کبھی کبھی... صرف کسی اپنے کی آواز بھی انسان کے ٹوٹے ہوئے دل کو سنبھال لیتی ہے۔
مریم کافی دیر تک ماہم کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔
یہ وہ لمحہ تھا جب اس کے چہرے پر واقعی سکون نظر آیا تھا۔ ماہم کی آواز میں ہمیشہ کی طرح اپنائیت، محبت اور

فکر شامل تھی۔ وہ مری کے ٹھنڈے موسم، پہاڑوں پر چھائی دھند، ہوٹل کے خوبصورت ویو اور ضرار کے ساتھ ہی باتوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے، یہاں صبح اتنی خوبصورت ہوتی ہے کہ دل کرتا ہے بس دیکھتے رہو..." ماہم ہنستے ہوئے بولی۔

مریم خاموشی سے سن رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"اور ضرار بھائی؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

ماہم فوراً ہنس پڑی۔

"وہ تو یہاں بھی مجھے آرام نہیں کرنے دے رہے۔ کبھی کہتے ہیں جلدی تیار ہو جاؤ، کبھی کہتے ہیں باہر چلتے ہیں۔"

مریم کے چہرے پر نرم سی خوشی آ گئی۔ اسے اچھا لگ رہا تھا کہ ماہم واقعی خوش تھی۔

"آپ خوش لگ رہی ہیں..." مریم نے دھیمی آواز میں کہا۔

ماہم چند لمحے خاموش ہوئی، پھر بہت نرمی سے بولی،

"اور تم؟ تم ٹھیک ہو نا؟"

یہ سوال سنتے ہی مریم کے دل میں جیسے ایک گلٹی اُبھر کے معدوم ہوئی۔

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں بے اختیار فرش پر جم گئیں۔

"جی... میں ٹھیک ہوں۔"

وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنے دل کی حالت بیان کی تو شاید وہ رو پڑے گی۔ اور وہ ماہم کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ماہم نے جیسے اس کی خاموشی محسوس کر لی تھی، مگر اس نے زیادہ زور نہیں دیا۔

"اپنا خیال رکھنا، اور وقت پر کھانا کھانا۔"

"جی..."

"اور ہاں، میری واپسی تک زیادہ کام مت کرنا۔"

یہ سن کر مریم ہلکا سا ہنس دی۔

کال ختم ہونے کے بعد وہ چند لمحوں تک فون کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔ ماہم کی آواز نے اس کے دل کو تھوڑی دیر کے لیے سکون ضرور دیا تھا۔

اس نے گہرا سانس لیا اور اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

لیکن جیسے ہی وہ ڈرائنگ روم کے قریب پہنچی، اس کے قدم ایک دم آہستہ ہو گئے۔
سامنے قدسیہ اور بتول بیٹھی تھیں... اور دونوں کے چہروں پر واضح غصہ نظر آرہا تھا۔
کمرے کا ماحول عجیب حد تک بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ ٹیبل پر خالی چائے کے کپ پڑے تھے جبکہ ٹی وی کی آواز بہت کم تھی۔
مریم کا دل دھڑکنے لگا۔
وہ خاموشی سے ان کے قریب آئی۔
"جی...؟"
قدسیہ نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔
"تم اپنے کمرے میں جا کر آرام سے بیٹھ گئی تھی نا؟"
ان کی آواز میں ناراضی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
مریم فوراً گھبرا گئی۔
"جی... میں بس..."
بتول نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سرد لہجے میں کہا،
"تمہیں یہ بھی نہیں پتا کہ چائے کے بعد ہم لوگ کیا کھاتے ہیں؟"
مریم خاموش ہو گئی۔ اس کے ہاتھ بے اختیار آپس میں جڑ گئے۔
"جاؤ، ہمارے لیے کچھ اچھا سا نمکین بنا کر لاؤ۔" قدسیہ نے بے زاری سے کہا۔
"جی... ٹھیک ہے..."
اس نے فوراً سر جھکا لیا۔
اس کی آواز ہمیشہ کی طرح دھیمی اور دبی ہوئی تھی۔
وہ جلدی سے پلٹی اور کچن کی طرف چلی گئی۔
کچن میں آتے ہی اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔
ابھی کچھ دیر پہلے تک اس کے دل میں ماہم کی باتوں کی وجہ سے ہلکا سا سکون آیا تھا، مگر باہر نکلتے ہی ماحول پھر پہلے جیسا سخت اور بوجھل ہو گیا تھا۔
اس نے خاموشی سے برتن نکالنے شروع کیے۔

کبھی وہ آلو کاٹتی، کبھی مصالحے نکالتی۔ اس کے ہاتھ مسلسل کام کر رہے تھے، مگر دل عجیب سا اداس تھا۔
کچن کی سفید روشنی میں اس کا تھکا ہوا چہرہ اور بھی بجھا بجھا لگ رہا تھا۔
اس نے جلدی جلدی کچھ نمکین سا تیار کرنا شروع کیا۔ تیل کی ہلکی سی آواز، برتنوں کی کھنک اور چولہے کی گرمی پورے کچن میں پھیل گئی۔
وہ ہر کام بہت احتیاط سے کر رہی تھی... جیسے ذرا سی غلطی پر پھر سے ڈانٹ پڑ جائے گی۔
چند لمحوں بعد اس نے پلیٹ میں نمکین ترتیب سے رکھا۔ ساتھ میں sauce بھی رکھی اور پانی کے گلاس بھی۔
پھر گہرا سانس لے کر ٹرے اٹھائی اور باہر آ گئی۔
ڈرائنگ روم میں اب بھی عجیب سی خاموشی تھی۔
مریم نے آہستہ سے ٹرے ٹیبل پر رکھی۔
قدسیہ نے ایک نظر پلیٹ پر ڈالی جبکہ بتول خاموش بیٹھی رہی۔
مریم چند لمحوں تک وہیں کھڑی رہی جیسے کسی اور حکم کا انتظار کر رہی ہو۔
لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔
وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی۔
اس کے قدم آہستہ تھے... اور دل پہلے سے کہیں زیادہ تھکا ہوا۔
کبھی کبھی انسان کو سب سے زیادہ تھکاوٹ کام سے نہیں... لوگوں کے رویوں سے ہوتی ہے۔

☆☆☆

رات ایک بار پھر پورے گھر پر اتر آئی تھی۔
کھانے کے بعد گھر کی رونق آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ ڈائننگ ٹیبل صاف ہو چکی تھی، برتن دھل چکے تھے اور ڈرائنگ روم کی روشنیاں مدھم کر دی گئی تھیں۔ ہر کوئی اپنی تھکن لیے اپنے اپنے کمروں میں جا چکا تھا۔
گھر کی راہداری میں اب صرف ہلکی سی خاموشی تھی اور دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔
مریم بھی سارے کام ختم کرنے کے بعد آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس کے جسم میں تھکن تھی مگر دل کی تھکن اس سے کہیں زیادہ گہری تھی۔ پورا دن مسلسل کام، ڈانٹ اور خاموشی میں گزرا تھا۔
جیسے ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھولا، ظہیر پہلے سے بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔
کمرے کی ہلکی زرد روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے موبائل اسکرول کر رہا تھا جبکہ دوسرا

ہاتھ سر کے پیچھے ٹکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بے زاری اور تھکن صاف نظر آ رہی تھی۔

مریم خاموشی سے اندر آئی۔

اس نے ہمیشہ کی طرح کوئی آواز نہیں کی، بس آہستہ سے اپنے دوپٹے کا پلو ٹھیک کیا اور الماری کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

کمرے میں عجیب سی خاموشی تھی... ایسی خاموشی جو انسان کے دل پر بوجھ ڈالنے لگتی ہے۔

مریم نے ایک لمحے کے لیے ظہیر کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی... شاید صرف ایک عام سی بات، تاکہ ماحول تھوڑا نارمل ہو جائے۔

وہ آہستہ سے بولی،

"آپ... کل کون سے کپڑے پہنیں گے آفس کے لیے؟ میں نکال دوں؟"

اس کی آواز میں ہمیشہ کی طرح نرمی اور خیال تھا۔

لیکن ظہیر نے فوراً موبائل سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی جھنجھلاہٹ تھی۔

"تم نے میری چیزوں کو ہاتھ کیوں لگایا تھا؟" اس کی آواز سخت تھی۔

مریم ایک دم سہم گئی۔

"میں نے... میں تو بس..."

"بس کیا؟" ظہیر نے غصے سے موبائل ایک طرف رکھا۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے میری چیزوں کو ہاتھ مت لگایا کرو!"

مریم کے ہاتھ بے اختیار کانپ گئے۔

"میں تو صرف—"

"مجھے نفرت ہے تم سے۔"

یہ الفاظ اتنے اچانک اور سخت تھے کہ مریم چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش رہ گئی۔

اسے لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر زور سے کچھ رکھ دیا ہو۔

ظہیر اب بھی غصے میں بولے جا رہا تھا۔

"سمجھ نہیں آتی تمہیں؟ مجھے تم سے نفرت ہے۔"

اس کی آواز میں تلخی تھی... ایسی تلخی جو سیدھا دل میں اترتی ہے۔

"دل کرتا ہے کہ تمہیں کہیں زندہ دفن کر دوں... کہیں دور پھینک دوں... تاکہ تم میری زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جاؤ!"

کمرے کی فضا ایک دم بوجھل ہوگئی۔

مریم کے کانوں میں جیسے شور سا بھر گیا۔

اس کے لیے سانس لینا مشکل ہونے لگا۔

وہ خاموش کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ نم ہونے لگیں مگر اس نے فوراً نظریں جھکا لیں تاکہ ظہیر اس کے آنسو نہ دیکھ سکے۔

اس کے دل میں ہزار سوال اٹھ رہے تھے۔

آخر اس نے ایسا کیا کیا تھا؟

کیا صرف کسی کا خیال رکھنا اتنا بڑا جرم تھا؟

وہ صرف اس کے کپڑوں کے بارے میں پوچھ رہی تھی... صرف اتنی سی بات۔

مگر بدلے میں اسے وہ الفاظ ملے جنہوں نے اس کے دل کو اندر تک زخمی کر دیا۔

کمرے میں چند لمحوں تک مکمل خاموشی چھائی رہی۔

ظہیر نے دوبارہ موبائل اٹھا لیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اور مریم...

وہ بس خاموشی سے کھڑی رہی۔

اس کے گالوں پر خاموش آنسو بہنے لگے۔

مگر اس نے کوئی آواز نہیں نکالی۔

نہ اس نے جواب دیا...

نہ شکایت کی...

نہ بددعا دی۔

وہ صرف خاموش ہوگئی۔

ایسی خاموشی جو چیخوں سے بھی زیادہ دردناک ہوتی ہے۔

وہ آہستہ سے پلٹی اور فرش پر بچھی اپنی چادر کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔
اس کے ہاتھ اب بھی ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔
اس نے چپکے سے اپنے آنسو صاف کیے تاکہ ظہیر کو نظر نہ آئیں۔
دل جیسے ٹوٹ کر بکھر چکا تھا، مگر وہ پھر بھی خاموش تھی۔
کیونکہ بعض لوگ رونا بھی سیکھ جاتے ہیں... بغیر آواز کے۔

☆☆☆

باب ہفتم:

رات اپنے پورے حسن کے ساتھ مری کی وادیوں پر اتر چکی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی مال روڈ کی روشن گلیوں میں بکھر رہی تھیں۔ دور دور تک پھیلی دھند نے پورے شہر کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا جیسے کسی نے سفید چادر اوڑھادی ہو۔ سڑک کے کنارے لگے زرد قمقمے دھند میں مدھم روشنی بکھیر رہے تھے، اور لوگوں کی ہنسی، بچوں کی آوازیں، چائے اور کافی کی خوشبو... سب مل کر اس رات کو کسی خوبصورت خواب جیسا بنا رہے تھے۔

ایسے حسین موسم میں ماہم اور ضرار خاموش قدموں سے مری کے مال روڈ پر چل رہے تھے۔ ان کے قدم آہستہ تھے، جیسے دونوں دل ہی دل میں چاہتے ہوں کہ یہ رات کبھی ختم نہ ہو۔

ماہم نے گہرے رنگ کی شال اپنے گرد لپیٹی ہوئی تھی۔ سرد ہوا بار بار اس کے بالوں کو چھیڑتی، اور وہ نرمی سے انہیں کان کے پیچھے کر لیتی۔ ضرار کبھی مال روڈ کی رونقوں کو دیکھتا اور کبھی چپکے سے ماہم کے چہرے کو۔ اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں عجیب سی گہرائی اتر آئی تھی۔

"یہ جگہ واقعی جادوئی ہے..." ماہم نے دھند میں لپٹی سڑک کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

ضرار نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ہلکا سا سر ہلایا۔

"ہاں... لیکن کچھ لوگ جگہوں کو بھی خوبصورت بنا دیتے ہیں..."

ماہم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

ضرار ہلکا سا مسکرایا۔

"مطلب یہ کہ... اگر آج تم ساتھ نہ ہوتیں، تو شاید یہ مال روڈ بھی اتنا خوبصورت نہ لگتا۔"

ماہم کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ وہ نظریں جھکا کر آگے بڑھ گئی، مگر اس کے دل کی دھڑکن جیسے اچانک تیز ہو گئی تھی۔

مال روڈ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ کہیں دوست تصویریں بنا رہے تھے، کہیں خاندان خوشی سے گھوم رہے تھے۔ دکانوں کے شیشوں پر پڑتی روشنیاں دھند میں عجیب سا منظر پیدا کر رہی تھیں۔ ہر دکان کسی الگ دنیا کا دروازہ

لگ رہی تھی۔

ماہم ایک دکان کے سامنے رک گئی جہاں خوبصورت شالیں اور کپڑے سجے ہوئے تھے۔ اس نے بڑی محبت سے ایک ہلکے آسمانی رنگ کا سوٹ ہاتھ میں لیا۔

"یہ مریم پر بہت اچھا لگے گا..." اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دوسری چیزیں دیکھنے لگی۔ کبھی میرا کے لیے کوئی خوبصورت چیز پسند کرتی، کبھی اپنی امی کے لیے گرم شال الگ رکھ دیتی۔ اس کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا، جیسے دوسروں کی خوشی خریدتے ہوئے وہ خود خوش ہو رہی ہو۔

ضرار خاموشی سے اسے دیکھتا تھا۔

اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ کچھ لوگ واقعی بہت خوبصورت دل رکھتے ہیں۔

"تمہیں پتا ہے؟" ضرار نے اچانک کہا۔

"تم خود سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھتی ہو..."

ماہم چند لمحے خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی،

"اپنے لوگ خوش ہوں نا... تو دل خود بخود خوش ہو جاتا ہے..."

ضرار اس کی بات سن کر بس خاموش ہو گیا۔

کبھی کبھی چند سادہ لفظ انسان کے دل میں بہت گہرائی تک اتر جاتے ہیں۔

سردی بڑھنے لگی تو دونوں ایک خوبصورت ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ اندر ہلکی زرد روشنی، لکڑی کی دیواریں، نرم موسیقی اور کافی کی خوشبو ماحول کو بے حد پر سکون بنا رہی تھی۔ شیشے کی دیوار کے اُس پار دھند میں لپٹا مال روڈ کسی خواب جیسا لگ رہا تھا۔

ماہم کھڑکی کے قریب بیٹھی باہر گرتی دھند کو دیکھ رہی تھی، جبکہ ضرار کی نظریں بار بار اس کے چہرے پر ٹھہر جاتی تھیں۔

"اتنا کیوں دیکھ رہے ہو؟" ماہم نے ہلکی شرمندگی سے پوچھا۔

ضرار نے دھیرے سے مسکرا کر کہا،

"بس یہ سوچ رہا ہوں... کچھ لوگ انسان کی زندگی میں سکون بن کر کیوں آتے ہیں..."

ماہم خاموش ہو گئی۔

اس کے دل میں جیسے کسی نے نرم سی دستک دی ہو۔

کھانے کے دوران دونوں کبھی ہنستے، کبھی خاموش ہو جاتے، اور کبھی ایک دوسرے کو بس دیکھ کر مسکرا دیتے۔ باہر سرد ہوا چل رہی تھی، مگر اندر ان لمحوں کو محسوس کرتے ہوئے اُن کے دلوں کو عجیب سا سکون مل رہا تھا۔

کافی دیر گھومنے پھرنے کے بعد جب رات مزید گہری ہونے لگی تو دونوں واپس جانے لگے۔ مال روڈ کی روشنیاں اب دھند میں مدھم پڑ رہی تھیں۔ لوگ کم ہو گئے تھے، اور سرد ہوا پہلے سے زیادہ ٹھنڈی لگ رہی تھی۔

چلتے چلتے ماہم اچانک رک گئی۔

"کیا ہوا؟" ضرار نے فکر سے پوچھا۔

ماہم نے دھند میں ڈوبی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا،

"کاش... کچھ لمحے ہمیشہ کے لیے رک جاتے..."

ضرار چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر بہت دھیمی آواز میں بولا،

"اگر ساتھ اچھا ہو... تو لمحے نہیں، یادیں ہمیشہ رہ جاتی ہیں..."

ماہم نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا۔

اور اس لمحے، دھند میں لپٹی اُس سرد رات میں، دونوں کے درمیان کچھ ان کہے احساسات خاموشی سے جنم لے چکے تھے۔

☆☆☆

صبح کی نرم دھوپ پورے لان میں پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا پھولوں کی خوشبو اپنے ساتھ لیے آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ لان میں لگے رنگ برنگے پھول اور سبز پودے ماحول کو ایک عجیب سا سکون دے رہے تھے۔ عزرا بیگم آج کافی دنوں بعد کچھ بہتر محسوس کر رہی تھیں، اسی لیے وہ ننھی میرا کے ساتھ لان میں وقت گزار رہی تھیں۔

میرا کبھی ان کے آگے بھاگتی، کبھی ہنستے ہوئے پھول توڑنے کی ضد کرتی تو کبھی عزرا بیگم کا ہاتھ پکڑ کر گھاس پر گھومنے لگتی۔ عزرا بیگم اس کی معصوم حرکتوں پر ہلکا سا مسکرا دیتیں۔ ان کی آنکھوں میں تھکن تو تھی، مگر میرا کی ہنسی شاید ان کے دل کا بوجھ کچھ لمحوں کے لیے کم کر رہی تھی۔

"امی... دیکھیں میں کتنا تیز بھاگ سکتی ہوں!" میرا خوشی سے چلاتے ہوئے دوڑی۔

عزرا بیگم نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اسے دیکھا۔

"آہستہ میرا... گر جاؤ گی بیٹا۔"

لیکن اچانک عزرا بیگم کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ ان کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔ انہیں محسوس ہوا جیسے ان کے ارد گرد سب کچھ گھوم رہا ہو۔ انہوں نے اپنے سر کو تھامنے کی کوشش کی، مگر ان کا توازن بگڑ چکا تھا۔

"امی...؟" میرا نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

اگلے ہی لمحے عزرا بیگم بے جان سی ہو کر قریب لگے پودوں اور پھولوں پر جا گریں۔ گلاب کی شاخیں بکھر گئیں اور نرم گھاس پر ان کا وجود بے حس پڑا تھا۔

میرا یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔ اس کی معصوم آنکھوں میں فوراً آنسو بھر آئے۔ وہ زور زور سے چیخنے لگی۔

"بابا... بابا جلدی آئیں... امی گر گئی ہیں!"

اس وقت عبد الرحمان اپنے کمرے میں آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ وہ اپنی گھڑی باندھ ہی رہے تھے کہ، اچانک میرا کی خوفزدہ چیخ اس کے کانوں میں پڑی۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"میرا؟!"

وہ گھبرا کر فوراً کمرے سے باہر نکلا اور تیزی سے لان کی طرف بھاگا۔ صبح کا پر سکون ماحول ایک لمحے میں بے چینی میں بدل چکا تھا۔

لان میں پہنچتے ہی اس کی نظر زمین پر پڑی عزرا بیگم پر گئی۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

"یا اللہ..."

وہ فوراً ان کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور انہیں سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی۔

"عزرا بیگم...!" اُن کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

"عزرا... آنکھیں کھولو... تمہیں کیا ہوا؟"

اس نے بے چینی سے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"عزرا! پلیز اٹھو... مجھے ڈراؤ مت..."

لیکن عزرا بیگم بالکل خاموش تھیں۔ ان کی بند آنکھیں اور بے حس وجود عبد الرحمان کے دل میں خوف بھر رہا تھا۔

میرا روتے ہوئے عبد الرحمان کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی۔

"بابا... امی کیوں نہیں اٹھ رہیں...؟"

عبد الرحمان کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ اُن کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ بار بار عزرا بیگم کو جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"عزرا! میری بات سنو... آنکھیں کھولو!"

مگر کوئی جواب نہیں آیا۔

گھر کے اندر اقراش ابھی تک گہری نیند میں تھا، اسے باہر ہونے والے اس قیامت جیسے منظر کا کچھ اندازہ نہیں تھا... جبکہ لان میں عبد الرحمان کے چہرے پر خوف، بے بسی اور ٹوٹ جانے کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔

عبد الرحمان کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے، مگر اس وقت گھبرانے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے فوراً عزرا بیگم کو اپنی بانہوں کا سہارا دیا اور جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا۔ میرا مسلسل روئے جا رہی تھی اور خوفزدہ نظروں سے کبھی اپنی امی کو دیکھتی تو کبھی اپنے باپ کو۔

"بابا... امی ٹھیک ہو جائیں گی نا...؟" میرا کی بھری ہوئی آواز نے عبد الرحمان کا دل چیر کر رکھ دیا۔

اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور میرا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کچھ نہیں ہو گا انہیں... اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

حالانکہ اس کے اپنے دل میں خوف طوفان کی طرح اٹھ رہا تھا۔

انہوں نے میرا کو بھی ساتھ لیا، کیونکہ گھر میں اکیلا چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔ اقراش ابھی تک گہری نیند میں تھا، اور عبد الرحمان جانتے تھے کہ اقراش ایک بار سو جائے تو آسانی سے اٹھنے والا نہیں۔

گاڑی سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ عبد الرحمان بار بار بے چینی سے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالتا جہاں عذرا بیگم بے حس پڑی تھیں۔ ان کا چہرہ عجیب حد تک سفید ہو چکا تھا۔

"عذرا... پلیز آنکھیں کھولو..." وہ دھیمی مگر ٹوٹی ہوئی آواز میں بار بار کہہ رہے تھے۔

میرا اپنی امی کا ہاتھ پکڑے سسک رہی تھی۔

"امی... مجھے ڈر لگ رہا ہے..."

ہسپتال پہنچتے ہی عبد الرحمان نے جلدی سے گاڑی روکی۔ چند نرسیں اور وارڈ بوائز فوراً اسٹریچر لے کر آئے اور عزرا بیگم کو ایمرجنسی روم کی طرف لے گئے۔

"سر، آپ باہر انتظار کریں۔" ڈاکٹر نے جلدی سے کہا۔

عبد الرحمان بے بسی سے دروازے کے باہر کھڑے رہ گئے۔ اُن کے چہرے پر شدید پریشانی تھی۔ وہ بار بار

اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر رہے تھے۔ میرا اُن کے ساتھ لگی خاموشی سے رو رہی تھی۔

ہسپتال کی سفید دیواریں اور ایمرجنسی وارڈ کی لائٹس ماحول کو مزید خوفناک بنا رہی تھیں۔ ہر گزرتا لمحہ عبدالرحمان کے لیے قیامت بن چکا تھا۔

اسی بے چینی میں اُنہوں نے فون نکالا۔ اُن کی انگلیاں ہلکی سی کانپ رہی تھیں۔ اس نے ماہم کا نمبر دیکھا مگر چند لمحوں کے لیے رک گئے۔

وہ جانتے تھے کہ ماہم اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون پر گئی ہوئی ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی خوشیوں میں خلل پڑے۔

"نہیں... اسے پریشان نہیں کرنا چاہیے..." اُنہوں نے خود سے کہا۔

لیکن اگلے ہی لمحے اُن کی نظریں ایمرجنسی روم کے بند دروازے پر پڑیں اور اُن کا ضبط ٹوٹنے لگا۔ آخر کار اُنہوں نے کانپتے ہاتھوں سے کال ملا دی۔

چند بیلز کے بعد مریم نے فون اٹھایا۔

"ہیلو بابا؟ سب خیریت ہے نا؟"

عبدالرحمان چند لمحے خاموش رہے۔ جیسے الفاظ اُن کے گلے میں اٹک گئے ہوں۔ پھر بمشکل بول اُٹھے،

"مریم... تمہاری امی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے... ہم ہسپتال میں ہیں..."

"کیا؟!" مریم کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔

"بابا آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟!"

مریم کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔

اچھا بابا میں آ رہی ہو آپ لوکیشن بیجھے۔"

کال ختم ہوتے ہی عبدالرحمان دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کی آنکھوں میں بے بسی صاف جھلک رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ہسپتال کے کوریڈور میں تیز قدموں کی آواز گونجی۔ مریم جلدی جلدی وہاں پہنچی، اس کے ساتھ بتول اور قدسیہ بھی تھے۔

"بابا" مریم تقریباً بھاگتی ہوئی عبدالرحمان کے پاس آئی۔

اس نے پریشانی سے پوچھا،

"امی؟ کیا ہوا انہیں؟"

عبد الرحمان نے تھکی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پتہ نہیں... اچانک لان میں گر گئیں..."

مریم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے میرا کو اپنی بانہوں میں لے لیا جو ابھی تک سہم کر رو رہی تھی۔

قدسیہ نے آگے بڑھ کر عبد الرحمان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"حوصلہ رکھو... ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔"

لیکن عبد الرحمان کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھ چکا تھا۔

ایمر جنسی روم کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی پوری دنیا انہی چند لمحوں میں سمٹ کر رہ گئی ہو....

ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ کے باہر ہر گزر تا لمحہ عبد الرحمان پر بھاری ہو رہا تھا۔ اُن کی نظریں مسلسل اُس بند دروازے پر جمی ہوئی تھیں، جہاں عذرا بیگم کو لے جایا گیا تھا۔ میرا مریم کے ساتھ خاموش بیٹھی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں خوف اب بھی واضح تھا۔

کوریڈور میں عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی، صرف مشینوں کی آوازیں اور لوگوں کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

اچانک ایمر جنسی روم کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر باہر آیا۔

"عبد الرحمان صاحب؟"

عبد الرحمان فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی... جی ڈاکٹر، میں ہی ہوں۔"

ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل بند کی اور نسبتاً مطمئن لہجے میں بولا،

"آپ پریشان مت ہوں۔ پیشنٹ کا بلڈ پریشر اچانک کافی لو ہو گیا تھا، اسی وجہ سے انہیں چکر آیا اور وہ بے ہوش ہو گئیں۔ باقی الحمد للہ ان کی رپورٹس نارمل ہیں، کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔"

یہ سنتے ہی عبد الرحمان نے جیسے سکون کا لمبا سانس لیا۔ ایسا لگا جیسے اس کے سینے پر رکھا بھاری پتھر تھوڑا ہلکا ہو گیا ہو۔

"سچ ڈاکٹر؟ وہ ٹھیک ہیں نا؟" اس کی آواز میں اب بھی بے چینی موجود تھی۔

ڈاکٹر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"جی، اب وہ ہوش میں ہیں۔ بس انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ زیادہ ٹینشن یا کمزوری سے بچائیں۔ آپ چاہیں تو انہیں گھر لے جاسکتے ہیں۔"

مریم نے بھی سکون کا سانس لیا۔

"الحمدللہ..." اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

میرا فوراً خوش ہو کر بولی،

"میں نے کہا تھا نا امی ٹھیک ہو جائیں گی!"

عبدالرحمان کی آنکھوں میں ہلکی نمی آ گئی۔ شاید خوف ابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔

وہ ڈاکٹر کے ساتھ ایک طرف جا کر مزید بات کرنے لگا۔

"ڈاکٹر، واقعی کوئی اور مسئلہ تو نہیں؟ وہ کافی دنوں سے کمزور لگ رہی تھیں..."

ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا،

"انہیں اپنا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ وقت پر کھانا، آرام اور ذہنی سکون بہت ضروری ہے۔ ابھی فی الحال فکر کی کوئی بات نہیں۔"

عبدالرحمان خاموشی سے سر ہلاتے رہے، مگر اُن کے دل میں کہیں نہ کہیں ایک انجانا سا خوف اب بھی باقی تھا۔

کچھ دیر بعد نرس عزرا بیگم کو وہیل چیئر پر باہر لے آئی۔

عزرا بیگم کمزور تو لگ رہی تھیں، مگر اب ہوش میں تھیں۔ ان کی نظریں جیسے ہی عبدالرحمان پر پڑیں، وہ ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کرنے لگیں۔

عبدالرحمان فوراً ان کے قریب آئے۔

"آپ نے تو میری جان ہی نکال دی تھی..." اُن کی آواز میں شکایت کم اور محبت و خوف زیادہ تھا۔

عذرا بیگم نے دھیمی آواز میں کہا،

"میں ٹھیک ہوں... بس ذرا سے چکر آ گئے تھے۔"

"ذرا؟" عبدالرحمان نے بے بسی سے ہنستے ہوئے کہا،

"آپ بے ہوش ہو کر گر گئیں اور کہہ رہی ہیں ذرا چکر تھا!"

مریم بھی قریب آگئی۔

"آپ ہمیں ڈرا کر ہی مانیں گی شاید..."

عذرا بیگم نے شرمندگی سے نظریں جھکالیں۔

میرا فوراً ان کے گلے لگ گئی۔

"امی آپ دوبارہ ایسے مت گرنا... مجھے بہت ڈر لگا تھا۔"

عزرا بیگم نے کانپتے ہاتھ سے اس کے سر پر پیار کیا۔

"نہیں کروں گی ایسے اب میری بچی..."

اس لمحے سب کے چہروں پر سکون تو تھا، مگر دن بھر کا خوف اب بھی کہیں نہ کہیں موجود تھا۔

عبدالرحمان نے احتیاط سے عزرا بیگم کو سہارا دیا اور گاڑی تک لے گئے۔ مریم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تاکہ راستے میں عزرا بیگم کا خیال رکھ سکے۔

رات کی ٹھنڈی ہوا میں گاڑی خاموشی سے سڑک پر چل رہی تھی۔ اس بار گاڑی میں پہلے جیسی گھبراہٹ نہیں تھی، مگر خاموشی میں دن بھر کی پریشانی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ سب گھر پہنچ گئے۔

گھر کے دروازے کھلتے ہی عبدالرحمان نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے آج کی سب سے بڑی آزمائش ختم ہوئی ہو۔

وہ آہستگی سے عذرا بیگم کو اندر لے کر چلے گئے، جبکہ مریم ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ گھر کی خاموش دیواروں میں اب بھی دن کے خوف کی پرچھائیاں باقی تھیں... مگر ایک بات سب کے دل میں مشترک تھی — آج وہ عذرا بیگم کو کھونے کے خوف سے پہلی بار واقعی ڈر گئے تھے۔

☆☆☆

دین اپنے اختتام کو پہنچا اور رات نے اپنی پہلی جھلک دکھائی، ہسپتال کی بھاگ دوڑ، خوف اور پریشانی کے بعد اب گھر کا ماحول پہلے سے کچھ پُرسکون لگ رہا تھا۔ عزرا بیگم کو دوائی دے کر کمرے میں آرام کرنے کے لیے لٹا دیا گیا تھا۔ ان کے چہرے پر کمزوری اب بھی واضح تھی، مگر پہلے سے بہتر محسوس ہو رہا تھا۔

عبدالرحمان بار بار ان کا حال پوچھنے جا رہے تھے، جبکہ مریم خاموشی سے ان کے پاس بیٹھی ان کے ہاتھ دبا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد عذرا بیگم نے ہلکی آواز میں کہا،

"میں اب ٹھیک ہوں... تم لوگ بھی آرام کرو۔"

مریم نے ان کی پیشانی چوم لی۔

"آپ بس اپنا خیال رکھیں امی..."

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ شاید سب آج کے خوف سے اب بھی باہر نہیں نکل پائے تھے۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے..." قدسیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

مریم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"ہاں، رات ہونے والی ہے۔"

وہ تینوں گھر کے لیے روانہ ہو گئیں۔

راستے بھر خاموشی چھائی رہی۔ گاڑی کے شیشوں سے باہر رات کی سنسان سڑکیں گزر رہی تھیں، جبکہ اندر عجیب سا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔

گھر پہنچتے ہی بتول نے تھکے ہوئے انداز میں اپنا بیگ صوفے پر پھینکا۔ اس کے چہرے پر چڑچڑاہٹ صاف نظر آ رہی تھی۔ شاید پورے دن کی تھکن اور غصہ اس کے اندر جمع ہو چکا تھا۔

مریم ابھی دروازہ بند کر رہی تھی کہ اچانک بتول نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ہٹو ہمارے سامنے سے!"

مریم لڑکھڑا کر نیچے گر گئی۔ اس کے ہاتھ فرش سے ٹکرائے اور درد کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔

وہ حیرت سے بتول کو دیکھنے لگی۔

"بتول... یہ کیا—"

"بس!" بتول نے چیخ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"سارا دن تم لوگوں کے ڈرامے سن سن کر دماغ خراب ہو گیا ہے!"

قدسیہ خاموش کھڑی تھی، مگر اس کی نظریں عجیب سی تھیں۔

بتول نے نفرت بھرے لہجے میں کہا،

"جا کر اپنی امی کو سنبھالو... پتا نہیں وہ کب مریں گی!"

یہ الفاظ سنتے ہی مریم کا چہرہ زرد پڑ گیا۔
اس کے دل پر جیسے کسی نے خنجر چلا دیا ہو۔
"بتول...!" اس کی آواز کانپ گئی،
"آپ مجھے کچھ بھی بول لیں... لیکن میری امی کے لیے ایسی بات مت کریں۔"
لیکن بتول تو جیسے حد پار کر چکی تھی۔
"اوہ، تو اب ہمیں جواب بھی دو گی؟" وہ طنزیہ ہنسی۔
"اللہ کرے جلدی تمہاری ماں مر جائے تاکہ یہ روز روز کے ڈرامے ختم ہوں!"
مریم کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔ اس کے اندر سب کچھ ٹوٹنے لگا تھا۔
پورا دن خوف، پریشانی اور اپنی ماں کے لیے بے چینی میں گزارنے کے بعد اب یہ الفاظ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔
وہ بمشکل کھڑی ہوئی۔ اس کی آواز کمزور تھی مگر اس بار اس نے اپنی ماں کے لیے ہمت کی۔
"آپ... آپ مجھے جتنا برا کہنا چاہیں کہیں..." اس کی آنکھوں سے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے،
"لیکن میری امی کے بارے میں ایک لفظ بھی مت بولیں..."
بتول غصے سے اس کے قریب آئی۔
"ہمارے سامنے زبان چلاتی ہو؟!"
اگلے ہی لمحے اس نے مریم کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔
"آئندہ ہمارے سامنے زبان لڑائی نا... تو اچھا نہیں ہو گا تمہارے لیے!"
مریم درد سے سسک اٹھی۔
"چھوڑیں... پلیز..."
لیکن بتول کے چہرے پر ذرا رحم نہیں تھا۔
"اللہ کرے تمہاری ماں مر جائے!"
یہ الفاظ سنتے ہی مریم کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ گیا۔
اس نے روتے ہوئے بتول کا ہاتھ جھٹکا اور پہلی بار غصے میں بول اٹھی،
"اگر آپ میری امی کو بد دعا دیں گی نا... تو اللہ کرے آپ کی امی بھی—"

"مریم!"

اچانک دروازہ زور سے کھلا۔

باہر سے ظہیر آفس سے واپس آیا تھا۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا، اس کی نظر بکھرے ہوئے منظر پر پڑی۔ مریم کی آنکھوں میں آنسو تھے، بال بکھرے ہوئے تھے، جبکہ بتول فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

لیکن اگلے ہی لمحے قدسیہ نے موقع کا فائدہ اٹھایا۔

وہ فوراً رونے کا ڈرامہ کرتے ہوئے بولی،

"دیکھو ظہیر! ہم اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتے ہیں اور یہ ہمیں بد دعائیں دے رہی ہے!"

بتول بھی فوراً رونے لگی۔

"میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ یہ میری امی کے مرنے کی بد دعا دے رہی ہے!"

ظہیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

اس کی نظریں سیدھا مریم پر جا رکیں۔

"یہ سب کیا ہے؟!" اس کی آواز پورے گھر میں گونجی۔

مریم نے روتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

"ظہیر... میری بات سنیں، انہوں نے پہلے—"

"بس!" ظہیر نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔

وہ تیزی سے اس کے قریب آیا اور سختی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایسی زبان استعمال کرنے کی؟!"

مریم درد سے سہم گئی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا... انہوں نے امی کے لیے—"

لیکن ظہیر اس وقت شدید غصے میں تھا۔

وہ اسے تقریباً کھینچتے ہوئے کمرے کی طرف لے گیا۔

مریم کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

وہ اندر سے پوری طرح ٹوٹ چکی تھی۔

آج پہلی بار اس نے اپنی ماں کے لیے آواز اٹھائی تھی... مگر بدلے میں اسے صرف الزام، ذلت اور غصہ ملا تھا۔
کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوا اور باہر پورے گھر میں ایک خوفناک خاموشی پھیل گئی... جبکہ اندر مریم کا دل بری طرح بکھر چکا تھا۔
کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوتے ہی مریم خوف سے پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو مسلسل بہہ رہے تھے اور سانس بری طرح خراب ہو رہا تھا۔
"ظہیر... میری بات سنیں، پلیز..." اس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔
لیکن ظہیر اس وقت غصے میں اندھا ہو چکا تھا۔
اس کی آنکھوں میں شدید غصہ بھرا ہوا تھا۔ اس نے بغیر کچھ سنے اپنی کمر سے بیلٹ نکالی۔ بیلٹ کے بکل کی آواز سن کر مریم کا دل دہل گیا۔
"آج تمہیں تمہاری زبان کا حساب دوں گا!" ظہیر غصے سے چیخا۔
مریم فوراً اس کے قریب آئی، اس کے ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔
"خدا کے لیے... میری بات سن لیں... میں نے صرف امی کے لیے—"
لیکن اگلے ہی لمحے بیلٹ پوری طاقت سے اس کے کندھے پر پڑھی۔
"آہہ!"
ایک دردناک چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔
مریم بری طرح زمین پر گر گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
"ظہیر... پلیز... مت ماریں..."
مگر ظہیر جیسے کچھ سن ہی نہیں رہا تھا۔
اس نے دوبارہ بیلٹ اٹھائی اور مسلسل مریم پر برسانے لگا۔ ہر وار کے ساتھ مریم کی چیخیں اور سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔
باہر دروازے کے اُس پار قدسیہ اور بتول کھڑی تھیں۔
ان کے چہروں پر افسوس نہیں... بلکہ عجیب سی تسکین تھی۔
بتول نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا،
"اب آئے گا مزہ... بہت زبان چلانے لگی تھی۔"

قدسیہ نے بھی سرد لہجے میں کہا،

"ایسی عورتوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔"

اندر مریم زمین پر گری ہوئی تھی۔ اس کے بازوؤں، کندھوں اور پیٹھ پر نیل پڑ چکے تھے۔

وہ ہر بار ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتی۔

"پلیز... اللہ کے لیے چھوڑ دیں... بہت درد ہو رہا ہے..."

مگر ظہیر کے کانوں تک شاید اس کی کوئی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔

ایک وار اس کے چہرے کے قریب لگا۔ مریم کے لب پھٹ گئے اور خون بہنے لگا۔

اس نے کانپتے ہاتھ سے اپنا منہ تھاما۔ اس کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا..." وہ روتے ہوئے بولی،

"میں نے صرف اپنی ماں کے لیے آواز اٹھائی تھی..."

لیکن جواب میں ایک اور وار آیا۔

آخر کار جب ظہیر کا غصہ کچھ کم ہوا تو وہ تیز سانسیں لیتا ہوا پیچھے ہٹا۔

مریم زمین پر بے جان سی پڑی تھی۔

اس کے کپڑے بکھر چکے تھے، بال الجھے ہوئے تھے، اور چہرے پر بہتے آنسو خون کے ساتھ مل رہے تھے۔

اس میں اتنی بھی ہمت نہیں بچی تھی کہ وہ خود اٹھ سکے۔

وہ درد سے کراہتے ہوئے زمین پر پڑی رہی۔

"ظہیر..." اس نے بہت دھیمی آواز میں پکارا،

"مجھے... بہت درد ہو رہا ہے..."

لیکن ظہیر نے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی۔

وہ غصے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

مریم کی سسکیاں اب بھی کمرے سے باہر آ رہی تھیں۔

ظہیر سیدھا جا کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اس کے چہرے پر غصہ تو تھا، مگر ذرا بھی نرمی نہیں تھی۔

اس نے سرد لہجے میں کہا،

"بتول، کھانا لاؤ۔"

پھر بے حسی سے بولا،

"اور اُسے وہیں پڑا رہنے دو۔"

بتول فوراً کھانا لگانے لگی، جبکہ قدسیہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

کمرے کے اندر مریم اب بھی زمین پر گری ہوئی تھی۔

وہ کوشش کرتی کہ اٹھ جائے... مگر اس کے جسم میں جان ہی نہیں بچی تھی۔

اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ سانس لیتے ہوئے بھی اسے درد محسوس ہو رہا تھا۔

وہ روتے روتے گڑگڑاتی رہی۔

"کوئی... مجھے اٹھا دے..."

لیکن اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔

پورا گھر اس کی سسکیوں سے گونج رہا تھا، مگر کسی کے دل میں رحم نہیں آیا۔

رات آہستہ آہستہ گہری ہوتی گئی۔

کمرے کی ٹھنڈی زمین پر پڑی مریم خود کو بے حد اکیلا محسوس کر رہی تھی۔

اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی، اس کی عزت، اس کا وجود... سب کچھ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہو۔

وہ اپنی ماں کو یاد کر کے اور زیادہ ٹوٹ گئی۔

"امی..." اس کے لبوں سے سسکی نکلی،

"مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے..."

مگر جواب میں صرف خاموشی تھی۔

اور اُس خاموشی میں مریم کی ٹوٹی ہوئی سسکیاں دیر تک گونجتی رہیں...

رات مزید گہری ہو چکی تھی۔

گھر کے ہر کونے میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی، مگر اُس خاموشی کے پیچھے مریم کی دبی دبی سسکیاں مسلسل گونج رہی تھیں۔

ڈائننگ ٹیبل پر کھانا ختم ہو چکا تھا۔ بتول برتن سمیٹ رہی تھی جبکہ قدسیہ صوفے پر بیٹھی فون استعمال کر رہی تھی۔ جیسے کمرے میں کسی انسان کی نہیں، صرف ایک بے جان چیز کی چیخیں آ رہی ہوں۔

مریم اب بھی اپنے کمرے کی ٹھنڈی زمین پر گری ہوئی تھی۔
اس کے جسم میں اتنا درد تھا کہ ہلکا سا سانس لینا بھی مشکل لگ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ چکے تھے، چہرہ آنسوؤں اور خون سے بھیگا ہوا تھا، اور ایک ہاتھ بری طرح مڑا ہوا تھا۔
شاید واقعی اُس کا ہاتھ ٹوٹ چکا تھا...
مگر کسی نے پرواہ نہیں کی۔
وہ بار بار کانپتی آواز میں کہتی،
"پانی... پلیز کوئی مجھے پانی دے دے..."
اس کی آواز اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ خود اُسے بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ بول رہی ہے یا صرف دل میں چیخ رہی ہے۔
"کوئی... مجھے اٹھا دے..."
لیکن باہر بیٹھے لوگوں کے دل پتھر بن چکے تھے۔
بتول نے ایک لمحے کے لیے کمرے کی طرف دیکھا بھی، مگر فوراً بے رخی سے نظریں پھیر لیں۔
"ڈرامے کر رہی ہے۔"
قدسیہ نے سرد لہجے میں کہا،
"ایسی عورتوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے تاکہ زبان قابو میں رہے۔"
یہ الفاظ مریم کے کانوں تک پہنچے تو اُس کی آنکھوں سے مزید آنسو بہنے لگے۔
اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ لوگ، جنہیں اُس نے اپنا گھر سمجھا تھا... آج اُس کے درد پر خوش ہو رہے تھے۔
کچھ دیر بعد ظہیر بھی اٹھ کر کمرے کی طرف آیا۔
دروازہ کھولتے ہی اُس کی نظر زمین پر پڑی مریم پر گئی۔
مریم بمشکل سانس لے رہی تھی۔
جیسے ہی اُس نے ظہیر کو دیکھا، اُس کی آنکھوں میں امید کی ایک آخری کرن جاگی۔
وہ درد سے کانپتے ہوئے بولی،
"ظہیر... پلیز... مجھے اٹھا دیں... بہت درد ہو رہا ہے..."
اس کی آواز اتنی کمزور تھی کہ سن کر کسی کا بھی دل پگھل سکتا تھا۔

لیکن ظہیر کے چہرے پر ذرا بھی نرمی نہیں آئی۔
اگلے ہی لمحے اُس نے غصے سے مریم کو زوردار لات ماری۔
"چپ رہو!"
مریم درد سے چیخ اٹھی۔
اس کے جسم میں جیسے دوبارہ بجلی سی دوڑ گئی۔
وہ دونوں ہاتھوں سے خود کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی، مگر ٹوٹے ہوئے جسم میں اتنی طاقت کہاں تھی۔
"پلیز..." وہ سسکی،
"میں مر جاؤں گی..."
مگر ظہیر نے نفرت سے اُس کی طرف دیکھا اور بے پرواہی سے جا کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔
اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور آرام سے سوشل میڈیا اسکرول کرنے لگا۔
کمرے کے ایک کونے میں مریم درد سے تڑپ رہی تھی... جبکہ دوسری طرف ظہیر ایسے بیٹھا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
چند لمحوں بعد اُس کے فون پر مناہل کی کال آئی۔
ظہیر کے چہرے پر فوراً نرمی آ گئی۔
"ہاں جان..." اُس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کال اٹھائی۔
مریم نے یہ آواز سنی تو اُس کا دل مزید ٹوٹ گیا۔
جو شخص اُس کی چیخوں پر نہ پگھلا... وہی کسی اور سے اتنی محبت سے بات کر رہا تھا۔
"کیا کر رہے ہو؟" مناہل نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔
ظہیر نے طنزیہ نظروں سے مریم کو دیکھا۔
"بس... تمہاری سوتن کو اُس کی اوقات یاد دلائی ہے۔"
منایل ہنس پڑی۔
"سچ؟ دکھاؤ مجھے۔"
ظہیر نے فوراً موبائل کا کیمرہ آن کیا اور مریم کی ویڈیو بنانے لگا۔
زمین پر پڑی مریم فوراً گھبرا گئی۔

"نہیں... پلیز ایسا مت کریں..."
وہ اپنے چہرے کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی، مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔
ویڈیو میں اُس کی سسکیاں، خون سے بھرے ہونٹ اور کانپتا ہوا وجود صاف نظر آ رہا تھا۔
ظہیر نے وہ ویڈیو مناہل کو بھیج دی۔
چند سیکنڈ بعد مناہل کی ہنسی فون پر گونجی۔
"واہ... آخر کار اُس کے ساتھ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔"
مریم نے یہ الفاظ سنے تو اُس کا دل جیسے مکمل طور پر مر گیا۔
مناہل نے مزید کہا،
"اِسے اور تڑپاؤ ظہیر... اتنا تڑپاؤ کہ خود ہی تمہیں چھوڑ کر چلی جائے۔"
ظہیر ہلکا سا ہنسا۔
"فکر مت کرو... اب یہ خود اپنی زندگی سے نفرت کرنے لگے گی۔"
مریم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔
وہ خاموشی سے زمین پر پڑی چھت کو دیکھ رہی تھی۔
اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کی زندگی اب ختم ہو چکی ہے۔
نہ کوئی اُس کا درد محسوس کرنے والا تھا...
نہ اُس کے آنسو پونچھنے والا...
نہ اُسے اٹھانے والا...
وہ بس خاموشی سے ٹوٹ رہی تھی۔
اور اُس کے سامنے بیٹھا شخص... جو کبھی اُس کا سہارا ہونا چاہیے تھا...
آج اُس کے زخموں پر ہنس رہا تھا۔

☆☆☆

رات کا آدھا حصہ گزر چکا تھا۔
پورا گھر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا، مگر اُس خاموش گھر کے ایک کمرے میں مریم اب بھی درد سے تڑپ رہی تھی۔
کھڑکی سے آتی ہلکی چاندنی اُس کے زخمی چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اُس کے آنسو اب بھی خاموشی سے بہہ رہے

تھے، مگر شاید اب رونے کی بھی طاقت ختم ہونے لگی تھی۔
کافی دیر تک زمین پر پڑے رہنے کے بعد آخر کار مریم نے ہمت کی۔
اس نے کانپتے ہاتھوں سے فرش کا سہارا لیا اور خود کو اٹھانے کی کوشش کی۔
"آہ..."
جیسے ہی اُس نے اپنے جسم پر زور ڈالا، پورے وجود میں درد کی شدید لہر دوڑ گئی۔
اس کا ایک ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا، شاید واقعی ٹوٹ چکا تھا۔ پیٹھ اور کندھوں پر پڑے زخم جل رہے تھے۔
مگر پھر بھی... وہ آہستہ آہستہ اٹھ گئی۔
وہ ایسے چل رہی تھی جیسے اپنے جسم کو گھسیٹ رہی ہو۔
ہر قدم پر اُس کی سانس رکتی، آنکھوں سے آنسو نکلتے، مگر وہ پھر بھی آگے بڑھتی رہی۔
کمرے کے ایک کونے میں جائے نماز رکھی تھی۔
مریم کی نظریں اُس پر پڑیں تو اُس کا دل بھر آیا۔
وہ لڑکھڑاتے قدموں سے واش روم کی طرف گئی تاکہ وضو کر سکے۔
نل سے ٹھنڈا پانی جب اُس کے زخمی ہاتھوں پر پڑا تو وہ درد سے سہم گئی۔
اس کے ہونٹوں سے سسکی نکل گئی، مگر اُس نے وضو مکمل کیا۔
ہر بار پانی چہرے پر ڈالتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسے زخم دوبارہ تازہ ہو رہے ہوں۔
وضو کے بعد وہ بمشکل واپس آئی اور جائے نماز پر بیٹھ گئی۔
کھڑے ہونے کی طاقت اُس میں نہیں تھی، پھر بھی اُس نے خود کو سنبھالا۔
تکبیر باندھتے ہی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
وہ نفل ادا کرنے لگی... مگر درد کی وجہ سے اُس کا جسم کانپ رہا تھا۔
کبھی رکوع میں جاتے ہوئے وہ لڑکھڑا جاتی، کبھی سجدے میں اُس کے زخم چیخ اٹھتے۔
لیکن پھر بھی اُس نے نماز مکمل کی۔
جیسے ہی اُس نے سلام پھیرا... اُس کا ضبط ٹوٹ گیا۔
وہ جائے نماز پر ہی بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی۔
ایسا رونا... جیسے دل کے سارے زخم آنسوؤں میں بہہ رہے ہوں۔

"یااللہ..." اُس کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی،
"میں نے ایسا کیا گناہ کیا ہے...؟"
اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔
"میری کون سی خطا ہے جس کی اتنی بڑی سزا مل رہی ہے؟"
وہ بار بار اپنے آنسو صاف کرتی مگر آنسو تھے کہ رکتے ہی نہیں تھے۔
"یارب... میں نے سب کچھ برداشت کیا..."
اُس نے روتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔
"میں نے اپنے شوہر کی نفرت برداشت کی... اُس کی بے رخی برداشت کی... اُس کے ظلم برداشت کیے..."
اُس کی آواز ٹوٹنے لگی۔
"لیکن اب مجھ میں ہمت نہیں رہی..."
وہ سجدے میں جھک گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"اگر یہ میری آزمائش ہے... تو مجھے صبر دے دے میرے اللہ..."
چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اُس کے لب کانپے۔
"مگر مجھ سے اب یہ سب برداشت نہیں ہو گا... تو پھر مجھے قبر دے دے..."
یہ کہتے ہی اُس کی آواز رندھ گئی۔
"میں تھک گئی ہوں میرے اللہ..."
وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔
"بہت تھک گئی ہوں..."
اُس رات شاید پہلی بار اُس نے اپنے دل کا سارا درد اپنے رب کے سامنے رکھ دیا تھا۔
کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔
صرف مریم کی سسکیاں اور دیوار پر چلتی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔
کافی دیر تک رونے کے بعد اُس کی ہمت جواب دینے لگی۔
وہ جائے نماز کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی۔
اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

درد، کمزوری اور مسلسل رونے نے اُسے بالکل توڑ دیا تھا۔
وہ وہیں ٹھنڈی زمین پر لیٹ گئی۔
آنکھوں کے کناروں پر آنسو اب بھی موجود تھے۔
ہاتھ آج بھی دعا کی حالت میں تھے... جیسے وہ سوتے ہوئے بھی اپنے رب سے امید لگائے بیٹھی ہو۔
اور پھر... پتہ ہی نہیں چلا کہ کب رات گزر گئی۔
کب فجر کا وقت آیا...
کب اندھیرا ختم ہوا...
کب سورج کی پہلی روشنی کھڑکی سے اندر داخل ہوئی...
مریم کو کچھ محسوس نہیں ہوا۔
وہ بے جان سی زمین پر پڑی تھی... جیسے ایک رات میں اُس کی پوری زندگی تھک کر سو گئی ہو۔

☆☆☆

صبح کی ہلکی روشنی آہستہ آہستہ کمرے میں پھیل رہی تھی۔
کھڑکی کے پردوں سے سورج کی نرم کرنیں اندر آرہی تھیں، مگر اُس روشنی میں بھی مریم کی زندگی اندھیری لگ رہی تھی۔
وہ اب بھی زمین پر ہی پڑی تھی۔
رات بھر کے آنسو اُس کے چہرے پر خشک ہو چکے تھے۔ جائے نماز ایک طرف پڑی تھی، اور اُس کے قریب لیٹی ہوئی مریم بے حد کمزور دکھائی دے رہی تھی۔
اُس کی آنکھیں شاید کچھ لمحوں کے لیے لگی تھیں کہ اچانک—
"اٹھو!"
ایک زوردار لات اُس کے پہلو پر لگی۔
"آہہ!"
مریم درد سے سسک اٹھی۔
وہ گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی، مگر اُس کے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی۔
ظہیر اُس کے اوپر کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر نہ غصہ کم ہوا تھا، نہ بے رحمی۔

"اگر تم یہاں پڑی سوتی رہو گی تو ہمارا ناشتہ کون بنائے گا؟" اُس نے سخت لہجے میں کہا۔
"اٹھو اور جا کر ناشتہ بناؤ۔"

مریم کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔

اُس نے کانپتی آواز میں کہا،
"ظہیر... میری طبیعت بہت خراب ہے... میرا ہاتھ..."

وہ اپنا زخمی ہاتھ سنبھالتے ہوئے بولی،
"مجھے بہت درد ہو رہا ہے..."

لیکن ظہیر نے بے رخی سے اُس کی بات کاٹ دی۔

"ڈرامے بند کرو۔"

وہ سرد لہجے میں بولا،
"مجھے وقت پر آفس جانا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ واش روم کی طرف چلا گیا۔

مریم چند لمحے وہیں بیٹھی رہی۔ اُس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔

اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کا جسم اب مزید ہلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

لیکن پھر بھی... وہ آہستہ آہستہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔

اُس کے قدم بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔

ہر قدم پر اُس کے جسم کا درد بڑھ جاتا، مگر وہ پھر بھی خود کو گھسیٹتے ہوئے کچن تک لے گئی۔

کچن میں داخل ہوتے ہی اُس نے گہرا سانس لیا۔

سامنے رکھے برتن، چولہا اور ناشتے کا سامان دیکھ کر اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔

اُسے یاد آیا... کبھی وہ اسی گھر میں خوشی سے ناشتہ بنایا کرتی تھی۔
ظہیر کے لیے چائے بناتے ہوئے مسکراتی تھی۔
اُس کے پسندیدہ پراٹھے بناتی تھی۔

اور آج...

آج وہی ہاتھ کانپ رہے تھے۔

وہ بمشکل آٹا گوندھ رہی تھی۔ زخمی ہاتھ میں اتنا درد تھا کہ اُس کی آنکھوں سے بار بار آنسو نکل جاتے۔
چائے بناتے ہوئے گرم بھاپ اُس کے چہرے سے ٹکرائی تو اُسے اپنے زخم جلتے محسوس ہوئے۔
مگر اُس نے کسی طرح ناشتہ تیار کر لیا۔
چند لمحوں بعد وہ ٹرے اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل تک آئی۔
ٹرے اُس کے کانپتے ہاتھوں میں لرز رہی تھی۔
ظہیر موبائل دیکھتے ہوئے کرسی پر بیٹھا تھا۔
مریم نے خاموشی سے ناشتہ اُس کے سامنے رکھا۔
ایک لمحے کے لیے اُس کی نظریں مریم کے زخمی چہرے پر پڑیں... مگر اُس کے چہرے پر افسوس کا کوئی نشان نہیں آیا۔
وہ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔
مریم وہیں کھڑی رہی، شاید دل میں ایک چھوٹی سی امید لیے... کہ شاید وہ پوچھ لے،
"تم ٹھیک ہو؟"
مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔
صرف چمچوں کی آواز اور موبائل کی اسکرین کی روشنی تھی۔
کچھ دیر بعد ظہیر نے چائے ختم کی، اپنی گھڑی پہنی اور اٹھ گیا۔
"میں آفس جا رہے ہیں۔" اُس نے سرد لہجے میں کہا۔
پھر جیسے اچانک کچھ یاد آیا ہو، اُس نے مریم کی طرف دیکھ کر کہا،
"اور ہاں... اپنی شکل ٹھیک کر لینا۔ ایسے مت گھوما کرو۔"
یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔
دروازہ بند ہونے کی آواز پورے گھر میں گونج گئی۔
مریم خاموش کھڑی رہی۔
پھر آہستہ سے اُس کی ہمت جواب دے گئی۔
وہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنا زخمی ہاتھ سینے سے لگا کر رونے لگی۔
گھر میں اب مکمل خاموشی تھی...

مگر اُس خاموشی میں مریم کا ٹوٹا ہوا دل بہت زور سے چیخ رہا تھا۔

☆☆☆

مری کی صبح ہمیشہ کی طرح خوبصورت تھی۔

بادل پہاڑوں کے گرد ایسے لپٹے ہوئے تھے جیسے کسی نے سفید چادر اوڑھا دی ہو۔ ٹھنڈی ہوا درختوں سے ٹکراتی ہوئی ایک عجیب سا سکون دے رہی تھی۔

آج ماہم اور ضرار نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کولونیل ہیریٹیج(colonial heritage) جائیں گے۔

یہ جگہ مری کی اُن خوبصورت مقامات میں سے ایک تھی جہاں لوگ اپنے پیاروں کے ساتھ وقت گزارنے، گھومنے پھرنے اور خوبصورت یادیں بنانے آتے تھے۔

راستے بھر ماہم بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

"ضرار! دیکھیں نا بادل کتنے قریب لگ رہے ہیں!" اُس نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے خوشی سے کہا۔

ضرار ہلکا سا مسکرایا۔

"اگر تم کہو تو ایک بادل توڑ کر تمہیں دے دوں۔"

"اچھا جی؟" ماہم ہنس پڑی،

"پھر تو میں اسے اپنے کمرے میں سجا لوں گی۔"

دونوں کی ہنسی گاڑی میں گونجنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ کولونیل ہیریٹیج پہنچ گئے۔

وہاں کا ماحول بے حد خوبصورت تھا۔

چاروں طرف سبزہ، لکڑی سے بنی خوبصورت جگہیں، کافی کی خوشبو، لوگوں کی ہنسی، بچوں کی آوازیں... سب کچھ زندگی سے بھرا ہوا لگ رہا تھا۔

ماہم کبھی کسی جگہ تصویر بنواتی، کبھی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر خوش ہو جاتی۔

ضرار خاموشی سے اُسے دیکھتا رہتا۔

شاید اُسے ماہم کی یہی معصوم خوشیاں پسند تھیں۔

"یہاں آئس کافی بہت فیمس ہے، ٹرائی کریں؟" ضرار نے پوچھا۔

ماہم فوراً بولی،

"اگر آپ پلا رہے ہیں تو دو لے لیں!"

"مطلب تم صرف مفت چیزوں پر خوش ہوتی ہو؟" ضرار نے مذاق کیا۔

"بالکل!" ماہم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"آخر میں ایک معصوم غریب لڑکی ہوں۔"

ضرار اُس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

اُن دونوں نے وہاں خوب وقت گزارا۔

کبھی ساتھ بیٹھ کر کافی پیتے، کبھی دور پہاڑوں کو دیکھتے، کبھی ایک دوسرے کی تصویریں بناتے۔

ماہم کی آنکھوں میں آج عجیب سی چمک تھی۔

وہ واقعی خوش تھی۔

وہیں دوسری طرف...

ایک اور زندگی تھی۔

ایک ایسا گھر... جہاں روشنی تو تھی مگر سکون نہیں۔

جہاں لوگ تھے... مگر اپنا کوئی نہیں تھا۔

مریم اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی۔

صبح سے کام کرتے کرتے اُس کے زخم مزید دکھنے لگے تھے۔

ہاتھ اب بھی سوجا ہوا تھا، جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا، مگر اُس کے پاس آرام کرنے کا حق بھی نہیں تھا۔

وہ کبھی کھڑکی سے باہر دیکھتی... کبھی خاموشی سے آنسو صاف کر لیتی۔

اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کی زندگی ایک بند کمرہ بن چکی ہو... جہاں نہ خوشی داخل ہو سکتی ہے، نہ امید۔

ایک طرف ماہم تھی...

جو پہاڑوں کی ٹھنڈی ہوا میں زندگی کے حسین لمحے جی رہی تھی۔

اور دوسری طرف مریم تھی...

جو اس وقت اپنی زندگی کے سب سے کٹھن لمحے سہہ رہی تھی۔

دن ایک ہی تھا...

سورج ایک ہی تھا...
مگر قسمتوں کے موسم بالکل الگ تھے۔
کسی کے حصے میں محبت، ہنسی اور سکون آیا تھا...
اور کسی کے حصے میں خاموش درد، تنہائی اور بے بسی۔
مریم نے خاموشی سے اپنی نم آنکھیں بند کیں۔
شاید وہ بھی کبھی ایسے ہی ہنستی تھی...
کبھی اُس کے خواب بھی رنگین ہوا کرتے تھے...
مگر اب...
اب اُس کی زندگی صرف صبر کے سہارے چل رہی تھی۔

☆☆☆

دوپہر کا وقت تھا۔
گھر میں عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ ظہیر آفس جا چکا تھا اور مریم حسبِ معمول کچن میں کام کر رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر تھکن صاف نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے ہلکے مزید گہرے ہو چکے تھے، جبکہ کل رات کے زخم اب بھی اُس کے وجود پر تازہ تھے۔
وہ خاموشی سے برتن دھو رہی تھی، جیسے اب اُس نے درد کے ساتھ جینا سیکھ لیا ہو۔
ادھر ڈرائنگ روم میں بتول اور قدسیہ آرام سے بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔
بتول کے چہرے پر آج عجیب سی چمک تھی، جیسے اُس کے دماغ میں کوئی نئی چال چل رہی ہو۔
قدسیہ نے اُسے غور سے دیکھا۔
"کیا سوچ رہی ہو تم؟"
بتول نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کپ میز پر رکھا۔
"امی... میرے دماغ میں ایک بہت زبردست آئیڈیا آیا ہے۔"
قدسیہ کی دلچسپی فوراً جاگ گئی۔
"کیا؟"
بتول تھوڑا سا آگے جھکی اور دھیمی آواز میں بولی،

"کیوں نہ ہم مریم کو ہمیشہ کے لیے ظہیر کی نظروں سے گرا دیں؟"

قدسیہ کی آنکھیں سکڑ گئیں۔

"مطلب؟"

بتول کے ہونٹوں پر خطرناک مسکراہٹ آ گئی۔

"ہم کسی اجنبی مرد کو گھر میں بلاتے ہیں..." وہ آہستہ آہستہ بولی،

"اور پھر اُسے مریم کے کمرے میں بند کر دیتے ہیں۔"

قدسیہ چند لمحے خاموش رہی، پھر اُس کے چہرے پر بھی شیطانی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

بتول کہنے لگی،

"اور جیسے ہی ظہیر واپس آئے گا..."

اُس نے معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے کہا،

"وہ مریم کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھے گا۔"

قدسیہ اب پوری طرح اُس کی بات سمجھ چکی تھی۔

"پھر تو ظہیر اُسے کبھی معاف نہیں کرے گا..." اُس نے سرد لہجے میں کہا۔

"بالکل!" بتول خوشی سے بولی،

"وہ خود ہی مریم سے نفرت کرنے لگے گا... اور غصے میں اُس کی زندگی جہنم بنا دے گا۔"

پھر اُس نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا،

"اور ہمیں بھی مزہ آئے گا۔"

قدسیہ نے چائے کا کپ اٹھایا اور اطمینان سے ایک گھونٹ لیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو..." وہ آہستہ سے بولی،

"ویسے بھی مجھے اُس لڑکی کا معصوم چہرہ دیکھ کر غصہ آتا ہے۔"

بتول نے نفرت سے کہا،

"ہر وقت روتی رہتی ہے جیسے دنیا کی سب سے مظلوم عورت ہو۔"

قدسیہ سرد ہنسی ہنسی۔

"اب دیکھتے ہیں اُس کی معصومیت کیسے بچتی ہے۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔
اُن کے چہروں پر ایسی بے رحمی تھی کہ جیسے وہ کسی انسان کی نہیں... بلکہ کسی دشمن کی زندگی تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہوں۔

اور دوسری طرف...
مریم اب بھی کچن میں خاموشی سے کام کر رہی تھی۔
اُسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ اُس کے خلاف ایک اور سازش تیار کی جا رہی ہے۔
وہ تو بس اپنے زخم چھپاتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ شاید ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔
مگر اُسے نہیں معلوم تھا...
کہ کچھ لوگ اُس کی زندگی کو مزید برباد کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

☆☆☆

شام آہستہ آہستہ رات میں بدل رہی تھی۔
کھڑکیوں سے آتی نارنجی روشنی پورے گھر میں پھیل رہی تھی، مگر اُس روشنی کے باوجود اس گھر کے کچھ دل اندھیروں سے بھرے ہوئے تھے۔
ڈرائنگ روم میں بتول موبائل ہاتھ میں لیے کسی سے مسلسل بات کر رہی تھی۔ اُس کی آواز دھیمی تھی، مگر لہجے میں عجیب سی سنجیدگی اور چالاکی تھی۔
"دیکھو، تمہیں بس وہی کرنا ہے جو میں کہوں گی..." بتول نے آہستہ آواز میں کہا۔
"زیادہ کچھ نہیں... صرف تھوڑی دیر کے لیے اُس کے کمرے میں رہنا ہے۔ باقی سب ہم سنبھال لیں گے۔"
فون کے دوسری طرف موجود لڑکا شاید کچھ پوچھ رہا تھا۔
بتول ہلکا سا ہنس دی۔
"پیسے پورے ملیں گے... تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"
چند لمحوں بعد اُس نے کال بند کی اور قدسیہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔
"وہ مان گیا۔"
قدسیہ کے چہرے پر اطمینان آ گیا۔
"بہت اچھے... آج اُس مریم کا آخری دن ہو گا اس گھر میں۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈور بیل بجی۔

بتول فوراً اٹھ کر دروازے کی طرف گئی۔

دروازہ کھلتے ہی ایک نوجوان لڑکا سامنے کھڑا تھا۔

"آؤ اندر۔" بتول نے ارد گرد دیکھتے ہوئے اُسے جلدی سے اندر بلایا۔

لڑکا تھوڑا گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔

"دیکھیں... کہیں مسئلہ تو نہیں ہو گا؟"

"تم بس اپنا کام کرو۔" قدسیہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"باقی ہم سنبھال لیں گے۔"

کچھ دیر بعد وہ چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

بتول نے اُس لڑکے کے سامنے چائے رکھی۔

"پہلے آرام سے چائے پیو... پھر پلان سنتے ہیں۔"

لڑکا خاموشی سے کپ اٹھا لیتا ہے۔

بتول اُس کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں ساری بات سمجھانے۔

"دیکھو، ظہیر رات کو آفس سے واپس آئے گا..."

وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی،

"اُس سے پہلے ہم تمہیں مریم کے کمرے میں بھیج دیں گے۔"

لڑکے نے حیرانی سے پوچھا،

"اور اگر اُس لڑکی نے شور مچا دیا تو؟"

بتول فوراً بولی،

"وہ اتنی کمزور ہے کہ کچھ نہیں کر پائے گی۔"

قدسیہ طنزیہ انداز میں بولی،

"ویسے بھی اُس کی بات پر یقین کون کرے گا؟"

تینوں ہلکے ہلکے ہنسنے لگے۔

لڑکا اب پوری طرح اُن کی بات سمجھ چکا تھا۔

"یعنی تم لوگ چاہتے ہو کہ اُس کا شوہر ہمیں ایک ساتھ دیکھ لے؟"
"بالکل!"بتول خوشی سے بولی،
"پھر مزہ آئے گا..."
قدسیہ نے نفرت سے کہا،
"آج اُس کی زندگی مکمل تباہ ہو جائے گی۔"
اُن کے چہروں پر بے رحم خوشی صاف نظر آ رہی تھی۔
اچانک کچن کی طرف سے برتنوں کی ہلکی آواز آئی۔
مریم پانی کا جگ ہاتھ میں لیے وہاں آ گئی۔
اُس کے چہرے پر کمزوری اب بھی نمایاں تھی، مگر وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔
جیسے ہی اُس کی نظر ڈرائنگ روم میں بیٹھے اجنبی لڑکے پر پڑی، وہ چونک گئی۔
"یہ... کون ہیں؟"اُس نے حیرانی سے پوچھا۔
بتول فوراً سنبھل گئی۔
"تمہیں اُس سے کیا؟"
مریم نے دھیمی آواز میں کہا،
"میں نے بس ایسے ہی پوچھا..."
قدسیہ نے سخت لہجے میں کہا،
"یہ ہمارے جاننے والے ہیں۔ تم اپنا کام کرو۔"
مریم خاموش ہو گئی۔
وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی، پھر آہستہ سے بولی،
"آپ لوگوں کے لیے چائے بنا دوں؟"
بتول نے فوراً مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،
"ہاں، ہمارے لیے اچھی سی چائے بنا لاؤ۔"
مریم نے سر ہلایا اور واپس کچن کی طرف چلی گئی۔
اُسے اندازہ بھی نہیں تھا...

کہ جن لوگوں کے لیے وہ اس وقت چائے بنا رہی ہے...
وہی لوگ اُس کی زندگی برباد کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔

☆☆☆

رات آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی۔
گھر کے باہر خاموشی تھی، مگر اس گھر کی دیواروں کے اندر ایک خطرناک سازش سانس لے رہی تھی۔
مریم اپنے کمرے میں بیٹھی قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہی تھی۔
کمرے کی مدھم روشنی میں اُس کا کمزور چہرہ مزید اُداس لگ رہا تھا۔ اُس کی آواز دھیمی تھی، مگر ہر لفظ میں ٹوٹا ہوا دل محسوس ہو رہا تھا۔
شاید یہی چند لمحے تھے جب اُسے سکون ملتا تھا۔
اُس کی آنکھوں میں ہلکی نمی تھی جبکہ لب آہستہ آہستہ آیات دہرا رہے تھے۔
اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔
مریم چونک کر رکی۔
"جی؟"
باہر سے بتول کی آواز آئی،
"مریم، امی تمہیں بلا رہی ہیں۔"
مریم نے فوراً قرآنِ پاک بند کیا اور ادب سے اُسے ایک طرف رکھ دیا۔
وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھی۔
جسم اب بھی درد کر رہا تھا، مگر وہ خاموشی سے سب سہنے کی عادی ہو چکی تھی۔
جیسے ہی مریم کمرے سے باہر نکلی، بتول نے فوراً اُس اجنبی لڑکے کو اشارہ کیا۔
"جلدی اندر جاؤ!"
لڑکا فوراً دبے قدموں سے کمرے میں داخل ہوا۔
قدسیہ نے جلدی سے ارد گرد دیکھا تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔
"بیڈ کے نیچے چھپ جاؤ ابھی!" بتول نے سرگوشی میں کہا۔
لڑکا فوراً بیڈ کے نیچے چھپ گیا۔

چند لمحوں بعد مریم واپس آئی۔

"ماما نے کیوں بلایا تھا؟" اُس نے حیرانی سے پوچھا۔

بتول نے فوراً مصنوعی انداز میں کہا،

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی..."

پھر اُس نے لاپرواہی سے کہا،

"تم جاؤ، اپنا کام کرو۔"

مریم نے عجیب نظروں سے اُنہیں دیکھا مگر خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ دوبارہ بیڈ کے قریب بیٹھ گئی اور قرآنِ پاک کھول کر تلاوت کرنے لگی۔

اُسے کیا معلوم تھا...

کہ اُس کے اپنے ہی اُس کے خلاف جال بچھا چکے ہیں۔

کچھ دیر بعد گھر کے باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

بتول فوراً کھڑکی کی طرف بھاگی۔

"ظہیر آگیا!" اُس نے دھیمی مگر خوشی بھری آواز میں کہا۔

قدسیہ کے چہرے پر خطرناک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اب اصل تماشا شروع ہوگا..."

اُدھر مریم اپنے کمرے میں بے خبر قرآن پڑھ رہی تھی۔

اچانک بیڈ کے نیچے سے ہلکی سی آواز آئی۔

مریم چونک گئی۔

اگلے ہی لمحے وہ لڑکا باہر نکلا اور سیدھا اُس کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

مریم کے ہاتھ سے قرآن تقریباً گر گیا۔

"آپ؟!" وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟!"

لڑکا گھبرایا ہوا تھا۔

"مجھے... مجھے انہوں نے—"

"نہیں!" مریم فوراً بولی،
"آپ فوراً یہاں سے جائیں! ابھی جائیں!"
اُس کے چہرے پر خوف واضح تھا۔
"اگر ظہیر نے دیکھ لیا تو—"
اُسی لمحے باہر سے ظہیر کے قدموں کی آواز قریب آنے لگی۔
مریم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
"یا اللہ..." اُس کے لب کانپے۔
اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا۔
ظہیر اندر داخل ہوا...
اور اُس کی نظر سیدھا بیڈ پر بیٹھے اجنبی لڑکے پر پڑی۔
چند لمحوں کے لیے وقت جیسے رک گیا۔
پھر اچانک—
"مریییییم!!!"
ظہیر کی خوفناک چیخ پورے گھر میں گونج اٹھی۔
اُس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو چکی تھیں۔
مریم فوراً اُس کی طرف بڑھی۔
"ظہیر! میری بات سنیں، یہ سب—"
لیکن ظہیر اُس وقت سننے کی حالت میں نہیں تھا۔
وہ غصے میں اُس لڑکے کی طرف لپکا۔
"حرامزادے! میری بیوی کے کمرے میں کیا کر رہا تھا؟!"
لڑکا خوفزدہ ہو کر فوراً بھاگنے لگا۔
زہیر نے اُسے دھکا دیا، مگر وہ کسی طرح دروازے سے نکل کر بھاگ گیا۔
اب ظہیر کی پوری نفرت بھری نظریں مریم پر تھیں۔
مریم مسلسل رو رہی تھی۔

"خدا کے لیے میری بات سن لیں... میں کچھ نہیں جانتی..."
لیکن ظہیر جیسے پاگل ہو چکا تھا۔
"گندی عورت!" وہ چیخا،
"یہ سب میرے پیچھے چل رہا تھا؟!"
"نہیں!" مریم بری طرح کانپ گئی،
"قسم خدا کی، مجھے کچھ نہیں پتا!"
مگر جواب میں ظہیر نے اُس کے چہرے پر زوردار تھپڑ مارا۔
مریم زمین پر گر گئی۔
اُس کی چیخ نکل گئی۔
پھر ظہیر نے اُسے بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔
وہ غصے میں ہر حد پار کر چکا تھا۔
مریم مسلسل روتی رہی، ہاتھ جوڑتی رہی۔
"میں بے قصور ہوں... پلیز یقین کریں..."
مگر اُس کی ایک نہ سنی گئی۔
ہر وار کے ساتھ اُس کا جسم مزید کمزور ہوتا جا رہا تھا۔
قدسیہ اور بتول دروازے کے باہر کھڑی سب دیکھ رہی تھیں۔
اُن کے چہروں پر افسوس نہیں... بلکہ کامیابی کی خوشی تھی۔
بتول نے دھیمی آواز میں کہا،
"دیکھا؟ کہا تھا نا مزہ آئے گا..."
اندر مریم کی چیخیں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔
وہ بار بار صرف ایک ہی بات کہہ رہی تھی—
"میں نے کچھ نہیں کیا..."
مگر اُس رات...
اُس کی بے گناہی اُس کے آنسوؤں کے ساتھ زمین پر بکھرتی چلی گئی۔

ظہیر اُس وقت غصے، غلط فہمی اور نفرت میں اس حد تک اندھا ہو چکا تھا کہ اُسے سامنے کھڑی مریم کی بے گناہی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

کمرے میں مریم کی سسکیاں مسلسل گونج رہی تھیں۔

وہ بار بار ہاتھ جوڑ کر صرف ایک ہی بات کہہ رہی تھی،

"خدا کے لیے میری بات سن لیں... میں نے کچھ نہیں کیا..."

مگر ظہیر کا غصہ کم ہونے کے بجائے اور بڑھتا جا رہا تھا۔

اس نے کمرے میں رکھی چیزیں غصے میں اِدھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیں۔

مریم دیوار کے ساتھ لگی بری طرح کانپ رہی تھی۔ اُس کی حالت پہلے ہی بہت خراب تھی۔ جسم پر پرانے زخم تھے، چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، اور اب اُس کی آواز بھی کمزور پڑنے لگی تھی۔

"ظہیر... پلیز..."

لیکن ظہیر جیسے اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔

اُس کی نظر اچانک رائٹنگ ٹیبل پر پڑی جہاں ایک پینسل رکھی تھی۔

اُس نے غصے میں وہ چیز اٹھائی اور مریم کو دھمکانے کے انداز میں اُس کی طرف بڑھا۔

مریم خوف سے پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں... پلیز..."

اگلے ہی لمحے کمرے میں ایک خوفناک چیخ گونجی۔

مریم درد سے تڑپ اٹھی۔

وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زمین پر گر گئی۔

اُس کی چیخیں پورے گھر میں پھیل گئیں۔

"مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا...!"

اُس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ دیواریں تک کانپ اٹھیں۔

دروازے کے باہر کھڑی بتول اور قدسیہ بھی ایک لمحے کے لیے سہم گئیں۔

شاید اُنہوں نے بھی نہیں سوچا تھا کہ بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔

مریم مسلسل چیخ رہی تھی۔

"امی...! مجھے بچا لیں...!"

وہ درد سے تڑپتی رہی، مگر اُس لمحے کوئی اُس کے قریب نہیں آیا۔

رات کا باقی حصہ مریم نے اسی تکلیف میں گزارا۔

وہ زمین پر پڑی کراہتی رہی۔ اُس کی سانسیں تیز تھیں، جسم کانپ رہا تھا، اور وہ بار بار اپنے چہرے کو چھو کر رونے لگتی۔

ظہیر بھی اب خاموش کھڑا تھا۔

غصہ جیسے ایک لمحے میں خوف میں بدلنے لگا تھا۔

صبح ہونے سے کچھ پہلے بتول دوبارہ کمرے میں آئی۔

جیسے ہی اُس نے مریم کی حالت دیکھی، اُس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"یا اللہ..."

مریم بری طرح تڑپ رہی تھی۔

اُس کی آنکھوں کے قریب شدید چوٹ آئی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔

"ظہیر! تم نے یہ کیا کر دیا؟!" بتول گھبرا کر چیخی۔

"تم اسے مار ڈالو گے کیا؟!"

مریم کمزور آواز میں صرف یہی کہہ رہی تھی،

"مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا..."

اُس کی آواز سن کر پہلی بار گھر میں خوف پھیل گیا۔

قدسیہ بھی گھبرا گئی۔

"جلدی ایمبولینس کو کال کرو!"

بتول فوراً کانپتے ہاتھوں سے فون ملانے لگی۔

کچھ ہی دیر بعد ایمبولینس کی آواز پورے علاقے میں گونجنے لگی۔

ایمبولینس جلدی سے اندر ایک اور مریم کو اسٹریچر پر منتقل کیا۔

وہ نیم بے ہوش حالت میں تھی۔

اُس کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے،

"میں نے کچھ نہیں کیا..."

ظہیر چند قدم دور کھڑا تھا۔

اُس کے چہرے پر اب غصے کے بجائے خوف اور پچھتاہٹ کے آثار تھے... مگر شاید بہت دیر ہو چکی تھی۔

ادھر فوراً عبد الرحمان اور عذرا بیگم کو کال کی گئی۔

مری میں موجود ماہم اور ضرار کو بھی خبر دی گئی۔

جیسے ہی اُنہیں معلوم ہوا کہ مریم ہسپتال میں ہے، سب کے دل دہل گئے۔

صبح ہونے تک سب لوگ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔

ہسپتال کی سفید دیواروں کے درمیان خوفناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

عذرا بیگم کی حالت تو یہ خبر سن کر مزید خراب ہو گئی تھی۔

"میری بیٹی..." وہ روتے ہوئے بار بار کہہ رہی تھیں۔

عبد الرحمان بے چینی سے آئی سی یو کے باہر چکر لگا رہا تھا۔

ماہم اور ضرار بھی تیزی سے وہاں پہنچے۔

"مریم کیسی ہے؟!" ماہم نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

مگر کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

آئی سی یو کا دروازہ بند تھا...

اور اُس دروازے کے پیچھے مریم زندگی اور موت کے درمیان ایک خاموش جنگ لڑ رہی تھی۔

ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

ہر کسی کے چہرے پر خوف، بے چینی اور تھکن صاف نظر آ رہی تھی۔

عذرا بیگم مسلسل تسبیح پڑھ رہی تھیں، مگر اُن کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ عبد الرحمان بار بار آئی سی یو کے دروازے کی طرف دیکھتے، پھر بے بسی سے نظریں جھکا لیتے۔

ماہم کی آنکھیں مسلسل نم تھیں، جبکہ ضرار اُسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سب صرف ایک خبر سننا چاہتے تھے—

کہ مریم ٹھیک ہو جائے گی۔

کافی دیر بعد آئی سی یو کا دروازہ کھلا۔

ڈاکٹر آہستہ قدموں سے باہر آئے۔ اُن کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر سب کے دل ڈوب گئے۔
"ڈاکٹر... میری بیٹی کیسی ہے؟" عذرا بیگم فوراً آگے بڑھیں۔
ڈاکٹر نے ایک گہرا سانس لیا۔
"آئی ایم سوری..." اُن کی دھیمی آواز نے سب کے وجود ہلا دیے،
"مریم کو شدید صدمہ اور چوٹ لگی ہے... وہ کوما میں چلی گئی ہیں۔"
"کیا...؟" عذرا بیگم کی آواز کانپ گئی۔
ماہم کے ہاتھ سے پانی کی بوتل گر گئی۔
عبدالرحمان جیسے چند لمحوں کے لیے سن ہو گئے۔
ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا،
"ہم ابھی کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ ہو سکتا ہے ایک ہفتے میں ہوش آ جائے... ہو سکتا ہے زیادہ وقت لگے۔ ابھی ہمیں صرف انتظار کرنا ہو گا۔"
یہ سن کر عذرا بیگم وہیں بیٹھ گئیں اور رونے لگیں۔
"میری بچی..."
ماہم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔
اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہمیشہ خاموش رہنے والی، سب کچھ سہنے والی مریم آج مشینوں کے درمیان بے جان پڑی تھی۔
دن گزرتے گئے۔
ایک دن...
دو دن...
پھر پورا ایک ہفتہ۔
ہسپتال کے سفید کمرے، مشینوں کی بیپ بیپ اور دواؤں کی بو اب سب کی زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔
کبھی عذرا بیگم مریم کے پاس بیٹھتیں اور اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر روتیں۔
کبھی عبدالرحمان خاموشی سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ جاتے۔
کبھی ماہم اُس کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ باتیں کرتی، جیسے مریم سب سن رہی ہو۔

اور ظہیر...
وہ بھی ہسپتال آتا تھا، مگر اُس کی حالت عجیب ہو چکی تھی۔
وہ خاموش رہنے لگا تھا۔
شاید اُسے اب اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا... مگر اب ہر چیز اُس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد کی صبح تھی۔
ہسپتال کے کمرے میں صرف ماہم موجود تھی۔
وہ مریم کے بیڈ کے قریب بیٹھی اُس کا ہاتھ پکڑے خاموشی سے قرآن پڑھ رہی تھی۔
کمرے میں مکمل سکون تھا۔
اچانک...
ماہم کو محسوس ہوا کہ مریم کی انگلیاں ہلکی سی حرکت کر رہی ہیں۔
ماہم فوراً چونک گئی۔
"مریم؟!"
وہ جلدی سے اُس کے قریب آئی۔
"مریم... تم سن رہی ہو؟"
کئی دنوں بعد اُس نے بہت مشکل سے اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔
ماہم کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔
"ڈاکٹر! ڈاکٹر!" وہ خوشی اور گھبراہٹ میں آواز دینے ہی والی تھی کہ مریم نے بہت کمزور ہاتھ سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
ماہم فوراً اُس کے قریب جھک گئی۔
"مریم... تمہیں کیا ہوا تھا؟ تم ٹھیک ہو نا؟"
مریم کی سانسیں بہت ہلکی ہو چکی تھیں۔
اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔
وہ بمشکل بول پا رہی تھی۔

چند لمحوں بعد اُس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا—

"ظہیر..."

ماہم کی آنکھوں میں حیرت بھر گئی۔

مریم کے لب پھر ہلے۔

"ظہیر... بھیڑیا نکلا..."

یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں سے ایک آنسو بہہ گیا۔

ماہم کا دل ٹوٹ گیا۔

"مریم... پلیز ایسی باتیں مت کرو..." وہ روتے ہوئے بولی۔

لیکن مریم جیسے اب اس دنیا سے آہستہ آہستہ دور جا رہی تھی۔

اُس کے لبوں پر اچانک ایک عجیب سا سکون آ گیا۔

پھر اُس نے بہت دھیمی آواز میں کلمہ پڑھنا شروع کیا۔

"اشہدُ اَن لا اِلٰہ اِلا اللہ..."

ماہم فوراً رونے لگی۔

"نہیں مریم... نہیں!"

مریم کی آواز مزید دھیمی ہوتی گئی۔

"و اَشھدُ اَن محمداً عبدُہ ورسولُہ..."

کلمہ مکمل کرتے ہی اُس کے لب خاموش ہو گئے۔

مشین نے ایک لمبی بیپ دی۔

ماہم کی چیخ پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

"مریییییییم!"

مریم کا ہاتھ آہستہ سے ماہم کے ہاتھ سے ڈھلک گیا۔

اُس کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا...

جیسے وہ اپنی تمام تکلیفیں، تمام آنسو، تمام ظلم... ہمیشہ کے لیے پیچھے چھوڑ گئی ہو۔

ہسپتال کے اُس خاموش کمرے میں وقت جیسے رک سا گیا تھا۔

مریم کے چہرے پر عجیب سا سکون پھیلنے لگا تھا۔

اُس کی آنکھیں، جو کبھی بہت خوبصورت اور زندگی سے بھری ہوتی تھیں، اب بے نور ہو چکی تھیں۔ شدید زخموں اور تکلیف نے اُنہیں سیاہ سا کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اُن آنکھوں میں اب دنیا دیکھنے کی کوئی خواہش باقی نہ رہی ہو۔

ماہم مسلسل اُس کے قریب بیٹھی رو رہی تھی۔

"مریم... پلیز ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ..."

لیکن مریم اب شاید درد سے بہت دور جا چکی تھی۔

اُس کی سانسیں بہت ہلکی اور بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

ہر سانس جیسے بڑی مشکل سے آ رہی تھی۔

پھر اچانک اُس نے ایک گہرا، بے حد بے چین سا سانس لیا۔

اُس کے لب ہلکے سے کانپے...

اور پھر —

ایک عجیب سی پُرسکون مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

ایسی مسکراہٹ... جیسے ایک تھکی ہوئی روح آخر کار اپنے تمام دردوں سے آزاد ہو گئی ہو۔

اگلے ہی لمحے مشین کی آواز مسلسل سیدھی لائن میں بدل گئی۔

بیییییییپ---

ماہم کی چیخ پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

"مریییییییییم!!!"

وہ فوراً مریم کے جسم سے لپٹ گئی اور بری طرح رونے لگی۔

"اٹھو مریم... دیکھو میں ہوں... پلیز آنکھیں کھولو..."

مگر مریم اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔

ماہم کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اُس نے فوراً باہر بھاگ کر سب کو آواز دی۔

"امی...!"

، ضرار اور باقی سب لوگ گھبرا کر اندر کی طرف دوڑے۔

جیسے ہی عذرا بیگم کی نظر اپنی بیٹی پر پڑی، اُن کی چیخ نکل گئی۔
"میری بچیییی...!"
وہ دوڑ کر مریم کے پاس آئیں اور اُس کے بے جان چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔
"مریم آنکھیں کھولو... دیکھو میں آگئی ہوں..."
مگر کوئی جواب نہیں آیا۔
عبدالرحمان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اُنہوں نے فوراً منہ دوسری طرف پھیر لیا، مگر اُن کے کندھے کانپ رہے تھے۔
ضرار خاموش کھڑا تھا۔ پہلی بار اُس کے پاس کسی کو تسلی دینے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔
پورا ہسپتال اُن کی آہوں اور رونے کی آوازوں سے بھر گیا تھا۔
اور ایک طرف ظہیر کھڑا تھا...
بالکل خاموش۔
اُس کی نظریں صرف مریم کے چہرے پر جمی تھیں۔
شاید اُسے اب احساس ہو رہا تھا کہ جس لڑکی کو وہ ہر روز توڑتا رہا... آج وہ ہمیشہ کے لیے اُس سے دور جا چکی تھی۔
کچھ دیر بعد مریم کے جسم کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔
وہی مریم...
جو کبھی سب کے لیے جیتی تھی...
جو ہر ظلم خاموشی سے سہتی رہی...
آج بالکل خاموش پڑی تھی۔
ہسپتال سے اُسے گھر لے جایا گیا۔
گھر میں جیسے قیامت برپا ہو گئی۔
ہر طرف رونے کی آوازیں تھیں۔
عذرا بیگم بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں۔
"میری بیٹی کو واپس لے آؤ..."

ماہم مسلسل مریم کے پاس بیٹھی اُس کا ہاتھ پکڑے رو رہی تھی۔
"تم نے وعدہ کیا تھا مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی..."
کمرے میں سفید کفن رکھا گیا۔
چند عورتیں آہستہ آہستہ مریم کو غسل دینے لگیں۔
اُس کے زخمی جسم کو دیکھ کر کئی عورتیں رو پڑیں۔
"یا اللہ... اس بچی نے کتنا ظلم سہا ہو گا..."
مریم کے بال آہستہ سے سنوارے گئے۔
اُس کے جسم پر سفید کفن پہنایا گیا۔
اور پھر اُسے بہت سکون سے لٹا دیا گیا۔
اُس کے چہرے پر اب بھی وہی ہلکی سی مسکراہٹ تھی...
جیسے موت نے اُسے وہ سکون دے دیا ہو جو زندگی کبھی نہ دے سکی۔
گھر کے بیچوں بیچ اُس کی میت رکھی گئی۔
لوگ آتے... اُس کے چہرے کو دیکھتے... اور رو پڑتے۔
ماہم اُس کے قریب بیٹھی مسلسل سسک رہی تھی۔
"دیکھو مریم... تمہیں تو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا نا... پھر اتنی خاموش کیسے سو گئی...؟"
یہ سن کر وہاں موجود ہر شخص کی آنکھ بھر آئی۔
عذرا بیگم اپنی بیٹی کے پاؤں کے پاس بیٹھی تھیں۔
وہ بار بار اُس کے ماتھے کو چومتی اور روتے ہوئے کہتیں،
"اٹھ جاؤ میری بچی... دیکھو تمہاری امی تمہیں بلا رہی ہے..."
مگر مریم اب اُس دنیا میں جا چکی تھی...
جہاں نہ ظلم تھا...
نہ تکلیف...
نہ آنسو۔
صرف خاموشی تھی...

اور ہمیشہ کی نیند۔

گھر میں اُس وقت ایسا ماحول تھا جیسے ہر دیوار غم میں ڈوب گئی ہو۔

سفید کفن میں لپٹی مریم بیچ ہال میں خاموش پڑی تھی۔

وہی مریم...

جو کبھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی سب کے لیے چائے بنایا کرتی تھی...

جو ہر ایک کی بات پر فوراً "جی" کہتی تھی...

آج بے جان خاموشی کے ساتھ سب کے درمیان موجود تھی۔

ہر طرف قرآن پاک کی تلاوت، رونے کی سسکیاں اور آہوں کی گونج تھی۔

کچھ عورتیں عذرا بیگم کو سنبھال رہی تھیں، مگر ایک ماں اپنے جوان بچے کی موت کیسے برداشت کرتی؟

وہ بار بار مریم کے قریب جاتیں، اُس کے ماتھے کو چومتیں اور روتے ہوئے کہتیں،

"میری بچی... اٹھ جاؤ... دیکھو تمہاری امی آئی ہے..."

پھر اچانک اُن کی چیخ نکلتی۔

"کوئی میری بیٹی کو دفن مت کرو... میری مریم کو مجھ سے دور مت لے جاؤ..."

وہ منظر دیکھ کر ہر آنکھ نم ہو جاتی۔

ماہم ایک کونے میں بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔ اُس کی حالت بھی بکھر چکی تھی۔

میرا، جو ابھی بہت چھوٹی تھی، خوفزدہ نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

وہ بار بار روتے ہوئے پوچھتی،

"مریم ابھی کیوں سو رہی ہیں...؟"

"سب کیوں رو رہے ہیں...؟"

کسی کے پاس اُس معصوم سوال کا جواب نہیں تھا۔

میرا پھر مریم کے قریب گئی اور اُس کے کفن والے ہاتھ کو ہلانے لگی۔

"مریم ابھی... اٹھ جائیں نا..."

یہ منظر دیکھ کر وہاں موجود عورتیں بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

اسی دوران اقراش بھی گھر پہنچ گیا۔

اُس نے جیسے ہی اپنی ماں، عذرا بیگم، کو اس حال میں دیکھا تو فوراً اُنہیں سنبھالنے کے لیے آگے بڑھا۔
"امی... پلیز خود کو سنبھالیں..."
مگر عذرا بیگم مسلسل روئے جا رہی تھیں۔
"اراش... میری بیٹی چلی گئی..."
اقراش کی اپنی آنکھیں بھی بھر آئیں، مگر اُس نے ماں کو سینے سے لگایا۔
"امی... اللہ کی رضا میں راضی رہیں..." اُس کی آواز بھی کانپ رہی تھی،
"مریم اب تکلیف میں نہیں ہے..."
یہ کہتے ہوئے اُس کے اپنے آنسو بھی گرنے لگے۔
کچھ دیر بعد مسجد سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔
مرد حضرات آہستہ آہستہ مریم کی میت اٹھانے کے لیے تیار ہونے لگے۔
جیسے ہی چار آدمی آگے بڑھے اور جنازہ اٹھانے لگے —
عذرا بیگم کی دل دہلا دینے والی چیخ نکلی۔
"نہیں ییییی... میری بچی کو مت لے جاؤ!"
وہ دوڑ کر جنازے سے لپٹ گئیں۔
"مریم... مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ..."
وہ اتنا رو رہی تھیں کہ اُن کی سانسیں رکنے لگیں۔
ماہم بھی دوڑ کر جنازے کے قریب آ گئی۔
اُس نے کفن کو پکڑ لیا اور زار و قطار رونے لگی۔
"مریم... ایک بار بات کرو نا..."
"دیکھو ہم سب یہاں ہیں..."
مگر کفن میں لپٹی مریم اب مکمل خاموش تھی۔
کافی مشکل سے عورتوں نے عذرا بیگم اور ماہم کو پیچھے کیا۔
پھر جنازہ آہستہ آہستہ گھر سے باہر لے جایا گیا۔
پورا گھر رونے کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔

میرا دروازے کے پاس کھڑی مسلسل رو رہی تھی۔
"مریم ابھی کہاں جا رہی ہیں...؟"
اُسے ابھی بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ موت کیا ہوتی ہے۔
باہر قبرستان کی طرف جانے والی گاڑی تیار تھی۔
آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔
ہوا میں عجیب سی اداسی تھی، جیسے فضا بھی سوگ منا رہی ہو۔
قبرستان پہنچنے کے بعد جنازہ نیچے رکھا گیا۔
ہر طرف خاموشی تھی۔
صرف لوگوں کی سسکیاں اور مولوی صاحب کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔
"اللہ اکبر..."
ہر شخص کی آنکھیں نم تھیں۔
ظہیر بھی صف میں کھڑا تھا، مگر اُس کا چہرہ سن پڑ چکا تھا۔
نماز کے بعد مریم کو قبر کے قریب لے جایا گیا۔
قبر پہلے ہی تیار تھی۔
جب مریم کے جنازے کو آہستہ آہستہ قبر میں اتارا گیا تو عذرا بیگم دوبارہ چیخ اٹھیں۔
"میری بچی اندھیرے سے ڈرتی تھی...!"
یہ الفاظ سن کر وہاں موجود کئی لوگ رونے لگے۔
ماہم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر مسلسل رو رہی تھی۔
قبر میں سفید کفن آہستہ سے رکھا گیا۔
پھر اُس کے اوپر لکڑیاں رکھی گئیں۔
اور پھر... مٹی ڈالنے کا وقت آگیا۔
پہلی مٹھی عبدالرحمان نے ڈالی۔
اُن کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

"منہاخلقنا کم..." مولوی صاحب کی آواز گونجی۔
ہر مٹھی کے ساتھ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی کا دل دفن ہو رہا ہو۔
اقراش نے آنسو صاف کرتے ہوئے مٹی ڈالی۔
ضرار خاموش کھڑا قبر کو دیکھتا رہا، اُس کے چہرے پر گہرا غم تھا۔
ماہم اب بھی روئے جا رہی تھی۔
"مریم... تمہیں بہت درد ہوتا تھا نا..." وہ سسکی،
"اب کوئی تمہیں تکلیف نہیں دے گا..."
آہستہ آہستہ قبر مکمل بند کر دی گئی۔
پھر قبر پر پانی ڈالا گیا۔
مٹی اب مکمل ہموار ہو چکی تھی۔
صرف ایک چھوٹی سی قبر باقی رہ گئی تھی...
جس کے نیچے ایک ایسی لڑکی سو رہی تھی جس نے اپنی پوری زندگی خاموشی سے ظلم سہتے ہوئے گزار دی۔
لوگ آہستہ آہستہ واپس جانے لگے۔
مگر عذرا بیگم کی نظریں اب بھی قبر پر جمی ہوئی تھیں۔
جیسے وہ اب بھی انتظار کر رہی ہوں...
کہ شاید اُن کی مریم ایک بار پھر آواز دے —
"امی..."
اسی طرح دیکھتے ہی دیکھتے تین دن گزر گئے۔
گھر میں ہونے والا شور، لوگوں کا آنا جانا، قرآن خوانی اور تعزیت کرنے والوں کی آوازیں آہستہ آہستہ کم ہونے لگیں۔
پہلے دن گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔
ہر کوئی مریم کی بات کر رہا تھا، اُس کی خاموش طبیعت، اُس کی معصومیت اور اُس کے صبر کا ذکر کر رہا تھا۔
دوسرے دن بھی کچھ رشتہ دار اور جاننے والے آتے رہے۔
کوئی عذرا بیگم کو تسلی دیتا، کوئی عبد الرحمان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صبر کی بات کرتا۔

مگر تیسرے دن تک سب کچھ بدلنے لگا۔
لوگ واپس اپنی اپنی زندگیوں میں لوٹنے لگے۔
گھر آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔
وہی گھر جہاں کچھ دن پہلے رونے کی آوازیں گونج رہی تھیں، اب عجیب سی خاموشی میں ڈوب گیا تھا۔
لیکن اُس خاموشی میں بھی مریم کی کمی ہر کونے سے محسوس ہوتی تھی۔
کچن میں جاتے ہوئے عذرا بیگم کی نظریں بار بار اُس جگہ پر رک جاتیں جہاں مریم کھڑے ہو کر چائے بنایا کرتی تھی۔
ڈرائنگ روم کا ایک کونا اب بھی ویران لگتا تھا، کیونکہ وہاں اکثر مریم خاموشی سے بیٹھی رہتی تھی۔
میرا ابھی تک پوری طرح سمجھ نہیں پائی تھی کہ مریم واپس کیوں نہیں آ رہی۔
وہ کبھی کبھی اچانک پوچھ بیٹھتی،
"مریم ابھی کب آئیں گی؟"
اور یہ سوال سنتے ہی گھر کا ماحول دوبارہ بوجھل ہو جاتا۔
ماہم بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔
وہ اکثر خاموش رہنے لگی تھی۔
کبھی کھڑکی کے پاس کھڑی رہتی، کبھی بنا بات کے آنکھیں بھر آتیں۔
ضرار اُسے سنبھالنے کی کوشش کرتا، مگر وہ جانتا تھا کہ کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف وقت ہی کم کر سکتا ہے۔
ادھر ظہیر کی حالت بھی بدل چکی تھی۔
وہ پہلے کی طرح اونچی آواز میں بات نہیں کرتا تھا۔
نہ کسی سے زیادہ ملتا، نہ گھر میں زیادہ دیر بیٹھتا۔
اُس کے چہرے پر ہمیشہ ایک عجیب سی خاموشی رہنے لگی تھی۔
شاید اب ہر چیز اُسے مریم کی یاد دلاتی تھی۔
کبھی اُس کے کانوں میں مریم کی سسکیاں گونجتیں...
کبھی اُس کی آخری بات یاد آتی—

"ظہیر... بھیڑیا نکلا..."

اور پھر اُس کا دل عجیب بے چینی سے بھر جاتا۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

مریم جا چکی تھی۔

اور اُس کے ساتھ گھر کی ایک خاموش روشنی بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رات کافی گزر چکی تھی۔

گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

وہی خاموشی جو کسی اپنے کے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کے بعد گھر کی دیواروں میں بس جاتی ہے۔

ڈرائنگ روم کی مدھم روشنی میں بتول اور قدسیہ خاموش بیٹھی تھیں۔

پہلے کی طرح اُن کے چہروں پر غرور، نفرت یا طنز نہیں تھا۔

آج دونوں کے چہروں پر صرف خوف، پچھتاوا اور بے چینی تھی۔

کافی دیر تک دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

آخر کار بتول نے خاموشی توڑی۔

"امی..." اُس کی آواز کانپ رہی تھی،

"ہم نے یہ کیا کر دیا...؟"

قدسیہ نے دھیمی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا، مگر اُن کے پاس جواب نہیں تھا۔

بتول کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مریم مر جائے گی..."

وہ روتے ہوئے بولی،

"میں تو بس... بس اُسے گھر سے نکلوانا چاہتی تھی..."

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

قدسیہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

شاید پہلی بار اُنہیں احساس ہو رہا تھا کہ نفرت انسان سے کیا کچھ کروا دیتی ہے۔

"ہم نے اُس کے ساتھ بہت ظلم کیا..."اُن کی آواز ٹوٹ گئی۔
بتول نے روتے ہوئے کہا،
"جب وہ رو رو کر کہتی تھی کہ وہ بے قصور ہے...تب بھی ہم ہنستے رہتے تھے..."
یہ یاد آتے ہی اُس کے آنسو مزید بڑھ گئے۔
"اور آج..."وہ ہچکی لے کر بولی،
"آج وہ اس دنیا میں ہی نہیں رہی..."
قدسیہ کی آنکھوں میں بھی نمی آگئی۔
وہ خالی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھتی رہیں۔
اُن کے ذہن میں بار بار مریم کا معصوم چہرہ آرہا تھا۔
وہی خاموش لڑکی...
جو ہر ظلم سہنے کے بعد بھی کسی سے نفرت نہیں کرتی تھی۔
"کیا اللہ ہمیں معاف کرے گا...؟"بتول نے دھیرے سے پوچھا۔
یہ سوال سن کر قدسیہ کی سانس جیسے رک گئی۔
کچھ لمحے بعد اُنہوں نے بہت آہستہ کہا،
"پتہ نہیں..."
کمرے کی فضا مزید بوجھل ہو گئی۔
آج پہلی بار اُن دونوں کو احساس ہو رہا تھا کہ بعض غلطیوں کی معافی مانگ لینا بھی آسان نہیں ہوتا۔
کیونکہ کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں...
جو انسان صرف دوسروں کو نہیں دیتا، بلکہ اپنی روح پر بھی لگا لیتا ہے۔
باہر رات کی ہوا خاموشی سے چل رہی تھی۔
گھر کے ہر کونے میں مریم کی یاد باقی تھی۔
کچن...
وہ راہداری...
وہ کمرہ...

ہر جگہ جیسے اُس کی خاموش سسکیاں اب بھی موجود تھیں۔
اور شاید یہی اُن لوگوں کی اصل سزا تھی۔
کہ اب وہ زندگی بھر اُس لڑکی کی آخری چیخیں، آخری آنسو اور آخری سانس کبھی بھلا نہیں پائیں گے۔
اسی خاموشی...
اسی پچھتاوے...
اور اسی اداس ماحول کے ساتھ مریم کی کہانی کا یہ باب ختم ہو گیا۔

☆☆☆

باب ہشتم:

رات اپنی سیاہ چادر پورے گھر پر پھیلا چکی تھی۔ ہر طرف عجیب سی خاموشی تھی، ایسی خاموشی جو انسان کے دل پر بوجھ بن جائے۔ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک کمرے کے سنّاٹے کو مزید گہرا کر رہی تھی۔ باہر ٹھنڈی ہوا درختوں کے پتوں کو ہلا رہی تھی مگر اندر کا ماحول گھٹن زدہ تھا۔

ماہم کھڑکی کے قریب کھڑی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل کے اندر بے شمار سوال تھے، بے شمار درد تھا، لیکن زبان خاموش تھی۔ کبھی کبھی انسان اتنا ٹوٹ جاتا ہے کہ رونا بھی مشکل لگنے لگتا ہے۔

دوسری طرف ضرار اپنے کمرے میں بستر کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں موبائل تھا مگر دھیان کہیں اور تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ماہم کی اداس آنکھیں گھوم رہی تھیں۔ اسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ کچھ لفظ انسان کے دل کو کتنی بری طرح زخمی کر دیتے ہیں۔ غصے میں کہی گئی باتیں اب اس کے دل پر بوجھ بن چکی تھیں۔

"کاش میں نے وہ سب نہ کہا ہوتا..."

اس نے آہستہ سے خود سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ماہم نے آہستہ سے اپنے آنسو صاف کیے اور بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ چاہتی تھی کوئی اسے سمجھ لے، کوئی اس کے دل کا درد محسوس کرے، مگر ہر انسان اپنی انا میں قید تھا۔

اسی لمحے اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔

ضرار کا میسج تھا۔

"سو گئی ہو...؟"

ماہم نے چند لمحے اسکرین کو خاموشی سے دیکھا۔ دل چاہ رہا تھا فوراً جواب دے دے، مگر خودداری اسے روک رہی تھی۔ آخر کار اس نے مختصر سا جواب لکھا۔

"نہیں۔"

صرف ایک لفظ...

مگر اس ایک لفظ کے پیچھے بے شمار جذبات چھپے ہوئے تھے۔

ضرار نے فوراً دوبارہ ٹائپ کیا۔
"آج تم بہت خاموش تھی..."
ماہم ہلکا سا مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ میں درد شامل تھا۔
"ہر خاموش انسان ٹھیک نہیں ہوتا ضرار..."
یہ جملہ پڑھتے ہی ضرار کے دل میں جیسے کچھ چبھ گیا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ ماہم صرف ناراض نہیں، اندر سے ٹوٹ چکی ہے۔
کمرے میں خاموشی پھر سے گہری ہونے لگی۔ باہر بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں گرنا شروع ہو گئی تھیں۔ موسم جیسے دونوں کے دل کا حال بیان کر رہا تھا۔
کبھی کبھی محبت چیخ کر نہیں، خاموش رہ کر انسان کو رُلا دیتی ہے...۔
ماہم ابھی تک نہیں سوئی تھی۔ دل عجیب سی بے چینی میں گرفتار تھا، مگر چہرے پر خاموشی طاری تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو دیکھا اُس کی امی صوفے پر بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ماہم نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی تا کہ اپنی پریشانی اُن سے چھپا سکے۔
"امی... آپ ابھی تک سوئی نہیں؟"
ماہم نے دھیرے سے پوچھا۔
اس کی امی نے محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"بس تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"
ماہم کا دل ایک لمحے کو بھر آیا۔ دنیا میں ماں جیسا سکون شاید کہیں نہیں ہوتا۔ اُس نے اپنی امی کو آہستگی سے اٹھایا اور اُنہیں کمرے تک لے گئی۔ پھر بڑے پیار سے اُن پر چادر ٹھیک کی جیسے ایک بیٹی نہیں بلکہ ماں اپنی ماں کا خیال رکھ رہی ہو۔
اتنے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اُس کے ابا بھی گھر واپس آ چکے تھے۔ تھکن اُن کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ ماہم فوراً پانی لے کر آئی۔
"ابا آپ آ گئے..."
اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔
اُنہوں نے صرف مسکرا کر سر ہلایا، مگر باپ ہمیشہ اولاد کی خاموشی پڑھ لیتا ہے۔ اُنہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ

ماہم کے دل میں کچھ بوجھ ہے، لیکن وہ خاموش رہے۔

اس کے بعد ماہم میرا کے کمرے میں گئی۔ میرا نیند سے لڑتے لڑتے ابھی تک جاگ رہی تھی۔ ماہم اُس کے پاس بیٹھی، اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔ میرا نے معصومیت سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ میرے پاس ہی رہنا..."

میرا نے نیم غنودگی میں کہا۔

ماہم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ہمیشہ..." اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

کچھ ہی دیر میں میرا سکون سے سو گئی۔ ماہم نے اُس کے ماتھے کو چوما، لائٹ بند کی اور خاموشی سے اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

کمرے میں اندھیرا اور خاموشی اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بستر پر آ کر لیٹ گئی مگر نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دل میں بے شمار خیال، بے شمار درد اور کچھ ادھورے جذبات تھے جو اُسے سکون سے جینے نہیں دے رہے تھے۔

آخر کار تھکن اُس کے احساسات پر غالب آ گئی...

اور ماہم آہستہ آہستہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

ماہم کی آنکھ جیسے ہی لگی، اچانک دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔ رات کی خاموشی میں وہ آواز عجیب سی وحشت پیدا کر رہی تھی۔ ماہم گھبرا کر فوراً اٹھ بیٹھی۔ اُس کا دل بے اختیار تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"اتنی رات کو کون ہو سکتا ہے...؟"

اُس نے خود سے سرگوشی کی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی دروازے تک گئی۔ جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا، سامنے کا منظر دیکھ کر اُس کی آنکھیں حیرت اور غصے سے پھیل گئیں۔

اقراش لڑکھڑاتا ہوا دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں، کپڑوں سے سگریٹ اور شراب کی ملی جلی بو آ رہی تھی۔ وہ بری طرح نشے میں دھت تھا۔ بمشکل خود کو سنبھال پا رہا تھا۔

ماہم کا دل زور سے کانپ اٹھا۔ ایک لمحے کو اُسے افسوس ہوا... مگر اگلے ہی لمحے اُس کے اندر جمع سارا غصہ بھڑک اٹھا۔

"تمہیں اپنی حالت کا ذرا بھی احساس ہے؟!"

ماہم چیخی۔

اقراش صرف مدھم سی ہنسی ہنس دیا، جیسے اُس پر کسی بات کا کوئی اثر ہی نہ ہو۔

ماہم کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ درد بھی اتر آیا۔

"تم نے اپنی زندگی برباد کرلی ہے اقراش!

تمہیں اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں؟

اپنی صحت کا خیال نہیں؟

تمہیں اندازہ بھی ہے تم کس حد تک گر چکے ہو؟!"

اقراش خاموشی سے دیوار کا سہارا لے کر کھڑا رہا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی بے حسی تھی۔ جیسے وہ ماہم کی ایک ایک بات سن تو رہا ہو مگر محسوس کچھ نہ کر پا رہا ہو۔

ماہم کے ضبط کا بندھن ٹوٹنے لگا۔

"مجھے تم سے نفرت ہونے لگی ہے!

تم ہر بار یہی کرتے ہو۔

ہر بار خود کو تباہ کرتے ہو اور ساتھ میں اُن لوگوں کو بھی تکلیف دیتے ہیں جو تمھاری فکر کرتے ہیں!"

اُس کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے مگر غصہ اُن آنسوؤں سے کہیں زیادہ تھا۔

اقراش نے بمشکل نظریں اٹھا کر ماہم کو دیکھا۔

"تم... تم کیوں فکر کرتی ہو میری...؟"

نشے میں ڈوبی اُس کی ٹوٹی ہوئی آواز سن کر ماہم چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی۔ دل جیسے ایک عجیب درد سے بھر گیا۔

مگر اگلے ہی لمحے اُس نے سخت لہجے میں کہا،

"کیونکہ میں ہر روز تمہیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی!"

ہال میں خاموشی چھا گئی۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جبکہ اندر دونوں کے دل کسی طوفان میں گھرے ہوئے تھے۔

اقراش بے جان قدموں سے اندر آیا اور صوفے پر گر سا گیا۔ ماہم نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا۔ غصہ

ابھی بھی موجود تھا، مگر اُس غصے کے پیچھے چھپی فکر صاف محسوس ہو رہی تھی۔

کبھی کبھی انسان اُس شخص پر سب سے زیادہ چیختا ہے...

جس کے ٹوٹنے سے اُسے سب سے زیادہ ڈر لگتا ہو۔

☆☆☆

رات بہت گہری ہو چکی تھی۔ پورا گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا، مگر عبد الرحمان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھا اندھیرے میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں بار بار صرف ایک ہی چہرہ آ رہا تھا... مریم کا۔

مریم کی وہ بے جان حالت، اُس کے جسم پر پڑے نیل، اُس کی درد سے بھری چیخیں... سب کچھ عبد الرحمان کے دل کو چیر رہا تھا۔

"آخر کس نے اتنا مارا ہو گا اُسے...؟"

اُس نے بے اختیار خود سے کہا۔

اُس کا دل عجیب بے چینی میں مبتلا تھا۔ جیسے کسی نے اُس کے سینے میں درد بھر دیا ہو۔ ہر گزرتا لمحہ اُس پر قیامت بن رہا تھا۔

"میری بچی بہت تکلیف میں تھی...

وہ چیخ رہی تھی...

لیکن کسی نے اُس کی آواز نہیں سنی..."

اُن کے سینے میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ دل جیسے بوجھ تلے دب گیا ہو۔ اچانک اُنہیں سینے میں ایسا درد محسوس ہوا کہ وہ اپنا ہاتھ دل پر رکھ کر دیوار کا سہارا لینے لگیں۔

"عزرا"

اُنہوں نے کمزور آواز میں پکارا۔

مگر اُس لمحے ہر کوئی نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

عبد الرحمان کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

عزرہ نے جب اُن کی حالت دیکھی تو فوراً اُن کے قریب آئی۔

"عبد الرحمان! خود کو سنبھالو..."

اُن کی اپنی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

مگر عبدالرحمان اب ٹوٹ چکے تھے۔

"ہم اپنی بیٹی کو بچا نہیں سکے عزرہ...

وہ بہت تکلیف میں تھی..."

یہ کہتے کہتے وہ زاروقطار رونے لگیں۔

رات گزرتی رہی...

درد بڑھتا رہا...

اور اُس گھر کی دیواریں خاموشی سے ایک خاندان کے بکھرنے کی گواہ بنتی رہیں۔

☆☆☆

عبدالرحمان کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ مریم کے جانے کے بعد جیسے اُس انسان کے اندر جینے کی خواہش ہی ختم ہو گئی تھی۔ ہر رات وہ خاموشی سے بیٹھے رہتے، آنکھوں میں نمی اور دل میں بے انتہا درد لیے۔ عزرا بیگم بھی اُن کے ساتھ بیٹھ کر روتی رہتیں۔ دونوں ایک دوسرے کو سہارا دینے کی کوشش کرتے، مگر حقیقت یہ تھی کہ دونوں اندر سے مکمل ٹوٹ چکے تھے۔

اُس رات بھی ماحول عجیب اداسی میں ڈوبا ہوا تھا۔ گھر کی دیواریں تک خاموش لگ رہی تھیں۔

عبدالرحمان اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ اچانک اُنہیں نے زور سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اُن کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

"از... عزرا..."

اُن کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

عزرا بیگم گھبرا کر فوراً اُن کے قریب آئیں۔

"یا اللہ! عبدالرحمان کیا ہوا آپ کو؟!"

عبدالرحمان درد سے تڑپ رہے تھے۔ اُن کے ماتھے پر پسینہ نمودار ہو چکا تھا۔ سینے میں اٹھنے والا درد ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

عزرا بیگم خوف سے چیخ اٹھیں۔

"ماہم!! جلدی آؤ!!"

ماہم دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔ عبد الرحمان کی حالت دیکھتے ہی اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"امی... بابا کو کیا ہو گیا؟؟!"

"ایمبولینس بلاؤ ماہم! جلدی کرو!"

عزرا بیگم روتے ہوئے بولیں۔

ماہم نے فوراً کانپتے ہاتھوں سے ایمبولینس کو کال کی۔ گھر میں قیامت جیسا منظر تھا۔ عزرا بیگم مسلسل رو رہی تھیں جبکہ عبد الرحمان درد سے کراہ رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں ایمبولینس آ گئی۔ لوگوں نے جلدی سے عبد الرحمان کو اسٹریچر پر لٹایا۔ ماہم اور عذرا بیگم بھی ساتھ بیٹھ گئیں۔

ایمبولینس کی آواز سنسان رات میں گونج رہی تھی۔

عزرا بیگم عبد الرحمان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے مسلسل روئے جا رہی تھیں۔

"آپ کو کچھ نہیں ہو گا...

خدا کے لیے ہمیں چھوڑ کر مت جائیے..."

عبد الرحمان کی سانسیں اب دھیرے دھیرے کمزور پڑ رہی تھیں۔ اُنہوں نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں۔ نظر دھندلا رہی تھی۔

انہوں نے ایک نظر عزرا بیگم کو دیکھا... پھر ماہم کو...

اور اگلے ہی لمحے اُن کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔

"عبد الرحمان...!!"

عزرا بیگم کی دل دہلا دینے والی چیخ پوری ایمبولینس میں گونج اٹھی۔

ماہم کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"بابا... بابا آنکھیں کھولیں... پلیز بابا..."

مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

ہاسپٹل پہنچتے ہی ڈاکٹرز فوراً عبد الرحمان کو اندر لے گئے۔ چند لمحوں بعد ڈاکٹر باہر آیا۔ اُس کے چہرے پر افسوس صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہمیں افسوس ہے...

آپ لوگ تھوڑی دیر سے لائے ہیں۔ اُنہیں شدید ہارٹ اٹیک آیا تھا... اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے...”

یہ الفاظ سنتے ہی جیسے پوری دنیا رک گئی۔

عزرا بیگم وہیں زمین پر بیٹھ گئیں۔ اُن کی چیخیں ہاسپٹل کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔

”نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا...

عبد الرحمان ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے...”

ماہم کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ اُس نے زندگی میں پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا تھا۔

ایک لمحے میں اُس گھر کا سہارا، اُس خاندان کی طاقت... ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔

کبھی کبھی انسان درد سہتے سہتے اتنا تھک جاتا ہے...

کہ اُس کا دل ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا ہے۔

عبد الرحمان کی میت جیسے ہی گھر لائی گئی، پورا گھر کہرام سے گونج اٹھا۔ ہر طرف رونے کی آوازیں تھیں، سسکیاں تھیں، درد تھا... ایسا درد جو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سفید چادر میں لپٹا عبد الرحمان بالکل خاموش پڑا تھا۔ وہ شخص جو کبھی اس گھر کی طاقت تھا، آج بے جان لیٹا ہوا تھا۔ ماہم دروازے کے قریب کھڑی کانپتی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کا دل ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ اُس کے بابا اب ہمیشہ کے لیے اُسے چھوڑ گئے ہیں۔

عزرا بیگم عبد الرحمان کے پاس بیٹھی مسلسل روئے جا رہی تھیں۔

”اٹھ جائیں عبد الرحمان...

دیکھیں ہم سب آپ کے پاس ہیں...

آپ ایسے ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے...”

اُن کی ٹوٹی ہوئی آواز ہر سننے والے کے دل کو چیر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد غسل کی تیاری شروع کی گئی۔ گھر کے بزرگ مرد عبد الرحمان کو آخری غسل دینے لے گئے۔

پورے گھر میں خاموشی چھا گئی۔ ہر شخص کی آنکھ نم تھی۔

ماہم ایک کونے میں کھڑی دیوار کا سہارا لیے مسلسل رو رہی تھی۔ اُس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اُسے بار بار اپنے بابا کی باتیں یاد آ رہی تھیں... اُن کی مسکراہٹ... اُن کی فکر... اُن کا سایہ...

اور آج وہ سایہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔

غسل کے بعد عبد الرحمان کو سفید کفن پہنایا گیا۔ سفید کپڑوں میں لپٹا وہ وجود اب دنیا کی ہر تکلیف سے آزاد ہو چکا تھا۔

اسی دوران قدسیہ، بتول اور باقی رشتہ دار بھی گھر پہنچ گئے۔ جیسے ہی وہ لوگ اندر آئے، ماہم کے اندر دبا ہوا غصہ اچانک پھٹ پڑا۔

وہ چیختی ہوئی اُن لوگوں کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے!!"

گھر میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

ماہم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں مگر اُس کے لہجے میں شدید درد تھا۔

"تم لوگوں نے ہماری زندگی برباد کر دی!

پہلے میری بہن کو اور اب میرے بابا کو مار دیا تم سب نے! اور اب تماشا دیکھنے آئے ہو

وہ ہر روز اندر سے ٹوٹ رہے تھے... اور آج... آج وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے!"

وہ شدتِ غم سے کانپ رہی تھی۔

قدسیہ اور بتول خاموش کھڑے تھے۔ کسی کے پاس ماہم کے سوالوں کا جواب نہیں تھا۔

"اگر تم لوگ ہماری زندگی میں زہر نہ گھولتے...

تو آج میرے بابا زندہ ہوتے!"

ماہم کی چیخ سن کر عزرا بیگم بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ماحول مکمل قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔

اسی لمحے ضرار فوراً آگے بڑھا۔ اُس نے ماہم کو سنبھالا کیونکہ وہ شدتِ غم سے لڑکھڑا رہی تھی۔

"ماہم... خود کو سنبھالو..."

ماہم نے دھیمی مگر مضبوط آواز میں کہا۔

"کیسے سنبھالوں خود کو؟!"

ماہم چیخ پڑی۔

"میں نے اپنے بابا کو کھو دیا ہے ضرار۔

وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے..."

یہ کہتے کہتے وہ بے اختیار رونے لگی۔

ضرار نے اُسے مضبوطی سے تھام لیا تاکہ وہ گر نہ جائے۔ اُس کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں، مگر وہ جانتا تھا اس وقت ماہم کو سہارا دینا ضروری ہے۔

"تمہارے بابا بہت مضبوط انسان تھے...
اور وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ تم خود کو اس طرح توڑ دو..."

ماہم مسلسل روتی رہی جبکہ ضرار خاموشی سے اُسے سنبھالتا رہا۔

گھر کی دیواریں اُس دن صرف ایک انسان کی موت کی گواہ نہیں تھیں...
بلکہ ایک خاندان کے بکھرنے کی بھی گواہ بن چکی تھیں۔

میرا ابھی بہت چھوٹی تھی۔ اُسے پوری طرح سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر گھر میں کیا ہو گیا ہے۔ کیوں ہر طرف لوگ رو رہے ہیں... کیوں اُس کی ماں کی آنکھوں سے آنسو رک نہیں رہے... اور کیوں آج گھر کا ماحول اتنا ڈراؤنا لگ رہا ہے۔

وہ عزرا بیگم کے گرد بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی انگلیوں سے بار بار اُن کے آنسو صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"امی... آپ کیوں رو رہی ہیں...؟"

میرا نے معصوم آواز میں پوچھا۔

یہ سوال سنتے ہی عزرا بیگم کا دل مزید ٹوٹ گیا۔ اُنہوں نے فوراً میرا کو اپنے سینے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"تمہارے بابا ہمیں چھوڑ گئے ہیں..."

وہ روتے ہوئے بولیں۔

میرا کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی خود رونے لگی۔ بچے لفظ نہیں، احساس سمجھتے ہیں۔ اُسے بس اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کی ماں بہت زیادہ تکلیف میں ہے۔

گھر میں ہر طرف سسکیاں گونج رہی تھیں۔ کچھ عورتیں عزرا بیگم کو سنبھال رہی تھیں جبکہ کچھ خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔

دوسری طرف اقراش باہر مردوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل سن ہو چکا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں مگر شاید آنسو اب خشک ہو چکے تھے۔ وہ بار بار اپنے باپ کی میت کی طرف دیکھتا اور نظریں جھکا لیتا۔

زندگی میں پہلی بار اُسے احساس ہو رہا تھا کہ باپ کا سایہ ختم ہو جانا کتنا بڑا نقصان ہوتا ہے۔
اب جنازے میں صرف دس پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔
اقbyراش آہستہ آہستہ اندر آیا۔ جیسے ہی اُس نے اپنی ماں کی حالت دیکھی، اُس کا دل کانپ اٹھا۔ عزرا بیگم شدتِ غم سے مسلسل رو رہی تھیں۔
"امی..."
اُس نے بھاری آواز میں کہا اور اُن کے قریب بیٹھ گیا۔
عزرا بیگم نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ لیا جیسے ڈوبتا ہوا انسان آخری سہارا پکڑتا ہے۔
"تمھارے بابا ہمیں چھوڑ گئے اقراش...
ہم برباد ہو گئے..."
اقراش کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اُس نے اپنی ماں کو مضبوطی سے تھام لیا۔
"امی... خود کو سنبھالیں... پلیز..."
لیکن وہ خود اندر سے مکمل ٹوٹ چکا تھا۔
پھر وہ میرا کے قریب گیا۔ میرا مسلسل رو رہی تھی۔ میرا فوراً اقراش کے سینے سے لگ گئی۔
"بھائی... بابا کہاں گئے...؟"
اُس کے معصوم سوال نے اقراش کے دل کو چیر کر رکھ دیا۔
وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بمشکل بولا۔
"بابا اللہ کے پاس چلے گئے..."
یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز ٹوٹ گئی۔
اسی دوران باہر سے آواز آئی۔
"جنازہ تیار ہے..."
گھر میں ایک بار پھر کہرام مچ گیا۔
چند مرد اندر آئے۔ سب کے چہرے افسردہ تھے۔ انہوں نے آہستگی سے عبدالرحمان کی میت کو اٹھایا۔
جیسے ہی میت اٹھائی گئی، عزرا بیگم زور سے چیخ مار کر رو پڑیں۔
"عبدالرحمان... ہمیں اکیلا چھوڑ کر مت جائیں..."

ماہم بھی بے اختیار رونے لگی۔ میر اڈر کر اقراش سے لپٹ گئی جبکہ اقراش اپنی آنکھوں میں جمع آنسو چھپانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔

پورا گھر اُس لمحے غم میں ڈوب چکا تھا۔

ایک باپ...

ایک شوہر...

اور ایک گھر کا سہارا...

آج ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا تھا۔

☆☆☆

جنازے کے بعد گھر جیسے بالکل ویران ہو گیا تھا۔ وہی دیواریں، وہی کمرے، وہی لوگ... مگر عبد الرحمان کے بغیر سب کچھ ادھورا الگ رہا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی، ایسی خاموشی جو انسان کے دل کو اندر تک زخمی کر دے۔

عزرا بیگم اب پہلے جیسی نہیں رہی تھیں۔ اُن کی آنکھوں کی چمک ختم ہو چکی تھی۔ چہرے پر مسلسل تھکن اور درد چھایا رہتا۔ وہ زیادہ تر خاموش رہتیں، جیسے اُن کے اندر کے تمام لفظ مر چکے ہوں۔

ماہم اُنہیں سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ کوئی اُن کے پاس بیٹھتا، کوئی پانی دیتا، کوئی تسلی دیتا... مگر کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو کسی انسان کے الفاظ سے نہیں بھرتے۔

اسی طرح غم اور خاموشی میں تین دن گزر گئے۔

تیسرے دن شام کا وقت تھا۔ باہر ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، جیسے موسم بھی اُس گھر کے درد میں شریک ہو۔

ماہم صوفے پر بیٹھی خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھیں جبکہ ضرار اس کے قریب کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر بھی مسلسل پریشانی تھی۔

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد ماہم نے دھیمی مگر مضبوط آواز میں کہا،

”ضرار... میں امی کی عدت تک ساتھ رہوں گی...“

ضرار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔”

”امی بہت بوڑھی ہو چکی ہیں۔ اُنہیں میری ضرورت ہے...“

اس نے بمشکل اپنے جذبات قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔
پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ماہم کی آواز مزید بھاری ہو گئی۔
"اور میں... میں اس گھر میں دوبارہ کبھی نہیں آؤں گی..."
یہ سنتے ہی ضرار جیسے شاکٹ رہ گیا۔
"یہ تم کیا کہہ رہی ہیں؟"
ماہم کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے، مگر لہجہ اب بھی سخت تھا۔
"میرے لیے الگ گھر بنوا دو...
ایسا گھر جہاں صرف میں اور آپ ہوں..."
کمرے میں خاموشی چھا گئی۔
میں ظہیر... امی... اور بتول کے ساتھ بلکل بھی نہیں رہو گی۔
اس کی آواز ٹوٹنے لگی۔
"ان لوگوں نے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔
میں ہر روز اُن چہروں کو دیکھ کر مرتی ہوں..."
ضرار کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بس خاموش کھڑا اُنہیں دیکھتا رہا۔
ماہم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
"اور شاید...
وہ لوگ بھی میرا سامنا کبھی نہیں کر پائیں گے..."
یہ کہہ کر وہ آہستہ سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔
دروازہ بند ہونے کی آواز پورے گھر میں عجیب اداسی چھوڑ گئی۔
ضرار وہیں کھڑا رہ گیا۔ اُس کے ذہن میں بے شمار سوال گردش کر رہے تھے۔ زندگی اچانک اتنی مشکل کیوں ہو گئی تھی؟ ایک کے بعد ایک رشتہ کیوں بکھرتا جا رہا تھا؟
وہ کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔
باہر موسم سرد تھا۔ ہوا تیزی سے چل رہی تھی جبکہ آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کچھ ہی لمحوں بعد بارش شروع ہو گئی۔

ضرار نے آنکھیں بند کر لیں۔
اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی زندگی بھی اِس بارش کی طرح بکھر چکی ہے۔
ایک طرف بیوی کا غم...
دوسری طرف گھر کی نفرتیں...
اور درمیان میں وہ خود...
ایک ایسی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا جہاں ہر راستہ صرف درد کی طرف جاتا تھا۔

☆☆☆

گھر کے ڈرائنگ روم میں شام کی اداس روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر آسمان پر ہلکے بادل تھے اور ہوا میں عجیب سی خاموشی بسی ہوئی تھی۔

بتول اور قدسیہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ دونوں کے چہروں پر پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی، جیسے کئی راتوں سے سکون ان کی آنکھوں سے روٹھ گیا ہو۔ تبھی دروازہ آہستہ سے کھلا اور ضرار اندر داخل ہوا۔

اس کے قدم بوجھل تھے، چہرہ تھکا ہوا اور آنکھیں سرخ۔ وہ بغیر کچھ کہے صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ ایسے جیسے اس کے اندر کی ساری طاقت ختم ہو چکی ہو۔

بتول فوراً گھبرا کر اس کے قریب آئیں۔
"کیا ہوا تمہیں، ضرار؟ سب خیریت تو ہے؟"

ضرار نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ملتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ اس کی آواز میں ٹوٹا ہوا درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"اس نے شرط رکھ دی ہے..."
قدسیہ فوراً بے چین ہو کر بولیں،
"کیسی شرط؟"
ضرار نے نظریں جھکا لیں۔
"وہ کہہ رہی ہے کہ وہ اس گھر میں کبھی واپس نہیں آئے گی... کبھی بھی نہیں۔ اگر مجھے اس کے ساتھ رہنا ہے تو الگ گھر بنوانا ہو گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھر اگئی۔ کمرے میں ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھاگئی۔
اسی دوران ظہیر بھی اندر آگیا۔ اس نے سب کے اداس چہرے دیکھے تو جھنجھلا کر بولا،
"یہ سب کیا تماشہ لگا رکھا ہے؟ سیدھی سی بات ہے، طلاق دے دو اُسے!"
یہ سنتے ہی ضرار نے فوراً سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کے ساتھ غصہ بھی ابھر آیا تھا۔
"نہیں دے سکتا میں طلاق!"
اس کی آواز اس بار بلند تھی۔
"میں آپ کی طرح نہیں ہوں، بھائی... کہ عورتوں پر ہاتھ اٹھاؤں... یا ظلم کر کے خود کو صحیح سمجھوں!"
ظہیر کا چہرہ سخت پڑ گیا مگر ضرار رکا نہیں۔
"آپ کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو؟ اگر آپ نے ایک عورت کی زندگی برباد کر دی... اگر ایک عورت آپ کی وجہ سے مر گئی... تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو معافی ہو جائے گی؟"
اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
"نہیں بھائی... ایسا بالکل نہیں ہوتا۔ پہلے انسان کو دنیا میں اپنے اعمال کا حساب دینا پڑتا ہے۔ مقافاتِ عمل یہیں چکھنا پڑتا ہے... اور پھر جب خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے نا... تب بھی یہ سب ختم نہیں ہو گا۔"
گھر میں سناٹا چھا گیا۔
بتول کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں جبکہ قدسیہ بے بس نظروں سے دونوں بھائیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ظہیر پہلی بار مکمل خاموش کھڑا تھا، جیسے ضرار کے الفاظ اس کے دل میں کہیں گہرائی تک اتر گئے ہوں۔
ضرار نے روتے ہوئے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ اس کے کندھے ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔
"میں تھک گیا ہوں... بہت تھک گیا ہوں..."
اتنا کہہ کر وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پورے گھر میں گونج اٹھی، اور اس آواز کے بعد صرف خاموشی باقی رہ گئی... ایک ایسی خاموشی جو دلوں کو چیر کر رکھ دیتی ہے۔

☆☆☆

وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔
دن مہینوں میں بدل رہے تھے اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ زندگی کے زخم بھی جیسے تھوڑے تھوڑے بھرنے لگے تھے۔ گھر میں اب پہلے جیسی چیخیں، جھگڑے اور بے سکونی نہیں رہی تھی۔ ہر کوئی خاموشی سے اپنی زندگی کو سنبھالنے

کی کوشش کر رہا تھا۔

عزرا بیگم نے اپنی عدّت کے چار مہینے انتہائی صبر اور خاموشی کے ساتھ گزارے۔ ان چار مہینوں میں کئی راتیں ایسی بھی آئیں جب وہ اپنے مرحوم شوہر کو یاد کر کے رو پڑتیں، لیکن پھر خود کو سنبھال لیتیں۔

اور انہی چار مہینوں کے دوران ضرار نے اپنی پوری جان لگا کر ماہم کے لیے ایک نیا گھر بنوایا۔

وہ گھر صرف اینٹوں اور دیواروں کا نام نہیں تھا...

وہ ضرار کی محبت، معافی اور نئے آغاز کی ایک خوبصورت کوشش تھی۔

جیسے ہی عدّت مکمل ہوئی، ضرار خود ماہم کو لینے آیا۔

اس دن اس کے چہرے پر مہینوں بعد سکون دکھائی دے رہا تھا۔ جبکہ ماہم بھی خاموش مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ساتھ چل دی۔

جب وہ نئے گھر پہنچی تو ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

گھر بہت خوبصورت تھا۔ سفید دیواریں، کھلی کھڑکیاں، ہلکے رنگ کے پردے، چھوٹا سا باغیچہ... اور ہر کونے میں اپنائیت بسی ہوئی تھی۔

ماہم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"یہ... سب میرے لیے؟"

ضرار نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"ہم دونوں کے لیے... ہماری نئی زندگی کے لیے۔"

ماہم کی آنکھوں میں محبت اتر آئی۔ برسوں بعد شاید پہلی بار اسے لگا تھا کہ زندگی واقعی دوبارہ خوبصورت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح خوشیوں بھرے دن گزرتے گئے۔

پھر ایک صبح ماہم جلدی جلدی عزرا بیگم کے پاس آئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی خوشی تھی، جیسے وہ اپنے دل میں کوئی بہت بڑا راز چھپائے بیٹھی ہو۔

"امی... مجھے آپ کو ایک بہت اچھی بات بتانی ہے!"

عزرا بیگم فوراً مسکرا دیں۔

"کیا ہوا میری بچی؟"

ماہم نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں، پھر دھیرے سے بولی،

"امی... آپ نانی بننے والی ہیں۔"

ایک لمحے کے لیے جیسے وقت رک گیا۔

پھر اگلے ہی لمحے عزرا بیگم کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

"سچ...؟"

انہوں نے بے اختیار ماہم کو گلے سے لگا لیا۔ ان کے ہونٹ مسلسل دعا دے رہے تھے۔

"میری بچی... اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے..."

ضرار بھی یہ خبر سن کر حیرت اور خوشی سے ہنس پڑا۔ اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ وہ فوراً ماہم کے قریب آیا اور اس کے ماتھے کو محبت سے چوم لیا۔

"تم نے آج مجھے دنیا کی سب سے بڑی خوشی دی ہے..."

اقراش بھی خوشی سے شور مچا رہا تھا۔

"میں ماموں بننے والا ہوں! اب تو میں بچے کو روز آئس کریم کھلاؤں گا!"

سب لوگ ہنس پڑے۔

وہیں میرا بھی بیٹھی سب کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ وہ عمر میں چھوٹی نہیں تھی، لیکن دل سے اب بھی بہت معصوم تھی۔ اسے پوری بات سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔

وہ معصومیت سے بولی،

"اچھا... ٹھیک ہے... لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ لوگ اتنا خوش کیوں ہو رہے ہیں۔ میں جا رہی ہوں اپنے کمرے میں۔"

یہ کہہ کر وہ آرام سے اٹھ کر چلی گئی۔

اس کی بات پر سب زور سے ہنس پڑے۔

گھر میں قہقہوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

چھوٹی چھوٹی خوشیاں جب دل سے محسوس کی جائیں تو وہ پورے گھر کو جنت بنا دیتی ہیں... اور آج وہی چھوٹی خوشیاں اس خاندان کے بکھرے ہوئے دلوں کو دوبارہ جوڑ رہی تھیں۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ شہر کی روشنیاں آہستہ آہستہ جگمگانے لگی تھیں جبکہ ایک خوبصورت ریسٹورنٹ کے کونے میں ظہیر اور مناہل آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

ہلکی مدھم روشنی، کافی کی خوشبو اور آس پاس لوگوں کی دھیمی آوازیں ماحول کو پرسکون بنا رہی تھیں، مگر دونوں کی گفتگو کے پیچھے ایک عجیب سی بے چینی چھپی ہوئی تھی۔

ظہیر کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا جبکہ اس کے چہرے پر عجیب سی خوداعتمادی تھی۔ اس نے کافی کا مگ میز پر رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا،

"اب تو میری بیوی بھی جا چکی ہے..."

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"اب ہم دونوں شادی کر لیتے ہیں۔"

مناہل نے نظریں جھکا کر مصنوعی سی شرم ظاہر کی، پھر آہستہ سے بولی،

"جی... ٹھیک ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو ہمارے گھر بھیج دیں، میں بھی تب تک گھر والوں کو تیار کر لوں گی۔"

ظہیر فوراً مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا،

"ٹھیک ہے۔ آج ہی امی اور بہن کو بھیج دوں گا تم لوگوں کے گھر۔"

مناہل مسکرا دی جبکہ دونوں مستقبل کے خوابوں اور باتوں میں مصروف ہو گئے۔

ان کے لیے شاید سب کچھ بہت آسان تھا... جیسے ماضی کے سارے گناہ صرف وقت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہوں۔

کچھ دیر بعد دونوں ریسٹورنٹ سے نکل گئے۔

مناہل اپنے گھر کی طرف چلی گئی جبکہ ظہیر سیدھا آفس چلا گیا۔

ادھر ضرار ابھی آفس میں ہی موجود تھا۔ کام میں مصروف ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی اور تھکن صاف دکھائی دے رہی تھی۔ زندگی نے اسے وقت سے پہلے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

دوسری طرف بتول، اور قدسیہ ابھی تک اپنے گھر میں پہلے جیسی زندگی گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گھر میں اب پہلے جیسی تلخیاں کم ہو گئی تھیں، لیکن کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو خاموشی میں بھی محسوس ہوتے رہتے ہیں۔

بتول کبھی کبھی اچانک خاموش ہو جاتی۔

قدسیہ کی آنکھوں میں بھی اکثر ایک انجانا سا خوف اور اداسی تیرنے لگتی۔

کیونکہ دل کے کسی کونے میں یہ احساس اب بھی زندہ تھا...

کہ ایک لڑکی ان دونوں کی وجہ سے اس دنیا سے چلی گئی تھی۔

وہ چاہے جتنا بھی معمول کی زندگی جینے کی کوشش کرتے، لیکن ماضی کا ایک سیاہ سایہ ہر وقت ان کے پیچھے کھڑا رہتا تھا۔

اور شاید یہی انسان کی سب سے بڑی سزا ہوتی ہے...

جب انسان خود کو لوگوں سے نہیں، بلکہ اپنے ضمیر سے چھپانے لگے۔

☆☆☆

رات کا وقت تھا۔ گھر کے ڈرائنگ روم میں ہلکی پیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی مگر اندر کا ماحول عجیب سی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ قدسیہ صوفے پر بیٹھی تسبیح کے دانے گھما رہی تھیں جبکہ بتول خاموشی سے ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور ظہیر اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، جیسے وہ کوئی بہت بڑا فیصلہ کر کے آیا ہو۔

وہ آہستہ سے آ کر اپنی ماں کے قریب بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموش رہی، پھر اس نے گہرا سانس لیا۔

"امی... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

قدسیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"خیر تو ہے نا بیٹا؟"

ظہیر نے نظریں جھکا لیں، جیسے الفاظ چننے میں مشکل ہو رہی ہو۔

"امی... میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی بتول نے حیرانی سے ظہیر کو دیکھا جبکہ قدسیہ کے ہاتھوں میں پکڑی تسبیح رک گئی۔ ان کے چہرے پر حیرت اور بے چینی ایک ساتھ ابھر آئی۔

"شادی؟" انہوں نے دھیمی آواز میں کہا، "کس سے؟"

ظہیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، وہ مسکراہٹ جس میں محبت چھپی ہوئی تھی۔

"امی... میں اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

بتول نے فوراً معنی خیز انداز میں کہا،

"ایک کو تو پہلے ہی چھوڑ چکے ہو... اب دوسری کو بھی دل دے بیٹھے ہو کیا؟"

ظہیر نے اسے گھورا مگر خود کو خاموش رکھا۔ پھر اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولا،

"امی، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر آپ لوگ اس کے گھر رشتہ لے کر جائیں گے تو وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔"
قدسیہ کے چہرے پر سختی آ گئی۔
"نہیں ظہیر، میں یہ سب نہیں چاہتی۔ پسند کی شادیوں کا انجام ہمیشہ اچھا نہیں ہوتا۔"
یہ سن کر ظہیر کی آنکھوں میں مایوسی اتر آئی۔ اس نے بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں۔
"امی، آپ میری خوشی کیوں نہیں سمجھ رہیں؟"
"کیونکہ میں تمہاری ماں ہوں!" قدسیہ نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے لیے بہتر سوچتی ہوں۔"
ظہیر اب خود پر قابو کھونے لگا تھا۔ اس کی آواز بھاری ہو گئی۔
"اگر آپ لوگ رشتہ لے کر نہیں جائیں گے... تو پھر میں خود اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔"
یہ جملہ سنتے ہی کمرے کی فضا جیسے منجمد ہو گئی۔ قدسیہ کے دل میں ایک خوف سا جاگا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے دوسرے بیٹے کی یاد آ گئی، جو پہلے ہی انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ دل میں عجیب سی گھبراہٹ اترنے لگی۔
انہوں نے کپکپاتی آواز میں کہا،
"ظہیر... ایسی باتیں مت کرو۔"
مگر ظہیر خاموشی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی خاموشی ہی اس کی ضد کا ثبوت تھی۔
قدسیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ انہیں محسوس ہوا جیسے اگر آج انہوں نے اسے روکنے کی کوشش کی تو شاید وہ واقعی ان سے دور چلا جائے گا۔ ایک ماں کے لیے اس سے بڑا خوف اور کیا ہو سکتا تھا؟
بتول بھی اب سنجیدہ ہو چکی تھی۔ اس نے دھیرے سے کہا،
"امی... مان جائیں۔ کم از کم بھائی اپنی خوشی سے تو رہے گا۔"
قدسیہ نے نم آنکھوں سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ آخر کار انہوں نے ہار مانتے ہوئے گہرا سانس لیا۔
"ٹھیک ہے..." ان کی آواز میں تھکن اور بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی، "ہم آج نہیں تو کل اس کے گھر رشتہ لے کر چلے جائیں گے۔"
یہ سنتے ہی ظہیر کے چہرے پر خوشی کی روشنی پھیل گئی۔ اس نے فوراً اپنی ماں کے ہاتھ تھام لیے۔
"امی، آپ دیکھیں گی... میں کبھی آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔"
قدسیہ نے ہلکی سی مسکراہٹ دی مگر ان کے دل میں ابھی بھی ایک انجانا سا خوف موجود تھا۔ انہیں لگ رہا تھا

جیسے وقت ایک نئے موڑ کی طرف بڑھ رہا ہے... ایسا موڑ جو شاید ان سب کی زندگیاں بدل دے گا۔

☆☆☆

ماہم، عزرا بیگم اور میرا تینوں بیٹھی ڈرائنگ روم میں باتیں کر رہی تھیں۔ کمرے میں ہلکی ہلکی قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ عزرا بیگم کبھی ماہم کو کسی بات پر چھیڑتیں تو کبھی میرا ہنستے ہوئے اس کی نقل اتارنے لگتی۔ ماہم بھی کافی دنوں بعد اپنے گھر آئی تھی، اس لیے اس کے چہرے پر سکون اور اپنائیت صاف نظر آ رہی تھی۔

"ویسے ماہم آپی، آپ کے بغیر گھر کتنا سنسان لگتا ہے۔" میرا نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

ماہم ہنس پڑی۔

"اچھا جی؟ جب میں یہاں ہوتی ہوں تب تو آپ لوگ کہتے ہیں میں بہت بولتی ہوں۔"

عزرا بیگم بھی مسکرا دیں۔

"وہ تو اب بھی بولتی ہو تم۔"

تینوں کی باتوں کے درمیان اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

ٹھک... ٹھک...

ماہم چونک کر خاموش ہوئی جبکہ میرا نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا۔

"اس وقت کون آیا ہے؟"

ماہم آہستہ سے اٹھی اور دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، اس کی نظریں سامنے کھڑے شخص پر جا کر رک گئیں۔

"ضرار... آپ؟"

اس کی آواز میں حیرت واضح تھی۔

ضرار دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ کالے رنگ کی شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح پرکشش لگ رہا تھا مگر اس کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی تھی۔ اس نے ماہم کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولا،

"کیوں؟ کیا میں نہیں آ سکتا یہاں؟"

ماہم فوراً گھبرا گئی۔

"نہیں... میرا مطلب وہ نہیں تھا۔ آپ اچانک..."

ضرار نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا،

"تمہیں لینے آیا ہوں۔"

ماہم چند لمحے خاموش رہی۔ اسے یاد آیا کہ وہ تو آج صبح ہی یہاں آئی تھی۔ اس نے حیرانی سے ضرار کو دیکھا۔

"لیکن... میں تو ابھی صبح ہی آئی ہوں۔"

ضرار نے ہلکا سا مسکرا کر جواب دیا،

"ہاں، مگر تمہارے بغیر گھر اچھا نہیں لگ رہا تھا۔"

یہ سن کر ماہم کے دل میں عجیب سی ہلچل ہوئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں جبکہ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

اندر بیٹھی عزرا بیگم اور میرا بھی اب دروازے تک آ چکی تھیں۔ میرا نے شرارتی انداز میں کہا،

"واہ... ابھی چند گھنٹے بھی نہیں گزرے اور بھائی لینے پہنچ گئے؟"

ضرار نے ہلکا سا مسکرا کر کہا،

"کچھ لوگ عادت بن جاتے ہیں۔ ان کے بغیر سکون نہیں آتا۔"

یہ سنتے ہی ماہم شرم سے سرخ ہو گئی جبکہ عزرا بیگم محبت بھری نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

آج گھر میں ایک الگ ہی رونق تھی۔ صبح سے ہی قدسیہ بیگم گھر کی صفائی اور انتظام میں مصروف تھیں جبکہ بتول بھی بار بار ڈرائنگ روم کو دیکھ رہی تھی تاکہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ گھر کے ماحول سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ آج کوئی خاص مہمان آنے والے ہیں۔

شام کے وقت اچانک دروازے کی بیل بجی۔

بتول نے جلدی سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، سامنے طلحہ اپنی والدہ نادیہ بیگم اور والد زاویر صاحب کے ساتھ کھڑا تھا۔ طلحہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش کھڑا تھا جبکہ نادیہ بیگم کے چہرے پر شفقت نمایاں تھی۔

بتول نے فوراً ادب سے سلام کیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، جیتی رہو بیٹا۔" نادیہ بیگم نے محبت سے جواب دیا۔

بتول نے نظریں جھکا کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

"آئیں اندر آئیں۔"

تینوں مہمان آہستہ آہستہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ قدسیہ بیگم نے فوراً مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور عزت سے بیٹھنے کو کہا۔ چند لمحوں تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، چائے اور ہلکے پھلکے ناشتے کا سلسلہ بھی چلتا رہا مگر سب جانتے تھے کہ آج کی ملاقات کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی چھائی تو زاویر صاحب نے گلا صاف کیا اور نرم لہجے میں بولے،

"اصل میں... ہم لوگ آج ایک ضروری بات کے لیے آئے ہیں۔"

قدسیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا،

"جی فرمایئے۔"

نادیہ بیگم نے محبت بھری نظروں سے طلحہ کو دیکھا، پھر دھیرے سے بولیں،

"ہم چاہتے ہیں کہ اب جلد از جلد طلحہ کی شادی کر دی جائے۔ الحمدللہ اس کی جاب بھی اچھی طرح سیٹل ہو چکی ہے، ذمہ دار بھی بن گیا ہے... تو اب ہم چاہتے ہیں کہ یہ اپنی زندگی میں بھی سیٹل ہو جائے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتول کی طرف دیکھا۔ بتول فوراً شرما کر نظریں جھکا گئی جبکہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔

قدسیہ بیگم کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

"ارے کیوں نہیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بس آپ لوگ بتائیں، پھر ہم ان شاءاللہ سب مل کر شادی کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ دن وغیرہ بھی بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں تاکہ سب کام اچھے طریقے سے ہو جائیں۔"

"جی بالکل۔" زاویر صاحب نے اطمینان سے کہا۔

نادیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ سب خوشی خوشی اور جلدی ہو جائے۔"

قدسیہ بیگم چند لمحے خاموش رہیں، جیسے دل میں کوئی بات سوچ رہی ہوں۔ پھر انہوں نے دھیمی آواز میں کہا،

"میں ایک بات سوچ رہی تھی..."

سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔

انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ اپنے ظہیر اور بتول... دونوں کی شادی اکٹھی کر دوں۔"

یہ سنتے ہی کمرے میں ہلکی سی خاموشی چھا گئی۔ قدسیہ بیگم کی آواز میں ماں کی سی بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"ظہیر کے ساتھ جو حادثہ ہوا تھا..." ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، "وہ ابھی تک اُس صدمے سے پوری طرح باہر نہیں آسکا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کی زندگی میں بھی خوشی آجائے... شاید شادی کے بعد وہ پہلے جیسا ہو جائے۔"

نادیہ بیگم نے فوراً ہمدردی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ بالکل ٹھیک سوچ رہی ہیں۔ بعض اوقات انسان کو غم سے نکالنے کے لیے نئے رشتوں اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان شاءاللہ سب بہتر ہو جائے گا۔"

قدسیہ بیگم نے ہلکی سی مسکراہٹ دی مگر ایک ماں کی فکر اب بھی ان کی آنکھوں میں صاف جھلک رہی تھی۔

دوسری طرف بتول خاموش بیٹھی تھی، مگر اس کے دل میں انجانی سی خوشی اور گھبراہٹ ایک ساتھ جنم لے رہی تھی، جبکہ طلحہ چپ چاپ بیٹھا کبھی نظریں جھکا لیتا اور کبھی چوری چوری بتول کو دیکھ لیتا۔ کمرے کا ماحول اب پہلے سے زیادہ اپنائیت اور خوشیوں سے بھر چکا تھا۔

نادیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے قدسیہ بیگم کی بات سنی، پھر نہایت محبت بھرے انداز میں بولیں،

"تو پھر ٹھیک ہے، آپ جیسے ہی ظہیر کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ لیں، ہمیں بھی بتا دیجیے گا۔ پھر ہم سب مل کر دن تہ کر لیں گے۔ ویسے بھی کتنا خوبصورت لگے گا نا... ایک دن آپ کے گھر سے ایک بیٹی رخصت ہو گی اور اسی گھر میں ایک نئی بہو آجائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

قدسیہ بھی مسکرا دیں۔

"جی، بس اب ہم لوگ جلد ہی ظہیر کے لیے رشتہ دیکھنے والے ہیں۔ ایک دو جگہ بات بھی چل رہی ہے۔ جیسے ہی سب ٹھیک ہوا، ہم ان لوگوں کے گھر رشتہ لے کر جائیں گے۔ پھر دیکھتے ہیں اللہ کو کیا منظور ہے۔"

زاویر صاحب نے اطمینان سے سر ہلایا۔

"ان شاءاللہ سب خیر سے ہو گا۔"

کمرے کا ماحول اب پہلے سے زیادہ خوشگوار ہو چکا تھا۔ ہر کسی کے چہرے پر آنے والی خوشیوں کی جھلک نمایاں تھی۔

دوسری طرف بتول خاموش بیٹھی سب کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے دل میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

شادی کا نام سنتے ہی اس کے ذہن میں رنگ برنگے کپڑے، چوڑیاں، مہندی، دلہن کے جوڑے اور اپنے نئے گھر کی تصویریں گھومنے لگی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اب واقعی اس کی زندگی بدلنے والی ہے۔ اسے اپنے سسرال کے وہ دن یاد آنے لگے جہاں وہ خوب سج سنور کر رہے گی، نئے کپڑے پہنے گی اور سب کی توجہ کا مرکز بنے گی۔

وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ قدسیہ بیگم کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"بتول بیٹا، چائے لے آؤ۔"

"جی امی۔"

بتول فوراً اٹھی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ٹرے میں چائے اور ہلکے پھلکے اسنیکس لے کر واپس آئی۔ اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی، شاید شرم اور خوشی دونوں ایک ساتھ اس کے دل میں اتر رہے تھے۔

نادیہ بیگم نے پیار سے اسے دیکھا۔

"ماشاء اللہ، بہت پیاری بچی ہے۔"

بتول شرما کر ہلکا سا مسکرا دی اور خاموشی سے چائے سب کے سامنے رکھنے لگی۔

چائے کے دوران پھر ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ کبھی شادی کی تیاریوں کا ذکر ہوتا، کبھی آنے والے دنوں کی باتیں۔ پورا ماحول خوشیوں اور اپنائیت سے بھرا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد نادیہ بیگم اور زاویر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا پھر اب اجازت دیں، ان شاء اللہ جلد دوبارہ ملاقات ہوگی۔"

قدسیہ بیگم بھی مسکراتے ہوئے کھڑی ہوگئیں۔

"جی ضرور، اب تو بار بار آنا جانا لگا رہے گا۔"

طلحہ جاتے جاتے ایک نظر چپکے سے بتول کی طرف دیکھ کر مسکرایا جبکہ بتول فوراً نظریں جھکا گئی۔

دروازے تک چھوڑنے کے بعد جب وہ لوگ چلے گئے تو گھر میں عجیب سی خوشی اور خاموشی ایک ساتھ پھیل گئی۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیالوں میں گم تھا... کیونکہ آنے والے دن شاید ان سب کی زندگیاں بدلنے والے تھے۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا۔ آسمان پر سورج کی آخری روشنی پھیلی ہوئی تھی جبکہ ٹھنڈی ہوا ماحول کو مزید پرسکون بنا رہی تھی۔ گھر کے اندر قدسیہ بیگم اور بتول تیار ہو رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہلکی سی بے چینی اور امید ایک ساتھ موجود تھی، کیونکہ آج وہ ایک خاص مقصد کے لیے جا رہے تھے۔

قدسیہ بیگم بار بار آئینے میں اپنا دوپٹہ درست کر رہی تھیں۔ دل میں کئی دعائیں تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ آج کی یہ ملاقات ان کے بیٹے ظہیر کی زندگی میں خوشیاں لے آئے۔

"چلیں؟" بتول نے نرمی سے کہا۔

قدسیہ بیگم نے ہلکا سا سر ہلایا۔

"جی... اللہ خیر کرے۔"

دونوں گھر سے نکلے اور کچھ دیر بعد مناہل کے گھر پہنچ گئے۔

دروازے پر دستک دیتے ہی کچھ لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ سامنے ایک باوقار خاتون کھڑی تھیں۔ یہ نوشین تھیں، مناہل کی والدہ۔ ان کے چہرے پر نرمی اور اپنائیت نمایاں تھی۔

"السلام علیکم، آئیں اندر آئیں۔"

"وعلیکم السلام۔"

قدسیہ بیگم اور بتول اندر داخل ہوئے۔ ڈرائنگ روم نہایت صاف ستھرا اور سادہ تھا۔ وہاں مناہل کے والد عنایت صاحب بھی موجود تھے۔ دونوں نے عزت اور محبت سے ان کا استقبال کیا۔

کچھ دیر تک رسمی باتیں اور چائے پانی کا سلسلہ چلتا رہا، مگر سب جانتے تھے کہ آج کی ملاقات کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔

آخرکار قدسیہ نے دھیرے سے بات شروع کی۔

"اصل میں... ہم لوگ آج ایک خاص مقصد کے لیے آئے ہیں۔"

نوشین اور عنایت صاحب خاموشی سے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

قدسیہ بیگم نے نرمی سے کہا،

"ہم اپنے بیٹے زہیر کے لیے آپ کی بیٹی مناہل کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر امید صاف جھلک رہی تھی۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر نوشین نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں،

"یہ تو ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔"

قدسیہ بیگم کے چہرے پر فوراً سکون اتر آیا۔

عنایت صاحب نے سنجیدگی مگر محبت بھرے انداز میں کہا،
"ظہیر بہت اچھا اور سمجھدار لڑکا ہے، اور آپ لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔ ہمیں یہ رشتہ پسند ہے۔"
یہ سن کر قدسیہ بیگم کی آنکھوں میں خوشی چمکنے لگی۔
"اللہ آپ لوگوں کو خوش رکھے۔" انہوں نے جذباتی لہجے میں کہا۔
نوشین نے مسکراتے ہوئے کہا،
"ہم بس کل تک آپ کو بتادیں گے رشتے کی باقی باتیں اور رسمیں کیسے کرنی ہیں، پھر ان شاء اللہ آگے سب طے کر لیتے ہیں۔"
قدسیہ بیگم فوراً بولیں،
"اصل میں ہم لوگ چاہتے ہیں کہ شادی جلدی ہو جائے۔ ہماری بیٹی بتول کی شادی بھی طے ہو چکی ہے، تو ہم چاہتے ہیں کہ دونوں بچوں کی شادی اکٹھی ہو جائے تاکہ گھر میں ایک ساتھ خوشیاں آئیں۔"
"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" نوشین نے خوشی سے کہا۔
پھر قدسیہ بیگم کا لہجہ ہلکا سا اداس ہو گیا۔
"دراصل... ہمارا ایک بیٹا اور بہو ہم سے الگ رہتے ہیں۔ جاب کے سلسلے میں انہیں دوسرے شہر جانا پڑا۔ گھر پہلے جیسا نہیں رہا... اسی لیے چاہتی ہوں کہ اب یہ خوشیاں دوبارہ ہمارے گھر لوٹ آئیں۔"
یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
نوشین نے فوراً ہمدردی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
"فکر نہ کریں، ان شاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا۔ اللہ آپ کے گھر کو ہمیشہ خوشیوں سے بھر دے۔"
قدسیہ بیگم ہلکا سا مسکرادیں۔ ان کے دل کا بوجھ جیسے کچھ کم ہو گیا تھا۔
اس کے بعد کافی دیر تک شادی، رسموں اور آنے والے دنوں کی باتیں ہوتی رہیں۔ گھر کا ماحول اب اپنائیت اور خوشیوں سے بھر چکا تھا۔ سب کے دلوں میں ایک نئی شروعات کی امید جاگ اٹھی تھی۔

☆☆☆

وقت آہستہ آہستہ اپنی رفتار سے گزر رہا تھا اور ساتھ ہی شادی کے دن بھی تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔ پورا گھر خوشیوں، قہقہوں اور تیاریوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ خاص طور پر بتول کے گھر کا تو عجیب ہی سماں تھا۔ ہر طرف رنگ برنگے کپڑے بکھرے ہوئے تھے، کہیں جیولری کے ڈبے کھلے پڑے تھے تو کہیں عورتیں بیٹھی

شادی کے گانے گنگنا رہی تھیں۔

"ارے بتول! جلدی کرو، ابھی بہت سارے کام باقی ہیں!"

"وہ مہندی والے کپڑے ابھی تک تیار نہیں ہوئے!"

"اور سنو، مہمانوں کی لسٹ دوبارہ چیک کر لو!"

ہر طرف سے بس آوازیں ہی آوازیں آ رہی تھیں۔

بتول صبح سے ایک پل کے لیے بھی سکون سے نہیں بیٹھی تھی۔ کبھی وہ اپنی امی کے ساتھ بازار کے سامان کی لسٹ دیکھتی تو کبھی کچن میں جا کر مہمانوں کے انتظامات میں لگ جاتی۔ مسلسل بھاگ دوڑ کی وجہ سے اُس کا چہرہ تھکن سے مرجھانے لگا تھا، مگر آنکھوں میں پھر بھی شادی کی خوبصورت چمک موجود تھی۔

آخر کار وہ تھک کر ڈرائنگ روم کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے گہرا سانس لیا اور اپنے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا۔ ابھی اُس نے سکون کا ایک لمحہ محسوس ہی کیا تھا کہ اُس کی امی نے آتے ہی کہا،

"چلو بھئی، ضرار کے گھر بھی جانا ہے۔ اُن لوگوں کو شادی کی دعوت دینی ہے۔"

بتول نے تھکی ہوئی مگر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی امی کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی،

"جی ٹھیک ہے امی... میں ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔"

وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ اچانک رک کر بولی،

"اچھا سنیں... پلیز زیادہ دیر مت لگائیے گا۔ ابھی بہت کام باقی ہیں اور مجھے رات تک سب کچھ سیٹ بھی کرنا ہے۔"

اُس کی بات سن کر وہاں موجود سب لوگ ہنس پڑے۔

"ہائے اللہ! ابھی سے اتنی فکر؟ دلہن بننے سے پہلے ہی گھر سنبھالنے لگی ہو!" اُس کی امی نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

بتول شرما کر بس ہلکا سا مسکرا دی، مگر اُس کے دل کے اندر عجیب سی بے چینی بھی چل رہی تھی۔ خوشی تو بہت تھی... مگر شادی کا نام سنتے ہی دل زور زور سے دھڑکنے لگتا تھا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی زندگی بہت جلد بدلنے والی ہے۔

کچھ دیر بعد سب لوگ تیار ہو کر ضرار کے گھر جانے کے لیے نکل گئے، شام کی ٹھنڈی ہوا بتول کے چہرے کو چھو رہی تھی اور اُس کے دل میں آنے والے کل کے ہزاروں خواب خاموشی سے جنم لے رہے تھے۔

شام کا وقت تھا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے جبکہ ٹھنڈی ہوا ماحول کو مزید خاموش اور اداس بنا رہی تھی۔ بتول اور قدسیہ دونوں گاڑی میں بیٹھی ضرار کے گھر کی طرف جا رہی تھیں۔ راستے بھر قدسیہ یہی سوچتی

رہیں کہ شاید آج سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے... شاید ماہم کے دل کی ناراضی کچھ کم ہو جائے... مگر قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ضرار کے گھر کے باہر آ کر رک گئی۔ دونوں آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئیں۔ گھر میں عجیب سی خاموشی تھی۔ ایک ملازمہ نے آ کر بتایا کہ ماہم اپنے کمرے میں ہے۔

دوسری طرف ماہم اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اُس کے سامنے ٹیبل پر دوائیوں کی بوتلیں رکھی تھیں۔ حاملہ ہونے کی وجہ سے اُس کی طبیعت اکثر خراب رہتی تھی، اسی لیے وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ اُس کے چہرے پر پہلے جیسی رونق نہیں رہی تھی بلکہ ہر وقت ایک عجیب سی تھکن اور بے زاری دکھائی دیتی تھی۔

جیسے ہی دروازہ کھلا اور بتول اور قدسیہ اندر آئیں، ماہم نے ایک نظر اُن دونوں کو دیکھا۔ اُس کے چہرے پر لمحے بھر کے لیے بھی خوشی نہ آئی بلکہ اُس کی آنکھوں میں چھپی نفرت اور بھی نمایاں ہو گئی۔

بتول نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،

"السلام علیکم ماہم..."

ماہم نے سرد لہجے میں جواب دیا،

"وعلیکم السلام..."

پھر خاموشی سے آ کر بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے اُن دونوں کا وہاں آنا اُسے بالکل پسند نہ آیا ہو۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ آخر کار قدسیہ نے ہلکی آواز میں کہا،

"بیٹا... ہم اصل میں تم لوگوں کو دعوت دینے آئے تھے۔ ہمارے گھر میں بتول اور ظہیر کی شادی ہے... تم اور ضرار لازمی آنا۔"

یہ سنتے ہی ماہم کے چہرے کے تاثرات مزید سخت ہو گئے۔ اُس نے طنزیہ انداز میں ہلکی سی ہنسی نکالی اور پھر بے رخی سے بولی،

"بس؟ بات ختم ہو گئی؟"

قدسیہ اور بتول خاموشی سے اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔

ماہم نے بغیر کسی لحاظ کے دوبارہ کہا،

"اگر دعوت دے دی ہے تو اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ ہمارا دل ہوا تو آ جائیں گے... ورنہ نہیں آئیں گے۔"

بتول نے حیرت سے ماہم کو دیکھا۔ اُس کے دل پر جیسے چوٹ لگی ہو۔ وہ خاموش بیٹھی صرف ماہم کے لہجے کی تلخی محسوس کر رہی تھی۔

مگر ماہم ابھی رکی نہیں تھی۔

وہ غصے سے بولی،

"اور پلیز... آئندہ میرے کمرے میں آنے سے پہلے سوچ لیا کریں۔ ہر کوئی یہاں آ کر ڈرامے کرے، مجھے پسند نہیں۔ معذرت کے ساتھ... آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

یہ الفاظ ایسے تھے جیسے کسی نے قدسیہ کے دل پر وار کر دیا ہو۔ اُن کی آنکھوں میں بے اختیار نمی اتر آئی، مگر وہ خاموش رہیں۔ بتول نے اپنی امی کی طرف دیکھا تو اُس کا دل مزید بھر آیا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ وہاں سے اٹھ گئیں۔ بتول نے ایک آخری نظر ماہم پر ڈالی، مگر ماہم نے جان بوجھ کر اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔

گھر سے باہر نکلتے ہی بتول کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اُس نے دھیمی آواز میں کہا،

"امی... ہم نے تو صرف محبت سے بلایا تھا..."

قدسیہ نے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے اُس کا ہاتھ تھاما اور مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں،

"چھوڑ دو بیٹا... ہر انسان کا دل ایک جیسا نہیں ہوتا..."

اور وہ دونوں گھر واپس چلے گئے۔۔

☆☆☆

دیکھتے ہی دیکھتے دن گزرتے گئے... اور پھر آخر کار وہ دن آ ہی گیا جس کا سب کو بے صبری سے انتظار تھا۔

مایوں اور مہندی کی خوبصورت رات۔

پورا شادی ہال رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف پھولوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر خوبصورت پیلے اور سبز رنگ کی سجاوٹ کی گئی تھی جبکہ ہال میں بجتے ہلکے ہلکے گانے ماحول کو مزید خوشگوار بنا رہے تھے۔

اسٹیج پر دو خوبصورت صوفے رکھے گئے تھے جہاں بتول اور مناہل دلہنوں کے لباس میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

دونوں بے حد حسین لگ رہی تھیں۔ بتول نے پیلے رنگ کا خوبصورت غرارہ پہنا ہوا تھا جس پر سنہری کڑھائی ہو رہی تھی، جبکہ منال ہلکے سبز رنگ کے جوڑے میں کسی پری جیسی لگ رہی تھی۔

بتول کے ساتھ صوفے پر تلحہ بیٹھا تھا جبکہ دوسری طرف مناہل کے ساتھ ظہیر بیٹھا ہوا تھا۔ چاروں کے چہروں پر الگ الگ جذبات تھے۔ کہیں خوشی تھی، کہیں شرمندگی، کہیں آنے والے کل کی بے چینی۔

جیسے ہی مہندی کی رسمیں شروع ہوئیں، پورا ہال قہقہوں اور خوشیوں سے گونج اٹھا۔

"ارے پہلے دلہن کے ہاتھوں پر مہندی لگاؤ!"

"ظہیر بھائی ذرا مسکرائیں بھی!"

"تلحہ! اتنے سنجیدہ کیوں بیٹھے ہو؟"

ہر طرف ہنسی مذاق کا ماحول بن گیا۔

لڑکیاں ڈھولکی پر بیٹھ کر شادی کے گانے گا رہی تھیں۔ کوئی تالیاں بجا رہا تھا تو کوئی ڈانس کر رہا تھا۔ بزرگ عورتیں خوشی خوشی دلہنوں پر پیسے وار رہی تھیں جبکہ بچے اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔

بتول کبھی اپنی ہتھیلیوں پر لگی مہندی کو دیکھتی تو کبھی چوری چھپے اپنے ارد گرد کے ماحول کو۔ اُس کے دل میں عجیب سی ہلچل تھی۔ خوشی بھی تھی... مگر ایک انجانا خوف بھی کہ اب اُس کی زندگی ہمیشہ کے لیے بدلنے والی ہے۔

اسی دوران ظہیر نے ایک نظر مناہل کو دیکھا جو شرماتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔ جبکہ دوسری طرف تلحہ خاموشی سے بتول کو دیکھ رہا تھا، جیسے اُس کی آنکھوں میں ہزاروں ان کہی باتیں چھپی ہوں۔

رات ہنسی خوشی گزرتی رہی۔ گانے، مذاق، تصویریں اور رسمیں... سب کچھ اتنا خوبصورت لگ رہا تھا جیسے وقت وہیں رک گیا ہو۔

آخر کار کافی دیر بعد مہندی کا فنکشن ختم ہو گیا۔ آہستہ آہستہ سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے لگے۔ ہال میں پھیلا شور بھی کم ہونے لگا۔

بتول تھکی ہوئی سی اسٹیج سے اتری جبکہ اُس کے دل میں آج کی حسین رات ہمیشہ کے لیے ایک خوبصورت یاد بن چکی تھی۔

☆☆☆

جمعہ کی خوبصورت صبح...

گھر میں صبح سے ہی ایک الگ سی چہل پہل تھی۔ ہر طرف جلدی جلدی تیاری ہو رہی تھی۔ کوئی کپڑے استری کر رہا تھا، کوئی جیولری سنبھال رہا تھا، اور کوئی بار بار وقت دیکھ کر سب کو جلدی کرنے کا بول رہا تھا۔

بتول اپنے کمرے میں کھڑی آئینے کے سامنے بال بنا رہی تھی کہ تبھی قدسیہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ اُن کے

چہرے پر خوشی بھی تھی اور بیٹی کی جدائی کا ہلکا سا غم بھی۔
انہوں نے نرمی سے کہا،
"بتول بیٹا، تم اکیلی پارلر نہیں جاؤ گی۔ جب گاڑی میں بیٹھو تو راستے میں مناہل کو بھی پک کر لینا۔ وہ بھی تمہارے ساتھ ہی پارلر جائے گی، تم دونوں اکٹھے چلی جانا۔"
پھر اچانک اُنہیں کچھ یاد آیا تو بولیں،
"اور ہاں... آج تم نے وہ سفید والا جوڑا پہننا ہے۔ آخر آج تمہارا نکاح ہے..."
یہ سنتے ہی بتول کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے تیز ہو گئی۔ نکاح...
صرف ایک لفظ، مگر اُس لفظ کے ساتھ اُس کی پوری زندگی بدلنے والی تھی۔
بتول نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،
"جی ٹھیک ہے امی..."
قدسیہ نے الماری کھول کر بہت احتیاط سے اُس کا سفید رنگ کا خوبصورت جوڑا نکالا۔ جوڑے پر نفیس چاندی کی کڑھائی ہوئی تھی اور وہ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ بتول کچھ لمحوں تک خاموشی سے اُس لباس کو دیکھتی رہی، جیسے حقیقت کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔
کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر نیچے آ گئی۔ گھر کے باہر گاڑی پہلے سے موجود تھی۔ قدسیہ نے جاتے جاتے اُس کے ماتھے کو چوما اور دعا دیتے ہوئے بولیں،
"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے..."
بتول نے مسکرا کر سر ہلایا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ پھر ڈرائیور کو مناہل کے گھر جانے کا کہا۔
راستے بھر اُس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ کبھی وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی تو کبھی خاموشی سے اپنی انگلیاں مروڑنے لگتی۔
کچھ دیر بعد گاڑی مناہل کے گھر کے سامنے جا کر رک گئی۔ مناہل پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ آج وہ بھی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہلکی سی شرمندگی اور خوشی صاف نظر آ رہی تھی۔
جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔
"آج ہم واقعی دلہن بن گئے..." مناہل نے دھیرے سے کہا۔
بتول نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں جبکہ دونوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں پارلر پہنچ گئیں جہاں اُن کی تیاری شروع ہو گئی۔ میک اپ آرٹسٹ اُنہیں دلہن بنانے میں مصروف تھیں جبکہ آئینے کے سامنے بیٹھی دونوں لڑکیاں کبھی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتیں تو کبھی خاموش ہو جاتیں۔

آخرکار کئی گھنٹوں بعد دونوں مکمل تیار ہو چکی تھیں۔ سفید اور ہلکے رنگوں کے خوبصورت عروسی لباس میں وہ کسی خواب جیسی لگ رہی تھیں۔

پھر اُنہیں شادی ہال لے جایا گیا جہاں پہلے ہی مہمانوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ پورا ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا اور ہر طرف خوشیوں کا شور تھا۔

کچھ ہی دیر بعد نکاح کی رسم شروع ہو گئی۔

قاضی صاحب کی آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی جبکہ بتول کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اُسے اپنی سانسیں تک سنائی دے رہی تھیں۔

"بتول بنتِ... کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

یہ الفاظ سنتے ہی اُس نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔ اُس کے ہاتھ ہلکے سے کانپ رہے تھے۔

"ق... قبول ہے..."

تین بار یہی الفاظ ادا ہوتے ہی اُس کی زندگی ایک نئے رشتے سے جڑ گئی۔

دوسری طرف مناہل اور ظہیر کا نکاح بھی بخیر و خوبی مکمل ہو گیا۔ جیسے ہی نکاح ختم ہوا، پورا ہال مبارکبادوں اور دعاؤں سے گونج اٹھا۔

لوگ ایک دوسرے کو مٹھائیاں کھلا رہے تھے۔ کوئی تصاویر بنوا رہا تھا تو کوئی دلہنوں کو دعائیں دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کھانا سرو کیا گیا اور سب نے خوشی خوشی شادی کا کھانا کھایا۔ پورا ماحول خوشیوں، قہقہوں اور محبت سے بھرا ہوا تھا۔

آخرکار رات ڈھلنے لگی اور آہستہ آہستہ سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے لگے۔ مگر بتول اور مناہل کی زندگیوں میں آج سے ایک نئی کہانی کا آغاز ہو چکا تھا۔

جمعے کی رات خوشیوں، رسموں اور مسلسل مصروفیات میں اس قدر گزر گئی تھی کہ ہر کوئی بری طرح تھک چکا تھا۔ نکاح ختم ہونے کے بعد جب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے تو کسی میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ زیادہ دیر جاگ سکے۔ عورتیں بھی تھکی ہوئی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں جبکہ مرد خاموشی سے

اپنے کمروں کی طرف چلے گئے تھے۔

بتول بھی اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر بیٹھی تو اُس نے گہرا سانس لیا۔ پورا دن جیسے ایک خواب کی طرح گزرا تھا۔ نکاح کے وہ الفاظ اب بھی اُس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"قبول ہے..."

وہ ہلکا سا مسکرائی اور پھر تھکن کی وجہ سے نہ جانے کب اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اسی طرح پورا گھر خاموشی میں ڈوب گیا۔

اگلی صبح، ہفتے کا دن تھا۔

آج گھر میں معمول کے برعکس عجیب سی خاموشی تھی۔ کیونکہ سب لوگ رات کی تھکن کی وجہ سے دیر تک سوتے رہے۔ سورج کافی اوپر آ چکا تھا مگر گھر کے اکثر کمروں کے دروازے اب بھی بند تھے۔

ظہیر نے بھی آج اپنے آفس سے چھٹی لی ہوئی تھی۔ آخر کل اُس کی رخصتی تھی اور گھر میں ابھی بے شمار تیاریاں باقی تھیں۔

دوسری طرف ماہم اور ضرار کو ابھی تک کچھ پتہ نہیں تھا۔ ماہم کو سب معلوم تھا... وہ جانتی تھی کہ بتول اور اہیر دونوں کا نکاح ہو چکا ہے، مگر اُس نے جان بوجھ کر ضرار کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

شاید اُس کی انا... اُس کی نفرت... یا دل میں چھپا غصہ اُسے روک رہا تھا۔

اگر ضرار کو پتہ چل جاتا تو وہ ضرور شادی میں جاتا، کیونکہ دل کے کسی کونے میں وہ اب بھی اپنے رشتوں کی قدر کرتا تھا۔

لیکن ماہم خاموش رہی۔

اِدھر دوپہر کے قریب آہستہ آہستہ سب لوگ اٹھنا شروع ہوئے۔ کوئی نیند میں بوجھل آنکھوں کے ساتھ باہر آ رہا تھا اور کوئی اب بھی اُونگھ رہا تھا۔

بتول سب سے پہلے اٹھ گئی تھی۔ حالانکہ وہ خود بھی بہت تھکی ہوئی تھی، مگر پھر بھی وہ خاموشی سے کچن میں چلی گئی۔ آج اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔ نکاح کے بعد جیسے اُس کے اندر ایک نرمی اور ذمہ داری آ گئی تھی۔

وہ سب کے لیے ناشتہ تیار کرنے لگی۔ کبھی چائے بناتی، کبھی پراٹھے گرم کرتی، تو کبھی پلیٹیں سیٹ کرتی۔

قدسیہ نے جب اُسے اتنی صبح کام کرتے دیکھا تو اُن کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ابھی سے سسرال والی عادتیں شروع ہو گئی ہیں..." انہوں نے پیار سے کہا۔
بتول شرما کر بس خاموش ہو گئی۔
کچھ دیر بعد ظہیر بھی بال بکھرے ہوئے اور نیند بھری آنکھوں کے ساتھ باہر آ گیا۔ اُس نے آتے ہی میز پر رکھا ناشتہ دیکھا تو حیرت سے بولا،
"واہ... آج تو بڑا شاہی ناشتہ بنا ہے..."
بتول نے نظریں جھکا لیں جبکہ باقی سب لوگ ہنسنے لگے۔
پھر سب لوگ اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔ پورے گھر میں ایک نرم سی خوشی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر کسی کے چہرے پر سکون اور آنے والے کل کی بے چینی صاف نظر آ رہی تھی۔
ناشتہ ختم کرنے کے بعد ظہیر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ آج اُس کے کمرے کی خاص سجاوٹ ہونی تھی کیونکہ کل اُس کی دلہن اس گھر میں آنے والی تھی۔
قدسیہ اُس کے پیچھے آئیں اور دروازے کے پاس کھڑے ہو کر بولیں،
"ظہیر، میں سوچ رہی ہوں سجاوٹ والوں کو بلا لیتے ہیں تاکہ تمہارا کمرہ اچھی طرح تیار ہو جائے۔ آخر کل دلہن نے آنا ہے..."
یہ سنتے ہی ظہیر کے چہرے پر ہلکی سی شرمندہ مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے نظریں چرا کر دھیرے سے کہا،
"جی ٹھیک ہے امی... میں ابھی اُنہیں کال کر لیتا ہوں..."
قدسیہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو اُن کی آنکھوں میں عجیب سی نمی آ گئی۔ کل تک جو بچہ اُن کی انگلی پکڑ کر چلتا تھا، آج اُس کی زندگی کا نیا سفر شروع ہونے جا رہا تھا۔
کچھ دیر بعد سجاوٹ والے گھر آ گئے۔ پورے کمرے میں سرخ اور سفید پھول لگائے جانے لگے۔ بیڈ پر خوبصورت چادریں بچھائی جا رہی تھیں جبکہ چھت سے لائٹس اور پھولوں کی لڑیاں لٹکائی جا رہی تھیں۔
ظہیر خاموشی سے کھڑا اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دل میں عجیب سی ہلچل تھی۔ خوشی بھی تھی... بے چینی بھی... اور ایک نئی ذمہ داری کا احساس بھی۔
کمرے میں پھیلی پھولوں کی خوشبو اور نرم روشنی ماحول کو اور بھی خوبصورت بنا رہی تھی، جبکہ باہر پورا گھر کل کی رخصتی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

☆☆☆

آج دوپہر کا وقت تھا۔ موسم میں ہلکی سی خاموشی گھلی ہوئی تھی، جبکہ گھر کے اندر عجیب سا سنّاٹا پھیلا ہوا تھا۔ عزرا بیگم ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھیں۔ اُن کے چہرے پر وقت کی تھکن اور آنکھوں میں برسوں کا درد صاف دکھائی دیتا تھا۔

اُن کے سامنے چائے کا کپ رکھا تھا، مگر وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ بس خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھیں، جیسے ماضی کی کسی یاد میں کھوئی ہوئی ہوں۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

"السلام علیکم!"

یہ ماہم کی آواز تھی۔

عزرا بیگم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ماہم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور آ کر اُن کے پاس بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام بیٹا..." عزرا بیگم نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

ماہم ہمیشہ کی طرح کوشش کر رہی تھی کہ گھر کے اداس ماحول میں تھوڑی سی ہنسی اور زندگی واپس لے آئے۔ وہ آتے ہی ہلکے پھلکے مذاق کرنے لگی۔

"کیا بات ہے امی؟ آج پھر سے اکیلی بیٹھی ہیں؟ لگتا ہے مجھے ہی آپ کی کمپنی دینی پڑے گی..."

عزرا بیگم نے ہلکی سی مصنوعی مسکراہٹ دی، مگر اُن کی آنکھوں کی اداسی کم نہ ہو سکی۔

دونوں باتیں کرنے لگیں۔ کبھی پرانی یادوں کا ذکر ہوتا تو کبھی محلے کی باتیں۔ کچھ دیر کے لیے واقعی ماحول تھوڑا ہلکا لگنے لگا۔

لیکن پھر اچانک باتوں ہی باتوں میں ماہم بول بیٹھی،

"ویسے آج بتول اور ظہیر کی شادی ہے... آج اُن کی رخصتی کی تیاری ہو رہی ہو گی..."

یہ سنتے ہی جیسے وقت اچانک رک گیا۔

عزرا بیگم کے چہرے کی ہلکی سی مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔ اُن کی آنکھوں میں ایک عجیب سی تکلیف ابھر آئی۔ ہاتھ ہلکے سے کانپنے لگے۔

چند لمحے وہ خاموش رہیں... پھر اُن کی آواز بھاری ہو گئی۔

"ہاں... سب کی شادیاں ہو رہی ہیں..."

"بس میری بیٹی ہی دنیا سے چلی گئی..."

یہ کہتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"انہوں نے میری بیٹی مجھ سے چھین لی..." عزرا بیگم درد سے بولیں۔

"اللہ کرے... جیسے میں ہر روز تڑپتی ہوں نا... ویسے ہی اُنہیں بھی سکون نہ ملے..."

وہ بددعائیں دینے لگیں۔ اُن کے لہجے میں اتنا درد تھا کہ سننے والے کا دل بھی کانپ جائے۔

ماہم فوراً اُن کے قریب آگئی اور اُن کے ہاتھ تھام لیے۔

"امی پلیز... سنبھالے خود کو..." اُس نے نرمی سے کہا۔

"جو چلا گیا وہ واپس نہیں آئے گا... لیکن آپ خود کو اس طرح تکلیف دیں گی تو آپ کی طبیعت مزید خراب ہو جائے گی..."

عزرا بیگم بس روتی رہیں۔ اُن کے دل میں برسوں کا دبا ہوا غم آج پھر تازہ ہو گیا تھا۔

"میری بچی بہت معصوم تھی..." وہ سسکی لیتے ہوئے بولیں۔

"اُسے تو ابھی جینا تھا۔

ماہم کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ وہ خاموشی سے عزرا بیگم کو تسلی دیتی رہی۔

گھر کے دوسرے حصے میں اقراش آج پھر اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا تھا۔ اُسے شاید اندازہ بھی نہیں تھا کہ اُس کی ماں اندر ہی اندر کس اذیت سے گزر رہی ہے۔

کمرے میں بس عزرا بیگم کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی جبکہ ماہم خاموشی سے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہی، جیسے ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا دینے کی کوشش کر رہی ہو۔

☆☆☆

رخصتی اور شادی کا دن۔

صبح سے ہی پورا گھر عجیب سی بے چینی اور خوشیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف بھاگ دوڑ لگی ہوئی تھی۔ کوئی مہمانوں کو سنبھال رہا تھا، کوئی کپڑوں کی فکر میں تھا، تو کوئی بار بار وقت دیکھ کر جلدی کرنے کا بول رہا تھا۔

گھر کے ہر کونے میں خوشیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں، مگر اُن خوشیوں کے پیچھے ایک ہلکی سی اداسی بھی چھپی ہوئی تھی... کیونکہ آج بیٹیاں اپنے گھر سے رخصت ہونے والی تھیں۔

دوسری طرف بتول اور مناہل دونوں پارلر میں تیار ہو رہی تھیں۔

بڑے بڑے آئینوں کے سامنے بیٹھی دونوں لڑکیاں آج حقیقت میں دلہن لگ رہی تھیں۔ میک اپ آرسٹس اُن کے آخری ٹچ اپس میں مصروف تھیں جبکہ دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔

بتول نے سرخ رنگ کا بھاری لہنگا پہنا ہوا تھا، جو سنہری کام سے جڑا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھوں کی مہندی آج اور بھی گہری لگ رہی تھی۔ ماتھے پر جھومر، گلے میں خوبصورت جیولری اور آنکھوں میں شرم... وہ واقعی کسی خواب جیسی لگ رہی تھی۔

دوسری طرف مناہل بھی ہلکے مرون رنگ کے خوبصورت عروسی جوڑے میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ دونوں بار بار ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیتیں، مگر اُن کی مسکراہٹوں کے پیچھے آنے والی جدائی کا خوف بھی چھپا ہوا تھا۔

"یقین نہیں آ رہا... آج واقعی ہماری شادی ہے..." مناہل نے دھیمی آواز میں کہا۔

بتول نے ہلکی سی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر سر ہلا دیا۔

کچھ دیر بعد دونوں دلہنوں کو شادی ہال لے جایا گیا۔

پورا ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ پھولوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی جبکہ ہلکی موسیقی ماحول کو مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔

جیسے ہی دلہنیں ہال میں داخل ہوئیں، سب کی نظریں اُن پر ٹھہر گئیں۔

"ماشاء اللہ..."

نظر نہ لگ جائے

ہر طرف سے یہی آوازیں آ رہی تھیں

۔بتول اور مناہل کو آہستہ آہستہ اسٹیج تک لے جایا گیا جہاں دونوں دلہنیں اپنے اپنے صوفوں پر بیٹھ گئیں۔ شرم سے اُن کی نظریں جھکی ہوئی تھیں جبکہ دل کی دھڑکنیں مسلسل تیز ہو رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد دولہے بھی آ گئے۔

ظہیر آج کالے رنگ کی شیروانی میں بے حد خوبصورت لگ رہا تھا اور اُس کے چہرے پر خوشی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دوسری طرف طلحہ بھی بار بار چوری چھپے بتول کو دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی سب اکٹھے ہوئے، پورا ہال خوشیوں سے بھر گیا۔

لڑکے ڈانس کر رہے تھے، لڑکیاں قہقہے لگا رہی تھیں، کوئی تصویریں بنوا رہا تھا تو کوئی دلہنوں کے ساتھ مذاق کر

رہا تھا۔

"ارے ظہیر بھائی، آج تو بہت شرما رہے ہیں!"

"اور دلہن صاحبہ نظریں تو اُٹھائیں!"

ہر طرف ہنسی مذاق کا شور تھا۔

بزرگ عورتیں خوشی خوشی دعائیں دے رہی تھیں جبکہ بچے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔

بتول کبھی اپنے خاندان کو دیکھتی تو کبھی اپنی امی کو... جن کی آنکھوں میں خوشی کے ساتھ ساتھ بیٹی کی جدائی کا درد بھی صاف نظر آرہا تھا۔

قدسیہ بار بار اپنی بیٹی کو دیکھتی اور پھر چپکے سے آنسو صاف کر لیتیں۔ شاید ہر ماں کے لیے بیٹی کی شادی زندگی کا سب سے خوبصورت مگر سب سے مشکل لمحہ ہوتا ہے۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ کھانا سرو ہوا، تصویریں بنیں، قہقہے گونجتے رہے اور خوشیوں کا شور پورے ہال میں پھیلتا رہا۔

مگر ان سب خوشیوں کے درمیان بتول کے دل میں ایک عجیب سی گھبراہٹ بھی تھی... کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ چند گھنٹوں بعد وہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر سے رخصت ہو جائے گی۔

پوری شادی میں اگر قدسیہ کو کسی ایک سوال کا سب سے زیادہ سامنا کرنا پڑا تھا تو وہ صرف یہی تھا...

"ضرار اور ماہم کہاں ہیں؟"

"ماہم نظر کیوں نہیں آرہی؟"

"وہ دونوں شادی میں آئے کیوں نہیں؟"

ہر چند منٹ بعد کوئی نہ کوئی یہی سوال لے کر اُس کے سامنے آجاتا، اور ہر بار قدسیہ اپنے لبوں پر ایک مصنوعی سی مسکراہٹ سجا کر بس یہی کہہ دیتی،

"وہ لوگ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں... ماہم کی طبیعت کچھ خراب تھی، اسی لیے نہیں آسکے..."

لیکن حقیقت صرف قدسیہ جانتی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اُس کے دل پر ہر سوال کسی خنجر کی طرح لگ رہا تھا۔

وہ بار بار نظریں چرا رہی تھی، تاکہ کوئی اُس کی آنکھوں میں چھپا درد نہ پڑھ لے۔

شادی ہال میں روشنیوں کی چمک تھی، قہقہے تھے، خوشیوں کا شور تھا، ڈھول کی آوازیں تھیں... مگر قدسیہ کے

دل کے اندر ایک عجیب سا سنّاٹا بسا ہوا تھا۔
وہ ہر رسم نبھا رہی تھی، ہر مہمان سے مسکرا کر مل رہی تھی، لیکن اُس کے اندر کہیں نہ کہیں ایک بے چینی مسلسل جنم لے رہی تھی۔
پھر آخر کار وہ لمحہ آ ہی گیا...
رخصتی کا وقت۔
اچانک پورا ماحول بدل گیا۔
جو ہال کچھ دیر پہلے ہنسیوں سے گونج رہا تھا، وہاں اب نمی گھلنے لگی تھی۔
آنکھیں بھرنے لگی تھیں، آوازیں بھاری ہونے لگی تھیں۔
دونوں دلہنیں آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھیں۔
بھاری لہنگوں اور کانپتے قدموں کے ساتھ وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگیں۔
ان کے چہروں پر خوشی بھی تھی... اداسی بھی... ایک نئے سفر کا خوف بھی... اور اپنے گھر کو چھوڑنے کا درد بھی۔
جیسے ہی وہ باہر جانے لگیں تو اُن کے سروں پر قرآنِ پاک رکھا گیا۔
وہ منظر اتنا پُر سکون اور جذباتی تھا کہ کئی لوگوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔
دعاؤں کی سرگوشیاں فضا میں پھیل گئی تھیں۔
بتول کی آنکھیں مسلسل بھیگ رہی تھیں۔
وہ کبھی اپنے گھر والوں کو دیکھتی، کبھی جھکی ہوئی نظروں سے زمین کو۔
اُس کے دل میں ایک عجیب کیفیت تھی۔
اپنا گھر چھوڑنے کا غم بھی تھا... مگر یہ احساس بھی کہ اب اُس کے گھر میں بھی ایک نئی دلہن آنے والی تھی، اُس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لے آتا تھا۔
وہ روتے روتے کبھی ہنس دیتی، اور پھر دوبارہ اُس کی آنکھیں بھر آتیں۔
یہ خوشی اور جدائی کے بیچ کی وہ کیفیت تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا آسان نہیں تھا۔
مناہل بھی خاموشی سے اپنے آنسو چھپا رہی تھی۔
وہ بار بار اپنی ماں کو گلے لگا رہی تھی، جیسے دل ابھی بھی ماننے کو تیار نہ ہو کہ اب اُسے یہ گھر چھوڑنا ہے۔
پھر دونوں کو الگ الگ گاڑیوں میں بٹھا دیا گیا۔

بتول ایک گاڑی میں...
اور مناہل دوسری گاڑی میں۔
گھر والوں نے نم آنکھوں کے ساتھ اُنہیں رخصت کیا۔
کسی نے دعا دی، کسی نے ماتھا چوما، کسی نے آخری بار گلے لگا کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔
گاڑیاں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگیں...
اور پیچھے رہ جانے والے لوگ خاموش آنکھوں سے اُنہیں جاتے دیکھتے رہے۔
یوں ایک ہی دن میں دو بیٹیاں اپنے اپنے نئے گھروں کی طرف روانہ ہو گئیں...
اور اُن کے پیچھے صرف یادیں رہ گئیں، نمی بھری مسکراہٹیں... اور ایک عجیب سا خالی پن۔

☆☆☆

باب نہم:

وقت اپنی نرم رفتار سے گزر رہا تھا، مگر ان دنوں ہر گزرتا لمحہ ماہم کی زندگی میں ایک نئی خوشی لے کر آتا تھا۔ اس کی پریگننسی کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا اور گھر کا ماحول پہلے سے کہیں زیادہ خوشگوار ہو چکا تھا۔ ہر کسی کی زبان پر صرف آنے والے ننھے مہمان کا ذکر رہتا۔ کبھی بچے کے ناموں پر بات ہوتی تو کبھی اس کی شکل کس پر جائے گی، اس پر ہلکی ہلکی بحث چھڑ جاتی۔

ماہم خود بھی ان دنوں عجیب سی کیفیت میں مبتلا رہتی تھی۔ کبھی بے وجہ مسکرا دیتی، کبھی خاموش ہو کر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے مستقبل کے حسین خواب دیکھنے لگتی۔ اس کے چہرے پر اب پہلے سے زیادہ نرمی اور سکون آ گیا تھا۔

ضرار تو ویسے بھی اس کا حد سے زیادہ خیال رکھتا تھا، مگر اب اس کی فکر میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ ہر چھوٹی چیز پر توجہ دیتا۔ وقت پر دوائی دینا، کھانے پینے کا خیال رکھنا، زیادہ دیر کھڑے نہ ہونے دینا... حتیٰ کہ اگر ماہم ذرا سا بھی تھکی ہوئی لگتی تو فوراً پریشان ہو جاتا۔

عزرا بیگم کے لیے تو یہ خوشی جیسے برسوں کی دعاؤں کا صلہ تھی۔ وہ ہر وقت ماہم کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے ماہم ہفتے میں دو یا تین بار ان کے گھر آ جایا کرتی تھی۔ وہاں آتے ہی گھر کا ماحول جیسے مزید زندہ ہو جاتا۔ عزرا بیگم کبھی اس کے لیے تازہ جوس بناتیں، کبھی اس کی پسند کی چیزیں تیار کرواتیں، اور ہر چند منٹ بعد یہی پوچھتیں،

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہو رہی؟"

ماہم ان کی فکر دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیتی۔

"امی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ اتنی پریشان نہ ہوا کریں۔"

مگر عزرا بیگم آخر ماں تھیں۔ ان کے دل کو تسلی ہی کہاں آتی تھی۔

کئی بار شام کے وقت سب لوگ لان میں بیٹھ جاتے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی، چائے کی خوشبو فضا میں گھلی ہوتی اور ہلکی ہلکی باتوں کے درمیان ماہم خاموشی سے سب کو دیکھتی رہتی۔ اسے محسوس ہوتا جیسے زندگی نے آخر کار اسے سکون کا ایک خوبصورت لمحہ عطا کر دیا ہو۔

ضرار اکثر اسے لینے آتا تو عزرا بیگم جان بوجھ کر کہہ دیتیں،

"ابھی تھوڑی دیر اور رہنے دو اسے، سارا دن تمہارے پاس ہی تو رہتی ہے۔"
اور ضرار ہار ماننے والے انداز میں مسکرا دیتا۔
"امی، آپ لوگ تو ویسے ہی میری بیوی کو مجھ سے زیادہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔"
جس پر سب ہنس پڑتے، جبکہ ماہم شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیتی۔
یوں ہی ہنسی، دعاؤں، محبت اور اپنائیت کے درمیان دن گزرتے جا رہے تھے۔ وقت خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا، مگر کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ آنے والا وقت اپنے اندر کتنے نئے رنگ اور کتنی نئی آزمائشیں چھپائے بیٹھا ہے۔

☆☆☆

ادھر روز کی طرح صبح سویرے ہی ظہیر آفس جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ گھر کے ماحول میں بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق لگتا تھا، مگر حقیقت صرف وہی جانتا تھا جو اس گھر کی دیواروں کے پیچھے خاموشی سے سہہ رہا تھا۔
ناشتہ کرنے کے بعد ظہیر جلدی جلدی اپنی گھڑی باندھتے ہوئے باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز ابھی فضا میں باقی ہی تھی کہ مناہل کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔ جو لڑکی چند لمحے پہلے نرم لہجے میں بات کر رہی تھی، اب اس کے لہجے میں سختی اور غرور صاف جھلک رہا تھا۔
صبح کے صرف دس بجے تھے۔ سورج کی روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔
اچانک مناہل نے اونچی آواز میں کہا،
"او بوڑھیا! چل اٹھ... پورا گھر کا کام ختم کر، اور اس کے بعد میرے کمرے میں آ کر میرے پیر دبانا۔ میں کوئی کام نہیں کرنے والی، سمجھی؟"
اس کے الفاظ میں عجیب سی بے رحمی تھی۔ جیسے سامنے کوئی انسان نہیں بلکہ صرف ایک نوکرانی کھڑی ہو۔
قدسیہ کے ہاتھ چند لمحوں کے لیے رک گئے۔ دل جیسے ایک لمحے کو دکھ سے بھر گیا ہو۔ اس نے آہستہ سے نظریں اٹھا کر مناہل کو دیکھا، مگر اگلے ہی پل اپنی نگاہیں جھکا لیں۔
"ٹھیک ہے... میں کر دوں گی۔"
بس یہی چند الفاظ اس کے لبوں سے نکلے۔
مگر یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی تھی۔ وہ نمی جو چیخ چیخ کر اس کے دل کا حال سنا رہی تھی، مگر افسوس... سننے والا کوئی نہیں تھا۔
قدسیہ خاموشی سے کام میں لگ گئی۔ برتنوں کی کھنک اب پہلے سے زیادہ اداس لگ رہی تھی، جبکہ اس کے دل

کے اندر ایک عجیب سا بوجھ اترتا جا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ذرا سا بھی جواب دیا تو گھر میں فساد کھڑا ہو جائے گا، اسی لیے وہ ہر بار اپنی تکلیف دل میں دفن کر دیتی تھی۔

قدسیہ آج اپنی ہی زندگی کے اُس موڑ پر کھڑی تھی جہاں انسان کو اپنے کیے گئے ہر ظلم کی گونج واپس سنائی دینے لگتی ہے۔ وقت شاید واقعی کبھی کسی کا قرض نہیں رکھتا۔

جس تکلیف کو اس نے کبھی دوسروں کے لیے معمول سمجھا تھا، آج وہی درد اس کے اپنے وجود میں اتر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے پورے گھر کا کام نمٹا رہی تھی۔ کبھی کپڑے دھوتی، کبھی فرش صاف کرتی، کبھی کچن میں کھڑی برتن سمیٹتی۔ اس کا بوڑھا جسم اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ رہتی، گھٹنوں میں درد اٹھتا، اور کمر تو جیسے ہر لمحہ جواب دے رہی تھی۔ مگر اس سب کے باوجود وہ رکے بغیر کام کیے جا رہی تھی۔

ہر چند لمحوں بعد اس کی سانس پھول جاتی، مگر پھر بھی وہ خود کو سنبھال کر دوبارہ کام میں لگ جاتی۔

کیونکہ اسے ڈر تھا... بہت زیادہ ڈر۔

مناہل نے اس کے دل میں خوف بٹھا دیا تھا۔ وہ ہر وقت اسے دھمکاتی رہتی۔

"اگر میرا کہا نہ مانا، تو یاد رکھ... تیرے ساتھ بالکل اچھا نہیں ہو گا۔ اتنا ماروں گی کہ یاد رکھے گی۔ اور اگر زیادہ زبان چلائی تو ظہیر کے کان بھی بھروں گی... پھر دیکھنا وہ بھی تجھ سے نفرت کرے گا۔"

یہ الفاظ ابھی تک قدسیہ کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

اسی خوف نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس عمر میں وہ اتنا کام نہیں کر سکتی، مگر پھر بھی خاموش تھی۔ شاید اس لیے کہ اب اس کے پاس خاموشی کے علاوہ کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

کام کرتے کرتے ایک لمحے کو وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بے اختیار بھر آئیں۔ دل میں کہیں دور مریم کا چہرہ ابھر آیا۔

اور شاید پہلی بار اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ کسی بے بس انسان کے دل پر ظلم کرنا کتنا درد دیتا ہے۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کے کنارے صاف کیے اور دوبارہ کام میں لگ گئی۔ کیونکہ کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان چاہ کر بھی روک نہیں سکتا... صرف خاموشی سے سہتا رہتا ہے۔

ماہم نے آج صبح جلدی اٹھتے ہی سب سے پہلے اپنی ڈاکٹر کی اپوائنمنٹ یاد کی تھی۔ اس کی پریگنینسی کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا، اسی لیے اب ہر چیک اپ اس کے لیے بہت اہم بن چکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے میں چلتے ہوئے اپنی رپورٹس اور دوائیاں ایک جگہ جمع کر رہی تھی تاکہ بعد میں جلدی نہ ہو۔

کھڑکی سے آتی ہلکی دھوپ پورے کمرے میں پھیل رہی تھی جبکہ ماہم بیڈ پر بیٹھی ایک ایک کاغذ غور سے دیکھ رہی تھی۔ کبھی وہ فائل کھولتی، کبھی دوبارہ بند کر دیتی۔ اچانک جیسے ہی اس کی نظر خالی جگہ پر پڑی تو وہ چند لمحوں کے لیے رک گئی۔

"اوہ..."

اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

اسے اچانک یاد آیا کہ اس کی کچھ ضروری رپورٹس اور میڈیکل کے کاغذات ابھی بھی اُس پرانے گھر میں رہ گئے تھے... وہی گھر جہاں پہلے ضرار، ظہیر اور باقی سب اکٹھے رہا کرتے تھے۔ گھر شفٹ کرتے وقت شاید جلد بازی میں وہ فائل وہاں کسی دراز یا الماری میں رہ گئی تھی۔

ماہم چند لمحے خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ فائل کے کنارے پر چل رہی تھیں جبکہ اس کے ذہن میں پرانے گھر کی تصویریں ابھرنے لگیں۔

وہ گھر...

جہاں اس نے اپنی زندگی کے کئی خوبصورت اور کئی تکلیف بھرے لمحے گزارے تھے۔

وہ کچن... جہاں کبھی ہنسی گونجتی تھی۔

اور وہ کمرے... جن کی دیواروں میں آج بھی شاید ان لوگوں کی آوازیں قید تھیں۔

ماہم نے گہرا سانس لیا اور نظریں جھکا لیں۔

"ویسے بھی ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے وہ رپورٹس ضروری ہیں..." اس نے خود سے دھیمی آواز میں کہا، "تو کیوں نہ میں وہاں جا کر لے آؤں؟"

اس کے لہجے میں ہلکی سی اداسی بھی شامل تھی، شاید اس لیے کیونکہ کچھ جگہیں انسان چھوڑ تو دیتا ہے... مگر ان جگہوں سے جڑے احساسات کبھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

وہ آہستہ سے بیڈ سے اٹھی۔ حاملہ ہونے کی وجہ سے اب اس کے قدم پہلے کی طرح تیز نہیں رہے تھے۔ وہ احتیاط سے چلتے ہوئے الماری کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور کپڑے نکالنے لگی۔ تیار ہوتے وقت بھی اس کا ذہن بار بار اسی پرانے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

دل کے کسی کونے میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

نہ مکمل خوشی... نہ مکمل اداسی...

بس ایک خاموش سا احساس، جیسے ماضی دوبارہ اس کے قریب آ رہا ہو۔
تیار ہو کر اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب پہلے سے زیادہ نرمی اور سکون آ گیا تھا، مگر آنکھوں میں کہیں نہ کہیں تھکن بھی چھپی ہوئی تھی۔ اس نے ہلکے سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا اور دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔
"بس جلدی سے جا کر واپس آنا ہے..."
اس نے خود کو تسلی دی، مگر شاید وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ بعض اوقات انسان صرف کچھ کاغذات لینے جاتا ہے... اور بدلے میں کئی پرانے احساسات دوبارہ اپنے ساتھ لے آتا ہے۔
ماہم جب گاڑی سے اُتری تو ایک لمحے کے لیے اُس کی نظریں سامنے کھڑے اُس گھر پر ٹھہر گئیں۔ وہی پرانا گھر... جہاں کبھی زندگی کی بے شمار آوازیں گونجا کرتی تھیں۔ مگر آج نہ جانے کیوں اُس گھر کو دیکھ کر اُس کے دل میں ایک عجیب سا بوجھ اتر آیا تھا۔
اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی، مگر ساتھ ہی برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔
جیسے ہی وہ اندر بڑھی، اُس کی نظر سامنے کے منظر پر پڑی... اور اُس کے قدم ایک لمحے کے لیے وہیں رک گئے۔
قدسیہ جھکے ہوئے وجود کے ساتھ فرش صاف کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے، سانس پھولی ہوئی تھی، اور چہرے پر شدید تھکن صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں، جیسے وہ کافی دیر سے روتی رہی ہو۔ بار بار وہ اپنے دوپٹے کے کونے سے آنکھیں صاف کرتی اور پھر خاموشی سے دوبارہ کام میں لگ جاتی۔
اور دوسری طرف مناہل آرام سے صوفے پر بیٹھی موبائل چلا رہی تھی۔
"او بوڑھیا! یہ کام ابھی تک ختم نہیں ہوا؟"
اس نے تیز آواز میں کہا۔
"اور جا کر میرے کمرے کی صفائی بھی کر... پھر میرے لیے چائے بنا کر لانا۔"
قدسیہ نے بس خاموشی سے سر ہلا دیا۔
ماہم یہ سب دیکھ کر اندر سے ہل گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے دل میں نرم سا درد اٹھا۔ آخر عمر کے اس حصے میں کوئی اتنی بے بسی سے بھی جیتا ہے؟

مگر اگلے ہی لمحے اُس کے ذہن میں مریم کا چہرہ گھوم گیا۔
وہی مریم... جس نے اسی گھر میں کتنے ظلم برداشت کیے تھے۔
وہی آنسو... وہی خاموشیاں... وہی بے بسی۔
ماہم کی آنکھوں کی نمی آہستہ آہستہ سرد ہوتی گئی۔
اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا،
"شاید... یہی دنیا کا انصاف ہے۔ انسان دوسروں کے ساتھ جو کرتا ہے، ایک دن وہی سب اُس کے اپنے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے..."
وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔ دل میں ہمدردی بھی تھی... اور کہیں نہ کہیں ایک ٹھنڈی سی حقیقت بھی، کہ وقت کبھی کسی کا حساب ادھورا نہیں چھوڑتا۔
مناہل ابھی بھی غرور بھرے انداز میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی، جبکہ قدسیہ خاموشی سے کام کیے جا رہی تھی۔ گھر کے ماحول میں عجیب سی گھٹن پھیلی ہوئی تھی۔
اچانک دروازے کے قریب کھڑی ماہم نے چند قدم آگے بڑھائے۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی۔ وہ خاموش نظروں سے پورا منظر دیکھ رہی تھی، اور شاید اس کے اندر بہت کچھ آہستہ آہستہ جمع ہو رہا تھا۔
جیسے ہی مناہل کی نظر اس پر پڑی، وہ فوراً تیور بدل کر کھڑی ہو گئی۔
"تم کون ہو؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔
"اور یہاں کیا کر رہی ہو؟"
ماہم نے بغیر گھبرائے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز دھیمی ضرور تھی مگر لہجہ بے حد مضبوط تھا۔
"میں جو بھی ہوں... تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے بس اپنا ایک کام ہے، اس لیے راستے سے ہٹ جاؤ۔"
مناہل کو شاید کسی کی یہ جرات پسند نہیں آئی۔ وہ فوراً آگے بڑھی اور طنزیہ انداز میں بولی،
"واہ! بڑے حکم چلا رہی ہو۔ یہ میرا گھر ہے، سمجھیں؟ ایسے کوئی اندر نہیں گھس سکتا۔ ابھی کے ابھی نکل جاؤ یہاں سے۔"
ماہم کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سختی اتر آئی۔
وہ پہلے ہی قدسیہ کی حالت دیکھ کر اندر سے غصے اور کرب میں الجھی ہوئی تھی، اور اب مناہل کا لہجہ جیسے اس کے صبر کو

مزید آزما رہا تھا۔

"میں نے کہا نا... سائیڈ پر ہٹو۔"

اس بار اس کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ سرد اور خطرناک تھی۔

"ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

مناہل طنزیہ ہنسی ہنس دی۔

"اور اگر نہ ہٹوں تو؟ کیا کر لو گی—"

اس کا جملہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ اچانک ماہم کا ہاتھ پوری طاقت سے اس کے گال پر جا لگا۔

"چٹاااخ!"

زوردار تھپڑ کی آواز پورے گھر میں گونج گئی۔

مناہل حیرت سے لڑکھڑا کر ایک طرف ہو گئی۔ اس کا ہاتھ فوراً اپنے جلتے ہوئے گال پر گیا جبکہ اس کی آنکھوں میں ناقابلِ یقین صدمہ بھر گیا تھا۔ شاید اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی اس کے ساتھ اس انداز میں پیش آئے گا۔

ماہم نے غصے سے اسے دیکھا اور خود آگے بڑھ گئی۔

گھر میں موجود قدسیہ جیسے ساکت رہ گئی تھی۔

قدسیہ کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔

قدسیہ صرف خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

فضا میں عجیب سا تناؤ چھا گیا تھا۔

ماہم کے چہرے پر اس وقت وہ نرمی نہیں تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ آج اس کی آنکھوں میں اپنی بہن کے لیے چھپا درد، غصہ اور برسوں کی خاموش نفرت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اور مناہل...

وہ بس حیرت اور بے عزتی کے احساس میں وہیں کھڑی رہ گئی۔

ماہم تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے پرانے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے دل میں عجیب سا طوفان برپا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی ایک لمحے کے لیے اس کی سانس رک سی گئی۔ کمرہ ویسا ہی تھا... دیواریں وہی، الماری وہی، اور ہر چیز جیسے ماضی کی خاموش یادیں سنبھالے کھڑی تھی۔

وہ آہستہ سے الماری کے پاس گئی اور دراز کھولنے لگی۔ کچھ فائلیں، رپورٹس اور ضروری کاغذات نکال کر اس نے اپنے بیگ میں رکھے، مگر اس دوران بھی اس کا ذہن بار بار باہر والے منظر کی طرف جا رہا تھا۔

قدسیہ کی بے بس آنکھیں...

اس کے کانپتے ہاتھ...

اور مناہل کی بے رحم آواز۔

ماہم نے گہرا سانس لیا اور اپنی آنکھیں چند لمحوں کے لیے بند کر لیں۔ دل میں عجیب سی گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔

کاغذات سمیٹنے کے بعد وہ دوبارہ باہر آئی۔

اب بھی قدسیہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھی، جبکہ مناہل خوفزدہ نظروں سے کبھی ماہم کو دیکھ رہی تھی اور کبھی قدسیہ کو۔

ماہم چند قدم چل کر قدسیہ کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت شدید سرد مہری تھی۔

"جو تم نے کیا ہے نا..."

اس نے دھیمی مگر زہر میں ڈوبی آواز میں کہا،

"تمہیں اس کی سزا اب مل رہی ہے... اور قیامت کے دن بھی ملے گی۔"

قدسیہ کے آنسو بے اختیار اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

ماہم کی آواز مزید بھاری ہو گئی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں یا مریم تمہیں معاف کر چکے ہیں۔ نہیں... کبھی نہیں۔ میں تمہیں پوری زندگی معاف نہیں کروں گی۔"

پورا گھر خاموش ہو چکا تھا۔

صرف ماہم کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم تڑپتی رہنا... بالکل اسی طرح جیسے تم نے دوسروں کو تڑپایا تھا۔"

قدسیہ نے روتے ہوئے کچھ کہنا چاہا، مگر لفظ اس کے گلے میں ہی اٹک گئے۔

ماہم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

"اور سن لو... میں ظہیر کو تمہاری یہ حالت نہیں بتاؤں گی۔ کیونکہ یہ وہی درد ہے جو تم نے خود اپنے لیے چنا تھا۔ لیکن

اگر تم ہمارے گھر آنے کی کوشش کرو گی... یا ضرار کے پیچھے بھاگو گی... تو یاد رکھنا، اس سے بھی بدتر حال میں خود کروں گی تمہارا۔"

اس کے لہجے میں ایسی سختی تھی کہ وہاں کھڑی مناہل سہم گئی۔

مناہل، جو ابھی تک غرور میں کھڑی تھی، اب واقعی خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ پہلی بار شاید اسے احساس ہوا تھا کہ سامنے کھڑی لڑکی صرف نرم مزاج ماہم نہیں... بلکہ اپنی بہن کے درد میں جلتی ہوئی ایک زخمی روح بھی ہے۔

ماہم نے آخری بار سرد نظروں سے دونوں کو دیکھا، پھر اپنا بیگ مضبوطی سے پکڑا اور پلٹ گئی۔

اس کے قدم مضبوط تھے، مگر دل کے اندر کہیں بہت گہرا درد اب بھی زندہ تھا۔ کیونکہ بعض زخم ایسے ہوتے ہیں... جنہیں وقت بھی مکمل طور پر نہیں بھر پاتا۔

اور ہاں مناہل میں تمہیں بتاتی چلیں میں کون ہوں میں ان کی بہو ہوں، ان کہ چھوٹے بیٹے کی بیوی، اور میری ہی بہن کو تمھارے میاں نے موت کی نیند سلایا ہے، اُسے بہت اذیت دی گئی ہے، میری بدعا ہے کے اللہ انہیں بھی بہت اذیت بھری زندگی اور موت دے، کو بہت معصوم تھی۔ یہ کہتے ہی ماہم آنکھوں میں آنسوں لیے گھر کی دہلیز پار کر گئی۔

ماہم جب اُس گھر سے باہر نکلی تو اُس کے قدم بظاہر مضبوط تھے، مگر دل کے اندر عجیب سا بوجھ اتر چکا تھا۔ باہر کی ٹھنڈی ہوا اُس کے چہرے سے ٹکرائی، مگر اُس کے اندر کی بے چینی کو کم نہ کر سکی۔

وہ خاموشی سے گاڑی تک آئی اور آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا، اُس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی آنکھیں چند لمحوں کے لیے بند کر لیں۔

آج وہ صرف چند کاغذات لینے گئی تھی...

مگر وہاں جا کر جیسے پرانے زخم دوبارہ تازہ ہو گئے تھے۔

مریم کی بے بس آنکھیں بار بار اُس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ وہ درد... وہ خاموشیاں... وہ ظلم... سب کچھ جیسے دوبارہ اُس کے سامنے زندہ ہو گیا تھا۔

ماہم نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھا اور ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے اب خود کو سنبھالنا ہو گا..."

اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔

گاڑی خاموشی سے سڑکوں پر چل رہی تھی جبکہ ماہم کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ شہر کی بھیڑ، لوگوں کی آوازیں اور گزرتے راستے سب دھندلے سے لگ رہے تھے۔ اس کا ذہن کہیں اور ہی کھویا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سیدھا عزرا بیگم کے گھر پہنچ گئی۔

دروازہ کھلتے ہی عزرا بیگم فوراً اس کے پاس آئیں۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح فکر نمایاں تھی۔

"آ گئی بیٹا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

ماہم نے اپنے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

"جی امی... میں ٹھیک ہوں۔"

مگر عزرا بیگم شاید اُس کی آنکھوں کی تھکن پڑھ چکی تھیں۔ وہ فوراً اسے اپنے ساتھ صوفے پر لیے آئیں اور پانی کا گلاس اُسے تھمایا۔

"تم بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو، پہلے تھوڑا آرام کر لو پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

ماہم خاموشی سے اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ عزرا بیگم نے محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو نہ جانے کیوں ماہم کا دل بھر سا آیا۔

کبھی کبھی انسان صرف ایک نرم لمس سے بھی ٹوٹنے لگتا ہے۔

ماہم نے فوراً نظریں جھکا لیں تا کہ اپنی آنکھوں کی نمی چھپا سکے۔

کچھ دیر بعد عزرا بیگم نے اس کے لیے جوس منگوایا اور پھر دونوں ڈاکٹر کو چیک کروانے کے لیئے نکل گئیں۔

راستے بھر عزرا بیگم مسلسل اس کا دھیان رکھتی رہیں۔

"آہستہ چلنا..."

"سیڑھیوں سے احتیاط سے اترنا..."

"زیادہ ٹینشن مت لیا کرو..."

ان کی ہر بات میں ایک ماں کی بے پناہ محبت چھپی ہوئی تھی۔

ماہم خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی، اور دل ہی دل میں شکر ادا کرتی رہی کہ زندگی کے تمام دردوں کے باوجود کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسان کو بکھرنے نہیں دیتے۔

☆☆☆

بتول اپنی نئی زندگی میں آہستہ آہستہ گھلتی جا رہی تھی۔ اس کے سسرال والے اس کے ساتھ بے حد محبت اور

نرمی سے پیش آتے تھے۔ خاص طور پر نادیہ بیگم تو اسے اپنی بہو کم اور بیٹی زیادہ سمجھتی تھیں۔ وہ کبھی بھی بتول پر کام کا بوجھ نہ ڈالتی تھیں۔ اگر بتول کچن میں زیادہ دیر کھڑی رہتی تو فوراً محبت بھرے لہجے میں کہتیں،

"بس کرو بیٹا، ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے، اتنا کام کرنے کی ضرورت نہیں۔"

بتول یہ سب دیکھ کر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتی۔ اسے لگتا تھا جیسے قسمت نے آخر کار اس کے حصے میں بھی سکون لکھ دیا ہو۔

تلحہ بھی اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اُس کے لہجے میں ہمیشہ نرمی ہوتی، اور اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی دھیان رکھتا۔ زاویار صاحب بھی بتول کے ساتھ اچھے تھے، اسی وجہ سے گھر کا ماحول ہمیشہ پُر سکون اور خوشگوار رہتا۔ کبھی بتول اپنی ساس کے ساتھ ہنستے ہوئے گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹا دیتی، اور کبھی نادیہ بیگم خود اسے زبردستی آرام کرنے بھیج دیتیں۔

گھر کے صحن میں گونجتی ہنسی، چائے کے وقت ہونے والی باتیں، اور رات کو سب کا ایک ساتھ بیٹھنا... یہ سب بتول کے دل کو ایک عجیب سا سکون دیتا تھا۔ اسے لگتا کہ شاید یہی وہ زندگی ہے جس کا خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔

مگر وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا...

بتول کو کیا خبر تھی کہ قسمت خاموشی سے اُس کے لیے ایک ایسا طوفان تیار کر رہی ہے جو اُس کی ہنستی مسکراتی دنیا کو اندر سے توڑ کر رکھ دے گا۔

☆☆☆

آج ماہم کی طبیعت معمول سے کہیں زیادہ خراب تھی۔ اُس کے چہرے کی زرد پڑتی رنگت، ہونٹوں کی بے جان خاموشی اور آنکھوں کے نیچے اُترتے سیاہ حلقے صاف بتا رہے تھے کہ وہ کئی دنوں سے مسلسل تکلیف برداشت کر رہی ہے۔ جسم جیسے بخار میں تپ رہا تھا جبکہ کمزوری اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ چند قدم چلنا بھی اُس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

اسی لیے آج اُس نے خاموشی سے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی امی، عزرا بیگم، کے گھر ہی رک جائے گی۔ شاید ایک ماں کی قربت اُس کے درد کو کچھ کم کر دے... شاید اُس کی گود میں سر رکھ کر اُسے وہ سکون مل جائے جس کی اُس کا دل شدت سے تلاش کر رہا تھا۔

جیسے ہی ماہم گھر پہنچی، عزرا بیگم نے اپنی بیٹی کی حالت دیکھی تو اُن کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔ ماں اپنی اولاد کی تکلیف کو لفظوں سے پہلے محسوس کر لیتی ہے، اور آج عزرا بیگم کے چہرے پر صاف خوف اور بے چینی

دکھائی دے رہی تھی۔

"یااللہ... میری بچی کو کیا ہو گیا ہے؟"

وہ فوراً اُسے سہارا دے کر اندر لے آئیں۔ بڑی احتیاط سے اُسے بستر پر لٹایا، اُس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو بخار کی تپش نے جیسے اُن کے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔

عزرا بیگم ایک لمحے کے لیے بھی ماہم سے دور نہیں ہو رہی تھیں۔ کبھی اُس کے لیے پانی لاتیں، کبھی دوائی دیتیں، کبھی اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے دعائیں پڑھنے لگتیں۔ اُن کی آنکھوں میں بار بار نمی اُتر آتی مگر وہ اپنی بیٹی کے سامنے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

گھر کے باقی لوگ بھی ماہم کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ ہر کسی کے چہرے پر فکر نمایاں تھی۔ مگر ماں کی محبت سب سے الگ ہوتی ہے... عزرا بیگم کی بے چینی تو جیسے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

رات آہستہ آہستہ اپنی گہرائی میں ڈوب رہی تھی۔ باہر سرد ہوا چل رہی تھی جبکہ کمرے میں ہلکی زرد روشنی جل رہی تھی۔ خاموشی اس قدر گہری تھی کہ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

ماہم درد سے بے حال بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ کبھی وہ کروٹ بدلتی، کبھی اپنی آنکھیں زور سے بند کر لیتی جیسے خود کو تکلیف سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اُس کی سانسیں بھی بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ کبھی وہ ہلکے سے کراہتی تو عزرا بیگم فوراً گھبرا کر اُس کے قریب آ جاتیں۔

"بیٹا... بس تھوڑا صبر کرو، اللہ سب ٹھیک کرے گا..."

عزرا بیگم بار بار یہی کہتیں مگر اُن کی اپنی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

رات کے دو بج چکے تھے مگر عزرا بیگم کی آنکھوں میں نیند کا نام تک نہیں تھا۔ وہ مسلسل اپنی بیٹی کے سرہانے بیٹھی رہیں۔ کبھی اُس کے ماتھے پر ٹھنڈی پٹی رکھتیں، کبھی اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر خاموشی سے دعائیں مانگنے لگتیں۔ اُن کے دل میں ایک عجیب سا خوف بیٹھ گیا تھا... ایسا خوف جس کی وجہ وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھیں۔

ماہم بھی کبھی کبھی اپنی امی کو دیکھتی تو اُس کی آنکھیں بھر آتیں۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ شاید دنیا میں ماں جیسا سہارا واقعی کوئی نہیں ہوتا۔ اتنی تکلیف میں بھی عذرا بیگم کا وجود اُس کے دل کو سکون دے رہا تھا۔

وقت گزرتا رہا...

رات مزید خاموش اور بھاری ہوتی گئی۔

تقریباً تین بج رہے تھے۔ مسلسل جاگنے اور فکر نے آخر کار عزرا بیگم کو تھکا دیا تھا۔ وہ ماہم کے پاس ہی بیٹھی بیٹھی

دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کچھ لمحوں کے لیے سو گئیں۔

کمرے میں اب صرف مدھم روشنی اور خاموشی باقی تھی۔

کہ اچانک...

"ٹھک... ٹھک..."

دروازے پر ہلکی مگر واضح دستک ہوئی۔

ماہم کی بند آنکھیں فوراً کھل گئیں۔ اُس کا دل بے اختیار تیزی سے دھڑکنے لگا۔ چند لمحوں تک وہ خاموش بیٹھی دروازے کو دیکھتی رہی، جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے۔

دستک دوبارہ ہوئی۔

ماہم نے دھیرے سے اپنی امی کی طرف دیکھا۔ عزرا بیگم گہری نیند میں تو نہیں تھیں مگر تھکن سے بے خبر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماہم نہیں چاہتی تھی کہ وہ مزید پریشان ہوں۔

وہ آہستہ آہستہ بستر سے اُتری۔ اُس کے قدم کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا رہے تھے۔ دل میں عجیب سی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ سرد فرش پر اُس کے قدموں کی ہلکی آواز گونج رہی تھی جبکہ اُس کی سانسیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچی۔ چند لمحے اُس نے کانپتے ہاتھوں کو دروازے پر رکھا... پھر گہرا سانس لیا... اور آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

ماہم نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو اُس کی نظریں سامنے کھڑے اقراش پر جا ٹھہریں۔

رات کی سرد ہوا کے جھونکے خاموشی سے چل رہے تھے جبکہ اقراش دروازے کے باہر بے حال سا کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں سگریٹ تھی اور اُس کے کپڑوں سے نشے اور دھوئیں کی تیز بو آ رہی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر ایسی تھکن اور بربادی چھائی ہوئی تھی جیسے وہ خود بھی اپنے آپ سے ہار چکا ہو۔

ماہم چند لمحوں تک اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اُس کا دل عجیب درد سے بھر گیا۔ سامنے کھڑا وہ لڑکا اُس کا بھائی تھا... وہی بھائی جو کبھی بچپن میں اُس کے پیچھے پیچھے گھوما کرتا تھا، جو اُس کے بغیر کھانا تک نہیں کھاتا تھا، مگر آج وہی بھائی خود کو آہستہ آہستہ تباہ کر رہا تھا۔

ماہم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی مگر اُس نے خود کو سنبھالا۔

"اقراش..." اُس نے دھیرے مگر مضبوط لہجے میں کہا،

"آج میں تمہیں اِن سگریٹوں اور اِس نشے سے ہمیشہ کے لیے دور کر کے رہوں گی۔"

اقراش نے نظریں جھکا لیں۔ شاید اُس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اپنی بہن کی آنکھوں میں دیکھ سکے۔

ماہم اُسے آہستہ سے اندر لے آئی تا کہ عزرا بیگم کی آنکھ نہ کھل جائے۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔

ماہم اُسے واش روم کی طرف لے گئی۔

"پہلے اپنا چہرہ دھوؤ..."

اقراش خاموشی سے اُس کی بات مان گیا۔ اُس نے نل کھولا اور ٹھنڈا پانی اپنے چہرے پر مارنے لگا۔ پانی کے قطروں کے ساتھ جیسے اُس کی تھکن اور نشہ بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔

ماہم دروازے کے پاس کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کا دل ٹوٹ رہا تھا۔ ایک بہن کے لیے اِس سے زیادہ تکلیف دہ شاید کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنی ہی نظروں میں گرتا دیکھے۔

جب اقراش باہر آیا تو ماہم اُسے کمرے میں لے گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ کچھ لمحوں تک صرف خاموشی تھی... بھاری، اداس اور دل کو چیر دینے والی خاموشی۔

پھر ماہم نے دھیرے سے بات شروع کی۔ اُس کی آواز میں درد بھی تھا، محبت بھی اور ایک عجیب سی بے بسی بھی۔

"اقراش... اب ہمارے ابو بھی نہیں رہے..."

یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز بھر گئی۔ اُس نے نظریں جھکا لیں تا کہ آنسو باہر نہ آ جائیں۔

"تم خود سوچو... اگر تم بھی اِسی راستے پر چلتے رہے تو امی کو کون سنبھالے گا؟"

اقراش خاموشی سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس کے چہرے سے نشے کا اثر آہستہ آہستہ اتر رہا تھا اور اب ہر لفظ سیدھا اُس کے دل میں اتر رہا تھا۔

ماہم کی آنکھوں سے اب آنسو بہنے لگے تھے۔

"میں تو شادی شدہ ہوں اقراش، کل کو اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ لیکن امی؟"

وہ رُکی، گہرا سانس لیا اور پھر ٹوٹتی ہوئی آواز میں بولی،

"امی نے پہلے ہی ابو کو کھو دیا ہے... کیا اب تم بھی اُنہیں اندر سے مار دینا چاہتے ہو؟"

اقراش نے فوراً نظریں اُٹھا کر ماہم کو دیکھا۔ پہلی بار اُس نے اپنی بہن کی آنکھوں میں وہ درد دیکھا جو شاید وہ پہلے

کبھی سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔
ماہم بولتی گئی،
"تمہیں پتہ بھی ہے امی تمہارے لیے کتنی دعائیں کرتی ہیں؟ وہ ہر وقت تمہاری فکر میں رہتی ہیں۔ اور تم... تم خود کو اِس نشے میں ختم کر رہے ہو۔"
وہ اُس کے قریب آ کر بیٹھی اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"یہ راستہ تمہیں کہیں نہیں لے جائے گا اقراش۔ لوگ عزت اُس انسان کی کرتے ہیں جو اپنے گھر کو سنبھالے، اپنی ماں کا سہارا بنے... نہ کہ اُس کی پریشانی۔"
ماہم کے ہر لفظ کے ساتھ اقراش کی آنکھیں نم ہوتی جا رہی تھیں۔
"اگر تم ابھی سے ٹوٹ جاؤ گے نا... تو یاد رکھنا، تم کبھی بھی زندگی میں کامیاب نہیں ہو پاؤ گے۔ ہر وقت غلط لوگوں کے ساتھ رہنا، نشہ کرنا، خود کو برباد کرنا... یہ سب صرف تمہیں ہم سے دور کر دے گا۔"
اب اقراش کے آنسو اُس کی پلکوں سے نکل کر چہرے پر بہنے لگے۔
وہ اچانک بچوں کی طرح رونے لگا۔
"ماہم..." اُس کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی،
"مجھے معاف کر دو... میں نے کبھی اِس طرح سوچا ہی نہیں..."
ماہم خاموشی سے اُس کی بات سنتی رہی جبکہ اُس کا اپنا دل بھی رو رہا تھا۔
اقراش نے روتے ہوئے کہا،
"آج کے بعد... میں کبھی ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ نہ سگریٹ... نہ نشہ... کچھ بھی نہیں۔ آپ امی سے بھی کہنا کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔ میں اُنہیں اب مزید تکلیف نہیں دوں گا..."
وہ بار بار اپنی آنکھیں صاف کر رہا تھا مگر آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
"میں وعدہ کرتا ہوں آپی... آج کے بعد میں بدل جاؤں گا۔"
ماہم نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اُس لمحے میں نہ صرف ایک بہن کی محبت تھی بلکہ ایک ماں جیسی فکر بھی شامل تھی۔
اقراش کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، پھر آہستہ سے اُٹھا۔ اُس کے قدموں میں اب پہلے جیسی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ شاید اُس کے دل کا بوجھ کچھ کم ہو چکا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا... اور جا کر بستر پر لیٹ گیا۔
جبکہ ماہم وہیں کھڑی دروازے کو دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے، مگر دل میں کہیں نہ کہیں ایک چھوٹی سی امید بھی جاگ چکی تھی کہ شاید اُس کا بھائی واقعی بدل جائے گا۔

☆☆☆

مہینے آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے۔ وقت اپنی رفتار سے چل رہا تھا مگر ہر گزرتا دن کچھ لوگوں کے لیے سکون لا رہا تھا اور کچھ لوگوں کے دل مزید تھکا رہا تھا۔
قدسیہ ہر روز اپنے گھر کو سنبھالنے میں لگی رہتی۔ صبح سویرے اُٹھ کر پورے گھر کے کام کرنا، سب کے لیے ناشتہ تیار کرنا، صفائی کرنا، پھر دوپہر اور رات کے کھانے کی فکر... اُس کی زندگی جیسے صرف ذمہ داریوں کے گرد گھومنے لگی تھی۔
لیکن ان سب کے باوجود مناہل کا رویہ اُس کے ساتھ کبھی نرم نہیں ہوا۔
وہ ہر روز کسی نہ کسی بات پر قدسیہ کو تانے مار دیتی۔ کبھی اُس کے کام میں نقص نکالتی، کبھی اُس کی خاموشی کا مذاق بناتی، اور کبھی ایسے الفاظ بول دیتی جو سیدھا دل پر لگتے۔
"تم سے ایک کام بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا..."
"پتہ نہیں تمہیں کس نے سکھایا ہے گھر سنبھالنا..."
ایسے جملے اب قدسیہ کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکے تھے۔
شروع شروع میں وہ ہر بات پر اندر سے ٹوٹ جاتی تھی۔ اُس کی آنکھیں بھر آتیں، مگر وہ کسی کے سامنے روتی نہیں تھی۔ مگر اب... اب اُس نے جیسے خاموشی سے سب کچھ سہنا سیکھ لیا تھا۔
اُسے لگتا تھا شاید یہ اُس کے اپنے اعمال کا صلہ ہے... شاید قسمت نے اُس کے حصے میں یہی لکھا ہے۔
اسی لیے وہ ہر تکلیف کو خاموشی سے برداشت کر لیتی۔
وہ بس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہر بات ٹال دیتی، جیسے اُسے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو... حالانکہ حقیقت میں اُس کا دل ہر روز ٹوٹ رہا تھا۔
دوسری طرف ماہم کی زندگی بھی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔
وقت گزرتے گزرتے ماہم کا نواں مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ اُس کی حالت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ چلتے ہوئے اُس کے قدم بھاری ہو جاتے، سانس جلدی پھول جاتی اور معمولی سا کام بھی اُس کے لیے مشکل بن جاتا۔

لیکن اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک بھی تھی... ایک ماں بننے کی چمک۔
وہ اکثر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر خاموشی سے اپنے آنے والے بچے کے بارے میں سوچا کرتی تھی۔ کبھی ہلکا سا مسکرا دیتی، کبھی اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر آتی۔
اقراش بھی اب کافی بدل چکا تھا۔
ماہم کی اُس رات والی باتوں نے واقعی اُس پر اثر کیا تھا۔ اُس نے سگریٹ اور غلط صحبت چھوڑ دی تھی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ ذمہ دار بننے کی کوشش کرتا۔ عزرہ بیگم بھی اپنے بیٹے میں یہ تبدیلی دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔
مگر زندگی کبھی مکمل سکون زیادہ دیر نہیں رہنے دیتی...
اُس دن گھر میں عجیب خاموشی تھی۔
ماہم اپنے گھر میں اکیلی تھی۔ شاید قسمت نے اُس کے لیے وہ لمحہ بھی تنہائی میں لکھا تھا۔
صبح سے ہی اُس کی طبیعت کچھ عجیب تھی۔ جسم میں بے چینی تھی، دل گھبرا رہا تھا اور کمر میں مسلسل درد ہو رہا تھا۔ لیکن دوپہر ہوتے ہوتے اچانک اُس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔
"آہ...!"
ماہم کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی۔
وہ فوراً اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر جھک گئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جسم کی ساری طاقت ایک لمحے میں ختم ہو گئی ہو۔ اُس کی سانسیں تیز ہونے لگیں جبکہ ماتھے پر پسینہ اُبھر آیا۔
وہ آہستہ آہستہ دیوار کا سہارا لے کر بیڈ کے پاس بیٹھی مگر درد ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔
کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔
نہ کوئی اُس کے قریب تھا...
نہ کوئی اُس کی آواز سننے والا۔
ماہم کی آنکھوں میں خوف اُترنے لگا۔
اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ شاید وقت آ چکا ہے...
درد اتنا شدید تھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بار بار اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتی اور ہلکی ہلکی سسکیاں لینے لگتی۔

"یااللہ...!"

اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

وہ بڑی مشکل سے سائڈ ٹیبل کی طرف بڑھی۔اُس کے ہاتھ شدتِ درد کی وجہ سے بری طرح کانپ رہے تھے۔ اُس نے ٹیبل پر رکھا فون اٹھایا مگر ہاتھ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ فون اُس کے ہاتھ سے تقریباً گر ہی گیا۔

ماہم کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔اُس کی آنکھوں کے سامنے دھندلا سا آنے لگا تھا۔

کانپتے ہاتھوں سے اُس نے ضرار کا نمبر ڈائل کیا۔

ہر گزرتی رنگ اُس کے دل کی دھڑکن مزید تیز کر رہی تھی۔

اُس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے جبکہ وہ درد سے بری طرح تڑپ رہی تھی۔

"خدا کے لیے... فون اٹھالیں..."

وہ روتے ہوئے دھیرے سے بڑبڑائی... جبکہ اُس کے وجود کا ایک ایک حصہ شدید تکلیف سے کانپ رہا تھا۔

ماہم کانپتے ہاتھوں سے فون اپنے کان سے لگائے بیٹھی تھی۔اُس کی سانسیں بری طرح بے ترتیب ہو رہی تھیں جبکہ پیٹ میں اٹھنے والی شدید تکلیف اُسے اندر تک توڑ رہی تھی۔ہر چند سیکنڈ بعد اُس کے منہ سے درد بھری سسکی نکل جاتی۔

دوسری طرف ضرار اُس وقت آفس میں ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کر رہا تھا۔کمرے میں کئی لوگ موجود تھے، سب فائلز اور پروجیکٹس کے بارے میں بات کر رہے تھے، مگر اچانک اُس کا فون وائبریٹ ہوا۔

ضرار نے فون کی اسکرین دیکھی تو اُس پر "ماہم" کا نام جگمگا رہا تھا۔

پہلے تو اُس نے کال نظر انداز کرنے کی کوشش کی، مگر نہ جانے کیوں اُس کے دل میں ایک عجیب بے چینی سی پیدا ہوئی۔اُس نے فوراً میٹنگ کے لوگوں سے معذرت کی اور جلدی سے فون اٹھالیا۔

"ہیلو... ماہم؟"

اُس کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

دوسری طرف سے صرف سسکیوں اور ٹوٹی ہوئی سانسوں کی آواز آرہی تھی۔

"ضرار..." ماہم بمشکل بول پائی،

"مجھے... بہت تکلیف ہو رہی ہے... میرے پیٹ میں... بہت درد..."

اُس کی آواز اتنی کمزور تھی جیسے وہ ہر لفظ بڑی مشکل سے ادا کر رہی ہو۔

ضرار کے چہرے کا رنگ فوراً اُڑ گیا۔

"ماہم؟! ماہم تم ٹھیک ہو؟"

لیکن ماہم اب شدتِ درد سے زمین پر بیٹھ چکی تھی۔ فون اُس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا جبکہ اُس کی چیخیں اب دبتی جا رہی تھیں۔

"ضرار... پلیز جلدی آ جائیں..."

یہ کہتے ہی اُس کے آنسو بے قابو ہو گئے۔

ضرار ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔ اُس کے دل کی دھڑکن بے حد تیز ہو چکی تھی۔ ابھی کچھ لمحے پہلے تک وہ میٹنگ میں مصروف تھا، مگر اب اُسے صرف اپنی بیوی کی تکلیف سنائی دے رہی تھی۔

"ایکسکیوز می... میں ابھی آ رہا ہوں!"

اُس نے جلدی سے میٹنگ ادھوری چھوڑی، فائلز وہیں چھوڑیں اور تقریباً بھاگتے ہوئے آفس سے باہر نکل گیا۔

اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ دماغ میں ہزاروں خوفناک خیال آ رہے تھے۔

"یا اللہ... ماہم کو کچھ نہ ہو..."

وہ بار بار یہی دعا مانگ رہا تھا۔

ادھر ماہم گھر میں زمین پر بیٹھی بری طرح تڑپ رہی تھی۔ درد اب پہلے سے کئی گنا بڑھ چکا تھا۔ اُس کی سانسیں ٹوٹ رہی تھیں جبکہ اُس کے آنسو مسلسل فرش پر گر رہے تھے۔ گھر کی خاموشی اُسے مزید ڈرا رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ضرار سے گھر پہنچا۔ جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا، سامنے کا منظر دیکھ کر اُس کے قدم وہیں رک گئے۔

ماہم زمین پر بیٹھی تھی، ایک ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھا ہوا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ فرش پر ٹکا ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ درد سے سرخ ہو چکا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔

"ماہم!"

ضرار فوراً اُس کے پاس بھاگا۔

ماہم نے کمزور نظروں سے اُسے دیکھا اور روتے ہوئے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ضرار... مجھے بہت درد ہو رہا ہے..."

اُس کی آواز سن کر ضرار کا دل جیسے چیر گیا۔
"کچھ نہیں ہو گا تمہیں... میں ہوں نا..."
حالانکہ اُس کی اپنی آواز بھی خوف سے کانپ رہی تھی۔
اُس نے فوراً ایمرجنسی کو کال کی۔ پھر جلدی سے عزرا بیگم کو فون کیا۔
"امی... ماہم کی حالت بہت خراب ہے... ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں..."
یہ سنتے ہی عزرا بیگم کے ہاتھوں سے فون تقریباً گر گیا۔
کچھ ہی دیر میں ایمبولینس آ گئی۔
ماہم کو اسٹریچر پر لٹایا گیا۔ وہ شدتِ درد سے بار بار آنکھیں بند کر رہی تھی جبکہ ضرار اُس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔
ایمبولینس کے اندر مسلسل مشینوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ماہم کبھی کراہتی، کبھی آنکھیں بند کر کے لمبی سانس لینے کی کوشش کرتی۔
ضرار کی آنکھوں میں خوف صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس نے پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا تھا۔
ہاسپٹل پہنچتے ہی ڈاکٹرز فوراً ماہم کو ایمرجنسی روم میں لے گئے۔
کچھ ہی دیر میں عَرا بیگم، میرا، اقراش بھی ہاسپٹل پہنچ گئے۔ ہر کسی کے چہرے پر خوف اور بے چینی واضح تھی۔
عزرا بیگم بار بار دعائیں پڑھ رہی تھیں جبکہ اُن کی آنکھوں سے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
"میری بچی کو کچھ نہ ہو یا اللہ..."
ہاسپٹل کی سفید دیواریں، مشینوں کی آوازیں اور وہاں پھیلی خاموشی سب کے دلوں کو مزید بے چین کر رہی تھی۔
کچھ دیر بعد ڈاکٹر باہر آئے۔ اُن کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔
"پیشنٹ کی حالت کافی نازک ہے۔ ہمیں فوری آپریشن کرنا ہو گا۔ بچے کی ڈیلیوری آپریشن سے ہو گی..."
یہ سنتے ہی سب کے چہروں کا رنگ اُڑ گیا۔
ڈاکٹر نے ضرار کی طرف دیکھا۔
"آپ اجازت دیں، ہمیں فوراً آپریشن شروع کرنا ہو گا۔"
ضرار کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ اُس نے بے اختیار آئی سی یو کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں ماہم

موجود تھی۔

اُس کے ذہن میں صرف ماہم کا روتا ہوا چہرہ گھوم رہا تھا۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اُس نے کانپتی آواز میں کہا،

"جی... آپریشن کر دیجیے..."

ڈاکٹر فوراً اندر چلے گئے۔

اب سب لوگ باہر انتظار گاہ میں بیٹھے تھے۔ ہر گزرتا لمحہ اُن کے لیے صدیوں جیسا لگ رہا تھا۔

عذرا بیگم مسلسل تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ میرا خاموشی سے رو رہی تھی، اُسے ابھی بھی خوف تھا کہ اسی طرح اس نے اپنی پہلی بھی بہن کھوئی تھی، جبکہ اقراش بار بار بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ضرار ایک کونے میں خاموش کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ شاید اُسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ کسی اپنے کو کھونے کا خوف انسان کو اندر سے کس حد تک توڑ دیتا ہے۔

ادھر ماہم آئی سی یو میں لیٹی ہوئی تھی۔

تیز سفید لائٹس اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

مشینیں مسلسل آوازیں دے رہی تھیں۔

وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ اُس کی سانسیں کمزور تھیں جبکہ آنکھوں کے کناروں پر سوکھے آنسو ابھی بھی موجود تھے۔

اور باہر... اُس کے اپنے صرف ایک خبر کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

ہاسپٹل کے باہر موجود ہر شخص کی نظریں صرف اُس دروازے پر جمی ہوئی تھیں جہاں ماہم کو لے جایا گیا تھا۔

وقت جیسے رک سا گیا تھا۔ ہر گزرتا سیکنڈ سب کے دل کی دھڑکن مزید بڑھا رہا تھا۔

عزرا بیگم مسلسل تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اُن کے لب ہل رہے تھے مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو خاموشی سے بہتے جا رہے تھے۔

ضرار کبھی بیٹھتا، کبھی بے چینی سے کھڑا ہو جاتا۔ اُس کے ہاتھ بار بار کانپ رہے تھے۔ اُس نے زندگی میں پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا تھا۔

تقریباً پینتالیس منٹ بعد...

آپریشن تھیٹر کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔

سب لوگ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ دل کی دھڑکنیں جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئیں۔

ڈاکٹر باہر آئے...

اور اُن کے ہاتھوں میں ایک ننھی سی جان تھی۔

وہ بچی سفید رنگ کے نرم کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اُس کا ننھا سا چہرہ ہلکی روشنی میں اور بھی زیادہ معصوم لگ رہا تھا۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ کپڑے میں سمٹے ہوئے تھے، جبکہ اُس کی ہلکی سی رونے کی آواز پورے ماحول میں ایک عجیب سا سکون بھر رہی تھی۔

ڈاکٹر کے چہرے پر اب مسکراہٹ تھی۔

"مبارک ہو..."

وہ ہلکے سے مسکرائے،

"آپ کی بیٹی ہوئی ہے۔"

یہ الفاظ سنتے ہی ضرار کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے بھر گئیں۔

"بی...بیٹی...؟"

اُس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ آنکھیں نمی سے سرخ ہو چکی تھیں، مگر اُس کے چہرے پر ایسی خوشی تھی جو شاید الفاظوں میں بیان ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ فوراً آگے بڑھا اور بے اختیار عزرا بیگم کو گلے لگا لیا۔

"مبارک ہو امی...!"

اُس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی،

"آپ نانی بن گئی ہیں!"

عزرا بیگم کے آنسو اب رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ بار بار "الحمدللہ" پڑھ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر سکون اور خوشی ایک ساتھ نمایاں تھی۔

ضرار تو جیسے خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔

"ارے بھائی! مٹھائی منگواؤ... جلدی!"

وہ زور سے بولا جبکہ اُس کی ہنسی اور خوشی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ آج اُس نے دنیا کی سب سے بڑی نعمت حاصل کی ہے۔

اقراش بھی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ماشاءاللہ... ہماری شہزادی آگئی!"

میرا کی آنکھوں میں بھی خوشی چمک رہی تھی۔

"واہ... ہمارے گھر میں نئی ننھی مہمان آئی ہے..."

سب لوگ اُس ننھی بچی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ ہر کوئی اُسے اپنی گود میں لینے کو بے تاب تھا۔

ضرار نے دھیرے سے اپنی بیٹی کو گود میں لیا۔

اُس لمحے اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ شاید خوشی کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ خود پر قابو نہیں رکھ پا رہا تھا۔

اُس نے اپنی بیٹی کے ننھے سے چہرے کو دیکھا... پھر بے اختیار اُس کی پیشانی چوم لی۔

"میری بیٹی..."

اُس کی آنکھوں سے ایک آنسو نکل کر گال پر بہہ گیا۔

کچھ لمحوں بعد ضرار جلدی سے ماہم کے کمرے کی طرف بڑھا۔

کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ ماہم ابھی کمزور حالت میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ چہرہ زرد تھا مگر اُس کے لبوں پر ہلکی سی تھکی ہوئی مسکراہٹ موجود تھی۔

ضرار آہستہ سے اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

اُس نے بہت محبت سے ماہم کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"ماہم..."

اُس کی آواز بھاری ہو چکی تھی،

"تم نے آج مجھے دنیا کی سب سے بڑی خوشی دی ہے..."

ماہم نے کمزور سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں کھولیں۔

ضرار نے اپنی بیٹی کو اُس کے قریب کیا۔

ماہم کی آنکھیں فوراً بھر آئیں۔

وہ اپنی ننھی سی بیٹی کو دیکھتی رہی جیسے اُس لمحے اُس کی ساری تکلیف ختم ہو گئی ہو۔

ضرار بار بار اپنی بیٹی کے ہاتھ، اُس کے گال اور اُس کے ماتھے کو چوم رہا تھا۔

"میری شہزادی..."

وہ ہلکے سے ہنسا،
"بالکل اپنی امی جیسی ہے..."
ماہم کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔
کچھ دیر بعد میرا، اقراش اور عذرا بیگم بھی کمرے میں آ گئے۔
کمرے کا ماحول اب خوشیوں سے بھر چکا تھا۔
کچھ دیر پہلے جہاں خوف اور بے چینی تھی، اب وہاں ہنسی، دعائیں اور محبت تھی۔
میرا فوراً بچی کے قریب آئی۔
"اوہو... کتنی پیاری ہے!"
اقراش بھی مسکراتے ہوئے بولا،
"اب تو گھر میں ہر وقت شور رہے گا..."
سب لوگ ہنس پڑے۔
تبھی ڈاکٹر دوبارہ کمرے میں آئے۔
"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، پیشنٹ اب خطرے سے باہر ہے۔"
یہ سنتے ہی سب نے سکون کا سانس لیا۔
ڈاکٹر نے مزید کہا،
"ایک دو گھنٹے میں آپ لوگ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب، بہت شکریہ..."
اقراش فوراً بولا۔
ڈاکٹر کے جاتے ہی سب دوبارہ ماہم کے قریب آ گئے۔
عذرا بیگم نے آہستہ سے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اُن کی آنکھوں میں محبت اور شکر دونوں موجود تھے۔
"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے میری بچی..."
ماہم نے اپنی امی کا ہاتھ پکڑ لیا جبکہ اُس کی دوسری بانہوں میں اُس کی ننھی سی بیٹی سکون سے سو رہی تھی۔
اور اُس لمحے...
اُس کمرے میں موجود ہر شخص کے دل میں صرف خوشی، سکون اور شکر تھا۔

☆☆☆

ہاسپٹل سے واپسی کے وقت سب کے چہروں پر ایک الگ ہی سکون تھا۔
کچھ گھنٹے پہلے تک جو دل خوف سے کانپ رہے تھے، آج وہی دل خوشی اور شکر سے بھرے ہوئے تھے۔
ماہم کو بہت احتیاط کے ساتھ گاڑی میں بٹھایا گیا۔ اُس کی گود میں اُس کی ننھی سی بیٹی سکون سے سو رہی تھی۔
سفید نرم کپڑوں میں لپٹی وہ چھوٹی سی جان بار بار اپنے ننھے ہاتھ ہلا رہی تھی جبکہ ماہم اُسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔
ماہم کے چہرے پر کمزوری ابھی بھی صاف نظر آ رہی تھی، مگر اُس کمزوری کے پیچھے ایک عجیب سی خوشی چھپی ہوئی تھی... ایک ماں بننے کی خوشی۔
ضرار بار بار پیچھے مُڑ کر ماہم اور اپنی بیٹی کو دیکھتا۔ اُس کی آنکھوں میں سکون تھا، محبت تھی، اور ایک عجیب سا فخر بھی۔

"دھیان سے بیٹھنا ماہم..."

وہ بار بار نرمی سے کہتا۔
ماہم صرف ہلکا سا مسکرا دیتی اور پھر اپنی بیٹی کے ننھے سے چہرے کو دیکھنے لگتی۔
آخر کار وہ سب لوگ عذرا بیگم کے گھر پہنچ گئے۔
یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ کچھ دن ماہم وہیں رہے گی تاکہ عذرا بیگم اُس کا اچھی طرح خیال رکھ سکیں، کیونکہ ضرار کو آفس کے کام کی وجہ سے زیادہ وقت باہر رہنا پڑتا تھا۔
جیسے ہی ماہم گھر کے اندر آئی، پورا گھر جیسے خوشیوں سے بھر گیا۔
عذرا بیگم کی نظریں بار بار اپنی نواسی پر جا کر رک جاتیں۔ اُن کے چہرے پر سکون اور خوشی دونوں ایک ساتھ نمایاں تھے۔

"ماشاءاللہ... میری بچی..."

وہ بار بار یہی کہتی جاتیں۔
میرا تو شروع سے ہی بچی کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔

"مجھے دو نا تھوڑی دیر کے لیے!"

وہ ضد کرنے لگی۔
اقراش بھی مسکراتا ہوا بار بار ننھی بچی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو بالکل گڑیا لگ رہی ہے..."

گھر کا ماحول کئی عرصے بعد اتنا زندہ محسوس ہو رہا تھا۔

ہر طرف ہلکی ہلکی ہنسی، دعائیں اور خوشیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

ماہم کو احتیاط سے اُس کے کمرے میں بٹھایا گیا۔

وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی جبکہ اُس کی بیٹی ابھی بھی اُس کی گود میں تھی۔

ماہم اپنی ننھی سی بیٹی کے چہرے کو انگلیوں سے آہستہ آہستہ چھو رہی تھی۔ کبھی اُس کے گال پر بوسہ دیتی، کبھی اُس کے چھوٹے سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی۔

اُس کی آنکھوں میں عجیب سی نمی تھی۔

شاید وہ ابھی تک یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ اب وہ واقعی ایک ماں بن چکی ہے۔

کمرے میں سب لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

تبھی اچانک ماہم نے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا،

"میں نے اس کا نام سوچ لیا ہے..."

سب کی نظریں فوراً اُس کی طرف اٹھ گئیں۔

"کیا نام رکھو گی؟"

میرا نے فوراً خوشی سے پوچھا۔

ماہم نے اپنی بیٹی کے ماتھے پر بوسہ دیا... پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی،

"اس کا نام... مریم ہو گا۔"

یہ نام سنتے ہی جیسے وقت ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

عذرا بیگم کے چہرے کی مسکراہٹ اچانک دھندلا گئی۔

اُن کی آنکھیں ایک دم نمی سے بھر گئیں۔

"مریم..."

یہ نام اُن کے دل کے بہت قریب تھا... اتنا قریب کہ اُس ایک لفظ نے اُن کے اندر دبی ہوئی ساری یادیں دوبارہ زندہ کر دی تھیں۔

اُنہیں وہ پرانے دن یاد آنے لگے...

وہ چہرہ...

وہ ہنسی...

وہ لمحے...

اور پھر وہ درد... جسے وہ اتنے سالوں سے اپنے دل میں دفن کیے بیٹھی تھیں۔

عزرا بیگم کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔

ماہم فوراً گھبرا گئی۔

"امی...؟ کیا ہوا؟"

عزرا بیگم نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُن کی وجہ سے اس خوشی کے ماحول پر کوئی اداسی چھا جائے۔

وہ ہلکے سے مسکرائیں... حالانکہ اُن کی آواز اب بھی کانپ رہی تھی۔

"نہیں بیٹا... کچھ نہیں..."

اُنہوں نے آہستہ سے اپنی نواسی کو گود میں لیا۔

"بہت پیارا نام ہے..."

اُنہوں نے روتے ہوئے کہا،

"بہت ہی خوبصورت نام..."

پھر وہ ننھی مریم کو اپنے سینے سے لگا کر خاموشی سے رونے لگیں۔

شاید یہ آنسو صرف خوشی کے نہیں تھے...

یہ اُن یادوں کے بھی تھے جنہیں وہ کبھی بھلا نہیں پائی تھیں۔

کمرے میں موجود سب لوگ خاموش ہو گئے۔

ہر کوئی عزرا بیگم کے چہرے پر چھپا وہ درد محسوس کر رہا تھا، مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔

ماہم خاموشی سے اپنی امی کو دیکھتی رہی۔

اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ "مریم" صرف ایک نام نہیں... بلکہ کسی ادھوری کہانی کی یاد ہے۔

اور دوسری طرف ننھی مریم سکون سے ازرا بیگم کی گود میں سو رہی تھی...

جیسے وہ اپنے ساتھ اس گھر میں ایک نئی روشنی لے کر آئی ہو۔

☆☆☆

گھر کا ماحول اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔
وہی گھر جو کبھی خاموشیوں، اداسیوں اور درد سے بھرا رہتا تھا، آج وہاں ہر طرف زندگی محسوس ہوتی تھی۔
ننھی مریم کی آمد جیسے اس گھر میں خوشیوں کی نئی بہار لے آئی تھی۔
ہر صبح اب اُس کی ہلکی ہلکی رونے کی آواز سے شروع ہوتی، اور ہر رات اُس کی ننھی ننھی حرکتوں پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ آجاتی۔
سب لوگ مریم کے ساتھ اس قدر جڑ چکے تھے، کہ اب گھر کا ایک لمحہ بھی اُس کے بغیر مکمل نہیں لگتا تھا۔
ماہم اپنی بیٹی کے ساتھ بہت خوش تھی۔
وہ گھنٹوں اُسے اپنی گود میں لے کر بیٹھی رہتی۔ کبھی اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی، کبھی اُس کے ننھے ہاتھوں کو چومتی اور کبھی بس خاموشی سے اُسے دیکھتی رہتی۔
اُسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ ننھی سی جان واقعی اُس کی اپنی بیٹی ہے۔
عزرا بیگم تو جیسے دوبارہ جی اُٹھی تھیں۔
مریم کو گود میں لیتے ہی اُن کے چہرے پر عجیب سا سکون آجاتا۔ وہ بار بار اُس کے لیے دعائیں کرتیں، اُس کی نظر اُتارتیں اور ہر وقت اُس کے اردگرد ہی گھومتی رہتیں۔
"میری بچی کو نظر نہ لگے..."
وہ اکثر محبت سے کہتیں۔
اقراش بھی اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔
وہ کافی بدل چکا تھا۔ اب اُس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ سکون بھی نظر آتا تھا۔ وہ گھر والوں کے ساتھ وقت گزارتا، اپنی ماں کا خیال رکھتا اور خاص طور پر مریم کے ساتھ تو اُس کی الگ ہی دوستی ہو گئی تھی۔
جیسے ہی مریم ہلکا سا روتی، اقراش فوراً بھاگتا ہوا آجاتا۔
"ارے ارے... ہماری شہزادی کیوں رو رہی ہے؟"
پھر وہ عجیب عجیب حرکتیں کر کے اُسے ہنسانے کی کوشش کرتا جبکہ مریم اپنی ننھی آنکھوں سے اُسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیتی۔
وہ منظر دیکھ کر سب لوگ ہنس پڑتے۔

میرا تو شروع سے ہی مریم پر جان چھڑکتی تھی۔
وہ ہر وقت اُس کے ساتھ کھیلتی رہتی۔ کبھی اُس کے لیے چھوٹے چھوٹے کپڑے نکالتی، کبھی اُس کے بال بنانے کی کوشش کرتی اور کبھی اُسے گود میں لے کر پورے گھر میں گھومتی رہتی۔
"یہ صرف میری بیبی ہے..."
میرا ضد سے کہتی تو سب لوگ ہنسنے لگتے۔
گھر میں اب اکثر ہنسی کی آوازیں گونجتی رہتیں۔
کھانے کے وقت سب ایک ساتھ بیٹھتے، باتیں کرتے، مریم کی حرکتوں پر ہنستے اور وقت کیسے گزر جاتا کسی کو احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔
وہ اکثر شام کو بیٹھ کر سب کے ساتھ باتیں کرتے جبکہ مریم اُن کی گود میں سکون سے بیٹھی رہتی۔
عزرا بیگم کبھی اُنہیں دیکھتیں تو دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتیں۔
اتنے طوفانوں اور تکلیفوں کے بعد آخر کار اُن کے گھر میں سکون نے قدم رکھا تھا۔
رات کو جب سب لوگ ایک ساتھ بیٹھتے، چائے پیتے اور مریم کی باتیں کرتے تو گھر کی فضا عجیب سی پُر سکون لگتی۔
اور انہی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے ساتھ...
وقت آہستہ آہستہ بہت خوبصورتی سے گزرنے لگا۔

☆☆☆

باب دہم:

دس سال بعد
وقت انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے...
کچھ زخم بھر دیتا ہے، جبکہ کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ اور بھی گہرے ہوتے جاتے ہیں۔
دس سال گزر چکے تھے۔
زندگی نے سب کچھ بدل دیا تھا۔ چہرے بدل گئے تھے، حالات بدل گئے تھے... اور لوگوں کے رویے بھی۔
وہی بتول...
جو کبھی اپنے سسرال میں سب کی لاڈلی ہوا کرتی تھی، آج اُسی گھر میں خود کو ایک بوجھ محسوس کرنے لگی تھی۔

شروع شروع میں نادیہ بیگم اُسے بیٹیوں کی طرح رکھتی تھیں۔ اُس کے آرام کا خیال رکھا جاتا، اُس کی ہر خواہش پوری کی جاتی، اور گھر میں اُس کی بہت عزت تھی۔ مگر اب... اب سب کچھ بدل چکا تھا۔

ان دس سالوں میں بتول کی گود ہری نہیں ہوئی تھی۔
وہ ماں نہیں بن سکی تھی۔
اور یہی بات اب اُس کی زندگی کا سب سے بڑا جرم بنا دی گئی تھی۔
ہر صبح اُس کے لیے ایک نئی اذیت لے کر آتی۔
نادیہ بیگم اب معمولی معمولی باتوں پر اُس پر چیخنے لگتی تھیں۔ کبھی اُس کے کھانے میں نقص نکالتیں، کبھی صفائی میں، اور کبھی سیدھا اُس کے بانجھ ہونے کا طعنہ اُس کے منہ پر مار دیتیں۔
"ہمیں ایک بچہ تک نہیں دے سکی تم..."
"پتہ نہیں ہمارے بیٹے کی قسمت میں کیا لکھا تھا..."
یہ جملے اب بتول کے دل میں تیر کی طرح اترتے تھے۔
وہ خاموشی سے سب سنتی رہتی۔
سر جھکا لیتی۔
کیونکہ اب اُس کے پاس جواب دینے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔

تلحہ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔
وہ جو کبھی بتول کے آنسو تک برداشت نہیں کرتا تھا، اب اکثر خاموش رہنے لگا تھا۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اُسے بھی بتول سے شکایت ہونے لگی ہو۔
یہ خاموشی بتول کو اندر سے مزید توڑ دیتی تھی۔
گھر کے کام اب اُس سے جان بوجھ کر زیادہ کروائے جاتے۔
صبح سے رات تک وہ ایک مشین کی طرح کام کرتی رہتی، مگر پھر بھی کسی کو اُس میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی تھی۔
اگر وہ تھک کر چند لمحے بیٹھ جاتی تو فوراً آواز آتی،
"اتنا آرام کس بات کا؟"
بتول کی زندگی اب صرف آنسو، خاموشی اور تنہائی بن کر رہ گئی تھی۔
رات کو جب سب لوگ سو جاتے، تب وہ خاموشی سے اپنے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتی رہتی۔
اپنے آنسو خود صاف کرتی... اپنی سسکیاں خود دباتی... کیونکہ اب اُس کے درد کو سننے والا کوئی نہیں تھا۔
اور انہی خاموش راتوں میں اُسے اپنی ماضی کی وہ تمام باتیں یاد آنے لگتی تھیں...
مریم...
وہی مریم جس کے ساتھ اُس نے کبھی ظلم کیا تھا۔
وہی مریم جس کے آنسوؤں کو اُس نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔
آج قسمت جیسے اُس سے ہر اُس درد کا حساب لے رہی تھی۔
بتول اکثر روتے ہوئے سوچتی،
"شاید یہ میرے گناہوں کی سزا ہے..."
اُسے یاد آتا کہ کیسے اُس نے کبھی کسی کا دل توڑا تھا... اور آج اُس کا اپنا دل ہر روز ٹوٹ رہا تھا۔
وہ اللہ سے معافیاں مانگتی، سجدوں میں روتی، مگر اُس کی زندگی کی سختیاں کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔
سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ نادیہ بیگم نے اُس پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ اپنے میکے بھی نہیں جا سکتی۔
وہ اپنے گھر... اپنی ماں... اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے ترس گئی تھی۔
کئی کئی مہینے گزر جاتے مگر اُسے اپنے گھر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔

اور اگر کبھی وہ ہمت کر کے بات کرتی تو نادیہ بیگم سخت لہجے میں کہتیں،

"خبردار اگر اپنے گھر والوں کو یہاں کی کوئی بات بتائی تو..."

بتول خوف سے کانپ جاتی۔

"اگر تم نے اُنہیں کچھ بھی بتایا نا... تو یاد رکھنا، تمہارے ساتھ بہت برا ہو گا۔"

یہ دھمکی سن کر بتول خاموش ہو جاتی۔

اُسے محسوس ہوتا جیسے وہ ایک ایسے قید خانے میں بند ہو چکی ہے جہاں نہ اُس کی آواز کی کوئی قیمت ہے اور نہ اُس کے آنسوؤں کی۔

وہ اکثر کھڑکی کے پاس کھڑی اپنے گھر کو یاد کرتی۔

اپنی ماں کی محبت... اپنے بھائیوں کی باتیں... وہ سکون... وہ اپنائیت...

اور پھر خاموشی سے آنسو بہانے لگتی۔

کیونکہ اب اُس کی زندگی میں خوشی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔

بس اگر کچھ باقی تھا...

تو وہ تھا درد، پچھتاوا اور ایک ایسی خاموش سزا...

جو ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید تکلیف دہ ہوتی جا رہی تھی۔

بتول کچن کے فرش پر بیٹھی خاموشی سے برتن دھو رہی تھی۔

سرد پانی اُس کے ہاتھوں پر گر رہا تھا مگر اُس کے اندر جو درد تھا، اُس کے سامنے یہ ٹھنڈک بھی بے اثر لگ رہی تھی۔

اُس کے ہاتھ مسلسل کام کر رہے تھے، مگر ذہن کہیں اور کھویا ہوا تھا۔

چہرہ پہلے سے زیادہ مرجھا چکا تھا۔ آنکھوں کے نیچے ہلکے صاف ظاہر ہوتے تھے کہ وہ کئی راتوں سے ٹھیک سے سوئی نہیں تھی۔

پورے کچن میں صرف برتنوں کی آواز گونج رہی تھی۔

تبھی اچانک نادیہ بیگم تیز قدموں سے کچن میں داخل ہوئیں۔

اُن کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سختی نمایاں تھی۔

"او مہارانی!"

اُنہوں نے طنزیہ لہجے میں آواز لگائی،
"ذرا ہاتھ جلدی چلاؤ۔ اتنا وقت لگاؤ گی تو شام تک بھی کام ختم نہیں ہو گا!"
بتول فوراً چونک گئی۔
اُس نے جلدی سے اپنے ہاتھ صاف کیے اور نظریں جھکا لیں۔
"جی... امی..."
اُس کی آواز ہمیشہ کی طرح دھیمی اور بجھی ہوئی تھی۔
نادیہ بیگم نے ارد گرد نظر دوڑائی پھر سخت لہجے میں بولیں،
"گھر میں آج مہمان آنے والے ہیں، اس لیے ہر چیز چمکنی چاہیے۔ سمجھ آئی؟"
بتول نے حیرانی سے اُن کی طرف دیکھا۔
کئی دنوں بعد پہلی بار گھر میں مہمان آنے کی بات ہوئی تھی۔
"مہمان...؟"
وہ دھیرے سے بولی،
"کون مہمان آ رہے ہیں امی...؟"
نادیہ بیگم کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔
ایسی مسکراہٹ جس نے بتول کے دل میں انجانا خوف پیدا کر دیا۔
وہ اُس کے قریب آئیں اور سرد لہجے میں بولیں،
"تمہیں نہیں پتہ؟"
بتول خاموشی سے اُنہیں دیکھتی رہی۔
"میں نے طلحہ کے لیے ایک اچھی سی لڑکی ڈھونڈ لی ہے..."
یہ سنتے ہی بتول کے ہاتھ سے پلیٹ تقریباً چھوٹتے چھوٹتے بچی۔
اُسے لگا جیسے کسی نے اُس کے کانوں میں اچانک زہر گھول دیا ہو۔
"جی...؟"
اُس کی آواز کانپ گئی۔
نادیہ بیگم اب مکمل بے رحمی سے بول رہی تھیں۔

"ہاں! آخر کب تک ہم تمہاری وجہ سے اپنے بیٹے کی زندگی خراب کرتے رہیں؟ ہمیں ہمارے گھر کا وارث چاہیے۔ ایک ایسا بچہ جو ہمارے خاندان کا نام آگے بڑھائے۔"

بتول کی آنکھوں میں فوراً آنسو بھرنے لگے۔

"امی... میں..."

مگر نادیہ بیگم نے اُسے بات مکمل ہی نہیں کرنے دی۔

"بس! اب رونے دھونے کی ضرورت نہیں۔ آج لڑکی والے گھر دیکھنے آرہے ہیں۔ اگر سب ٹھیک رہا تو جلد ہی طلحہ کی دوسری شادی کر دیں گے۔"

یہ الفاظ بتول کے دل پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔

اُسے محسوس ہوا جیسے اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔

سانس لینا مشکل ہونے لگا۔

وہ وہیں فرش پر بیٹھی رہ گئی جبکہ اُس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہنے لگے۔

دس سال...

پورے دس سال اُس نے اس گھر کو دیے تھے۔

ہر دکھ، ہر طعنہ، ہر ظلم خاموشی سے برداشت کیا تھا... صرف اس امید میں کہ شاید ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔

مگر آج...

آج اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی پوری زندگی ایک لمحے میں ختم ہو گئی ہو۔

نادیہ بیگم بے رحمی سے بولتی رہیں،

"اور سنو... لڑکی والوں کے سامنے کوئی تماشہ مت کرنا۔ خاموشی سے اپنا کام کرنا، سمجھیں؟"

بتول صرف اُنہیں دیکھتی رہی۔

اُس کی آنکھوں میں ایسا درد تھا جو شاید لفظوں میں بیان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

نادیہ بیگم وہاں سے چلی گئیں جبکہ بتول وہیں بیٹھی رہ گئی۔

اُس کے کانوں میں صرف ایک ہی جملہ گونج رہا تھا،

"طلحہ کی دوسری شادی..."

اُس کا دل بری طرح ٹوٹ چکا تھا۔

وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی مگر سسکیاں خود بخود اُس کے لبوں سے نکل رہی تھیں۔
اُسے اچانک اپنے وہ تمام خواب یاد آنے لگے جو اُس نے طلحہ کے ساتھ دیکھے تھے۔
وہ محبت... وہ وعدے... وہ ساتھ...
کیا واقعی سب ختم ہو چکا تھا؟
بتول نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے آنسو صاف کیے مگر آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔
آج پہلی بار اُسے محسوس ہوا کہ شاید وہ واقعی اس گھر میں صرف ایک "ضرورت" تھی...
اور اب جب وہ اُنہیں اولاد نہیں دے سکی، تو اُس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔
کچن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ خاموشی سے روتی رہی...
جبکہ اُس کا دل اندر ہی اندر مکمل طور پر ٹوٹ چکا تھا۔
کچھ ہی دیر بعد گھر میں مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔
ڈرائنگ روم میں ہلکی ہلکی باتوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ نادیہ بیگم بار بار اپنے دوپٹے اور صوفوں کو ٹھیک کر رہی تھیں جبکہ اُن کے چہرے پر عجیب سی خوشی نمایاں تھی۔
آج وہ بہت خوش تھیں...
کیونکہ آج اُنہیں لگ رہا تھا کہ اُن کے بیٹے کی "ادھوری زندگی" مکمل ہونے جا رہی ہے۔
اور دوسری طرف...
بتول کا دل ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مزید ٹوٹ رہا تھا۔
وہ کچن میں کھڑی کانپتے ہاتھوں سے چائے بنا رہی تھی۔
آنکھیں مسلسل نم تھیں مگر وہ بار بار اپنے آنسو صاف کر رہی تھی تاکہ کوئی اُس کی حالت نہ دیکھ سکے۔
چولہے کی آگ جل رہی تھی مگر اُس کے دل کے اندر جو آگ لگی ہوئی تھی، اُس کے سامنے یہ حرارت بھی کچھ نہیں تھی۔
"بتول! چائے تیار ہوئی یا نہیں؟"
نادیہ بیگم کی تیز آواز سنائی دی۔
"جی... ابھی لائی..."
بتول نے کپ ٹرے میں رکھے۔

اُس کے ہاتھ اتنے کانپ رہے تھے کہ چائے تقریباً گرنے والی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔

جیسے ہی اُس نے وہاں قدم رکھا، اُس کی نظریں سامنے بیٹھی اُس لڑکی پر جا کر رک گئیں۔

وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔

ہلکے رنگ کے سوٹ میں سجی، چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ لیے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

سب لوگ اُسے بہت پسند کر رہے تھے۔

نادیہ بیگم تو بار بار اُس کی تعریفیں کر رہی تھیں۔

"ماشاءاللہ، کتنی سمجھدار اور خوبصورت بچی ہے..."

بتول خاموشی سے سب کو چائے دینے لگی۔

تبھی اُس کی نظریں طلحہ پر پڑیں۔

اور اُس لمحے اُس کا دل مزید ٹوٹ گیا۔

طلحہ کے چہرے پر بھی خاموش رضامندی تھی۔

وہی طلحہ... جس نے کبھی بطول کا ہاتھ پکڑ کر ہمیشہ ساتھ نبھانے کے وعدے کیے تھے، آج خاموشی سے دوسری لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

بتول کو لگا جیسے اُس کے وجود سے جان نکل رہی ہو۔

وہ فوراً نظریں جھکا کر وہاں سے واپس کچن میں آ گئی۔

اور جیسے ہی وہ اکیلی ہوئی، اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تاکہ باہر کسی کو اُس کی آواز سنائی نہ دے۔

چند دنوں بعد...

وہی ہوا جس کا بتول کو خوف تھا۔

لڑکی والوں نے رشتہ منظور کر لیا۔

لڑکی نے بھی طلحہ کو پسند کر لیا تھا۔

اور پھر بہت سادگی سے نکاح کر دیا گیا۔

وہ دن بتول کی زندگی کا شاید سب سے تکلیف دہ دن تھا۔

وہ اپنے ہی شوہر کے نکاح میں ایک اجنبی کی طرح کھڑی تھی۔
ہر دعا، ہر مبارکباد، ہر مسکراہٹ اُس کے دل کو چیر رہی تھی۔
مگر پھر بھی وہ خاموش تھی۔
کیونکہ اب اُس کی خاموشی ہی اُس کی عادت بن چکی تھی۔
نکاح کے بعد تلحہ اپنی نئی بیوی کو گھر لے آیا۔
گھر کو خوب سجایا گیا تھا۔
ہر طرف روشنی تھی، ہنسی تھی، خوشی تھی...
مگر بتول کے دل کے اندر صرف اندھیرا تھا۔
آج اُس کے سر پر "سوتن" آچکی تھی۔
اور اُس لمحے اُسے محسوس ہوا جیسے اُس کی اپنی زندگی میں اُس کی جگہ ختم ہو چکی ہو۔
شروع شروع میں نئی بہو نے بتول سے نرم لہجے میں بات کی، مگر آہستہ آہستہ گھر کے حالات مزید خراب ہوتے گئے۔
اب نادیہ بیگم کا سارا پیار نئی بہو کے لیے تھا۔
اور سارا غصہ، ساری نفرت بتول کے حصے میں آگئی تھی۔
"بتول! جا کر کچن صاف کرو!"
"بتول! کپڑے دھو دو!"
"بتول! اوپر والے کمرے کی صفائی بھی کرنی ہے!"
اب گھر کا سارا کام صرف بتول سے کروایا جاتا۔
صبح سے رات تک وہ ایک نوکرانی کی طرح کام کرتی رہتی۔
اور سب سے زیادہ تکلیف اُسے تب ہوتی...
جب طلحہ بھی اب اُس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔
وہ اب پہلے جیسا شوہر نہیں رہا تھا۔
اب اُس کی توجہ، اُس کی محبت، اُس کا وقت... سب کسی اور کے لیے تھا۔
کبھی کبھی تو وہ خود بھی بتول پر غصہ کرنے لگتا۔

"رونا دھونا بند کرو!"

"تم سے ایک سکون نہیں دیکھا جاتا!"

یہ الفاظ بتول کے دل کو مزید زخمی کر دیتے۔

رات کو جب سب لوگ اپنے کمروں میں چلے جاتے، تب بتول اکیلی کچن میں بیٹھ کر برتن دھوتی رہتی۔

اُس کے ہاتھ کام کرتے رہتے...

اور آنکھوں سے آنسو خاموشی سے گرتے رہتے۔

اُسے اب محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اس گھر میں صرف ایک زندہ لاش بن کر رہ گئی ہے۔

ایک ایسی عورت...

جس سے اُس کا شوہر، اُس کا گھر، اُس کی عزت... سب کچھ آہستہ آہستہ چھین لیا گیا تھا۔

آج بتول بہت روئی تھی۔

شاید اتنا وہ پہلے کبھی نہیں روئی تھی۔

صبح سے ہی گھر میں خوشی کا ماحول تھا۔

ہر طرف مبارکبادیں دی جا رہی تھیں، دعائیں دی جا رہی تھیں، اور نادیہ بیگم کے چہرے پر تو آج خوشی صاف چمک رہی تھی۔

کیونکہ آج خبر ملی تھی کہ طلحہ کی دوسری بیوی حاملہ تھی۔

"الحمدللہ! آخرکار ہمارے گھر میں خوشخبری آنے والی ہے!"

نادیہ بیگم بار بار یہی کہہ رہی تھیں۔

گھر میں مٹھائیاں تقسیم ہو رہی تھیں۔

رشتے دار فون کر کر کے مبارکباد دے رہے تھے۔

اور ان سب خوشیوں کے بیچ...

بتول ایک کونے میں خاموش کھڑی تھی۔

اُس کے دل پر جیسے ہر لفظ خنجر بن کر لگ رہا تھا۔

آج اُسے پہلی بار شدت سے احساس ہوا تھا کہ شاید واقعی اُس کی اس گھر میں کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔

نادیہ بیگم بار بار طنزیہ انداز میں اُسے دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ عورتیں قسمت والی ہوتی ہیں..."

وہ جان بوجھ کر اونچی آواز میں بولیں،

"اور کچھ... بس گھر پر بوجھ بن جاتی ہیں۔"

یہ سن کر بتول کی آنکھیں فوراً بھر آئیں۔

وہ خاموشی سے نظریں جھکا گئی۔

طلحہ بھی آج اپنی دوسری بیوی کے ساتھ بہت خوش نظر آرہا تھا۔

وہ بار بار اُس کا خیال رکھ رہا تھا، اُس کے لیے چیزیں لا رہا تھا۔

بتول وہ سب دیکھ رہی تھی...

اور ہر منظر اُس کے دل کو مزید توڑ رہا تھا۔

اُسے وہ دن یاد آنے لگے جب کبھی طلحہ اُس کا بھی اسی طرح خیال رکھا کرتا تھا۔

اُس کے چہرے پر ذرا سی اداسی بھی طلحہ برداشت نہیں کرتا تھا۔

مگر آج...

آج وہی شخص اُسے دیکھنا بھی پسند نہیں کر رہا تھا۔

بتول پورا دن خاموشی سے کام کرتی رہی۔

کچن، صفائی، برتن، کپڑے... سب کچھ۔

حالانکہ اُس کے دل کی حالت ایسی تھی کہ وہ خود کو سنبھال بھی نہیں پا رہی تھی۔

مگر پھر بھی کسی نے ایک بار بھی اُس سے نہیں پوچھا کہ وہ کیسی ہے۔

شام تک اُس کی کمر درد سے ٹوٹنے لگی تھی۔

ہاتھ مسلسل کام کرتے کرتے سرخ ہو چکے تھے۔

مگر اصل درد اُس کے جسم میں نہیں... اُس کے دل میں تھا۔

جب رات ہوئی اور سب لوگ اپنی خوشیوں میں مصروف ہو گئے، تب بتول خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جیسے ہی دروازہ بند ہوا، وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔

اور پھر...

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
اُس کے آنسو رُک ہی نہیں رہے تھے۔
"یااللہ... آخر میری غلطی کیا ہے...؟"
وہ سسکیوں میں بولی۔
"میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا...؟"
اُسے لگ رہا تھا جیسے قسمت نے اُس سے سب کچھ چھین لیا ہو۔
وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر مسلسل روتی رہی۔
اُسے سانس لینا تک مشکل لگ رہا تھا۔
کافی دیر رونے کے بعد اُس نے اپنے آنسو صاف کیے۔
پھر خاموشی سے اُٹھی۔
اُس نے اپنی الماری کھولی اور ایک کالی شال نکالی۔
وہی کالی شال...
جو شاید اُس کے اندر کے اندھیرے کی طرح تھی۔
بتول نے آہستہ آہستہ وہ شال اپنے اوپر اوڑھ لی۔
اپنا چہرہ بھی اچھی طرح چھپا لیا تاکہ کوئی اُسے پہچان نہ سکے۔
گھر میں سب لوگ اپنی خوشیوں میں مصروف تھے، اس لیے کسی نے اُس پر توجہ نہیں دی۔
وہ خاموش قدموں سے گھر سے باہر نکل گئی۔
رات کافی گہری ہو چکی تھی۔
سڑکیں تقریباً سنسان تھیں۔
ٹھنڈی ہوا اُس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی, جبکہ اُس کی آنکھوں سے آنسو اب بھی مسلسل بہہ رہے تھے۔
بتول بغیر کچھ سوچے چلتی جا رہی تھی۔
اُسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے...
مگر اُس کے قدم اُسے آہستہ آہستہ قبرستان کی طرف لے جا رہے تھے۔
ہر قدم کے ساتھ اُس کے دل کی اداسی مزید بڑھتی جا رہی تھی۔

آج شاید وہ زندہ لوگوں سے زیادہ...
مردہ قبروں کے درمیان سکون ڈھونڈنے نکلی تھی۔
بتول خاموش قدموں سے قبرستان کے اندر داخل ہوئی۔
رات کی ٹھنڈی ہوا قبرستان کی خاموشی کو اور بھی زیادہ خوفناک بنا رہی تھی۔
چاروں طرف خاموش قبریں تھیں...
ایسی خاموشی، جیسے یہاں آکر ہر درد، ہر آواز، ہر شکایت ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی ہو۔
بتول نے اپنی کالی شال کو اپنے گرد مزید مضبوطی سے لپیٹا۔
اُس کے ہاتھوں میں تازہ گلابوں کا ایک چھوٹا سا گلدستہ تھا، جسے وہ راستے بھر اپنے سینے سے لگائے ہوئے آئی تھی۔
اُس کی آنکھیں مسلسل آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔
وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی...
اور پھر اچانک اُس کے قدم رک گئے۔
سامنے...
مریم کی قبر تھی۔
وہ قبر باقی قبروں سے الگ نظر آرہی تھی۔
سیاہ اور سفید ماربل سے بہت خوبصورتی سے پکی ہوئی قبر...
صاف ستھری، پرسکون اور عجیب سی خاموشی۔
قبر کے اوپر ہلکی روشنی پڑ رہی تھی جبکہ اُس کے اردگرد خاموش ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔
بتول کی نظریں جیسے اُس قبر پر جم سی گئیں۔
اُس کے دل میں ایک شدید درد اٹھا۔
"مریم..."
اُس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔
اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔
وہ آہستہ آہستہ قبر کے قریب گئی اور کانپتے ہاتھوں سے تازہ گلاب اُس قبر پر رکھنے لگی۔
پھر اُس نے بہت احتیاط سے ایک ایک پھول مریم کی قبر پر سجا دیا۔

سرخ گلاب...
جن کے قطرے جیسے اُس کے اپنے آنسوؤں کی طرح لگ رہے تھے۔
بتول کچھ لمحے خاموش کھڑی رہی۔
پھر اُس نے لرزتے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔
"یا اللہ... مریم کو جنت نصیب کرنا..."
اُس کی آواز بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔
دعا مکمل کرتے ہی وہ قبر کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی۔
اور پھر...
اُس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔
وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
اُس کے آنسو مسلسل قبر کے ماربل پر گر رہے تھے۔
"مریم..."
وہ سسکیوں میں بولی،
"ہمیں تمہاری بددعا لگ گئی..."
اُس کی آواز قبرستان کی خاموشی میں عجیب درد کے ساتھ گونج رہی تھی۔
"ہم نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا..."
بتول نے اپنے کانپتے ہاتھ قبر پر رکھ دیے۔
"مریم... میں بہت پچھتا رہی ہوں..."
اُسے سانس لینا مشکل لگ رہا تھا۔
دل جیسے اپنے ہی بوجھ تلے دب چکا تھا۔
"خدا کے واسطے... مجھے معاف کر دو..."
وہ زور زور سے رونے لگی۔
"ہم نے تمہارا گھر توڑا تھا نا...؟"
یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز مکمل ٹوٹ گئی۔

"لیکن دیکھو... آج میرا اپنا گھر بھی مکمل بکھر چکا ہے..."

بتول کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے سوجھ چکی تھیں۔

"آج مجھے احساس ہو رہا ہے مریم... درد کیا ہوتا ہے..."

وہ مسلسل قبر پر ہاتھ پھیر رہی تھی جیسے مریم واقعی اُس کے سامنے موجود ہو۔

"مجھے معاف کر دو..."

وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی،

"خدا کے لیے مجھے معاف کر دو مریم..."

بتول کی سسکیاں اب قبرستان کی خاموش فضاؤں میں گونج رہی تھیں۔

اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کے اندر برسوں سے جمع تمام غرور، تمام نفرت، تمام سختی آج آنسوؤں کی صورت بہہ رہی ہو۔

اُسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ انسان جب کسی کا دل توڑتا ہے...

تو وقت ایک دن اُسے بھی اُسی جگہ لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔

بتول بہت دیر تک وہیں بیٹھی روتی رہی۔

کبھی قبر کو دیکھتی، کبھی اپنے آنسو صاف کرتی، اور کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر خاموشی سے معافی مانگنے لگتی۔

اُس رات قبرستان کی ٹھنڈی ہوا میں صرف ایک عورت کی ٹوٹی ہوئی سسکیاں تھیں...

اور ایک ایسا پچھتاوا...

جو شاید اب پوری زندگی اُس کا پیچھا کرنے والا تھا۔

بتول نہ جانے کتنے گھنٹوں تک مریم کی قبر کے پاس بیٹھی روتی رہی۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا...

رات مزید گہری ہوتی گئی...

قبرستان کی خاموشی اور ٹھنڈی ہوا اُس کے درد کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔

اُس کی سسکیاں اب دھیمی پڑنے لگی تھیں۔

اتنا رونے کے بعد اُس کی آنکھوں میں شاید آنسو بھی ختم ہو چکے تھے۔

مگر دل کا درد...

وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

بتول کبھی قبر پر ہاتھ رکھتی، کبھی آسمان کی طرف دیکھتی اور کبھی خاموشی سے خود سے باتیں کرنے لگتی۔

"مریم... شاید میں واقعی بہت بری تھی..."

اُس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

"میں نے تم سے سب کچھ چھین لیا... اور آج اللہ نے مجھ سے بھی سب کچھ چھین لیا..."

وہ مسلسل کانپ رہی تھی۔

سردی بڑھتی جا رہی تھی جبکہ اُس کے جسم میں اب طاقت باقی نہیں رہی تھی۔

پورا دن ظلم سہنے کے بعد، پوری رات رونے کے بعد...

بتول اندر سے مکمل ٹوٹ چکی تھی۔

اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے دل کا بوجھ اب اُس کے جسم سے برداشت نہیں ہو رہا۔

آخر کار...

وہ آہستہ آہستہ قبر کے قریب جھکی۔

اُس نے کانپتے ہاتھوں سے مریم کی قبر کو آخری بار چھوا۔

"مریم... ہمیں معاف کر دینا..."

یہ اُس کے لبوں سے نکلنے والے آخری الفاظ تھے۔

اور پھر...

بتول وہیں قبر کے ساتھ گر گئی۔

اُس کی کالی شال آدھی مٹی پر پھیل گئی تھی۔

چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا جبکہ اُس کے ہاتھ اب بھی قبر کے ماربل کو چھو رہے تھے۔

قبرستان پھر سے خاموش ہو گیا۔

ایسی خاموشی...

جیسے کسی کا درد ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہو۔

اور دوسری طرف...

پورا دن اور پوری رات گزر گئی، مگر اُس کے گھر والوں کو اُس کی کوئی فکر نہیں ہوئی۔
کسی نے یہ جاننے کی کوشش تک نہیں کی کہ بتول کہاں ہے۔
نہ کسی نے فون کیا...
نہ اُسے ڈھونڈا...
جیسے اُس کی زندگی کی طرح اُس کی غیر موجودگی بھی اب کسی کے لیے اہم نہیں رہی تھی۔
اگلی صبح جب لوگ قبرستان میں فاتحہ کے لیے آئے، تو اُن کی نظر اچانک مریم کی قبر کے پاس پڑی۔
وہاں ایک عورت بے حرکت پڑی تھی۔
لوگ فوراً اُس کی طرف بڑھے۔
کسی نے اُس کے چہرے سے کالی شال ہٹائی...
اور پھر سب حیران رہ گئے۔
"ارے... یہ تو بتول ہے..."
اُس کا چہرہ بالکل سفید پڑ چکا تھا۔
آنکھیں بند تھیں۔
ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ روتے روتے سو گئی ہو۔
مگر حقیقت یہ تھی...
کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔
قبرستان میں موجود لوگ افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
"کتنی جوان تھی..."
"اللہ رحم کرے..."
لوگ دھیرے دھیرے باتیں کرنے لگے۔
مگر افسوس...
اُس وقت بھی اُس کے اپنے اُس کے پاس موجود نہیں تھے۔
بتول کے گھر والوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔
نہ کوئی اُسے لینے آیا، نہ کسی نے اُس کے بارے میں پوچھا۔

اور شاید قسمت کو یہی منظور تھا...
اسی لیے فیصلہ کیا گیا کہ بتول کو بھی مریم کے ساتھ والی قبر میں دفن کر دیا جائے۔
قبر کھودی گئی۔
لوگ خاموشی سے اُس کے جنازے کی تیاری کرتے رہے۔
بتول کا سفید کفن ہوا میں ہلکا سا لہرا رہا تھا۔
وہی بتول...
جو کبھی غرور اور سختی سے بھری ہوئی تھی، آج چند سفید کپڑوں میں خاموش لیٹی تھی۔
زندگی کی ساری نفرتیں، ساری ضدیں، سارے گناہ...
سب مٹی کے حوالے ہونے والے تھے۔
جب اُسے قبر میں اُتارا گیا تو آسمان پر ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی۔
مریم ایک قبر میں سو رہی تھی...
اور اب بطول اُس کے بالکل پاس دفن ہو رہی تھی۔
شاید زندگی میں وہ دونوں کبھی ایک نہ ہو سکیں...
مگر موت نے اُنہیں ایک دوسرے کے قریب لا کر خاموش کر دیا تھا۔
لوگوں نے مٹی ڈالی...
فاتحہ پڑھی...
اور پھر آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے۔
کچھ دیر بعد قبرستان دوبارہ خاموش ہو گیا۔
اب وہاں صرف دو قبریں تھیں...
ایک مریم کی...
اور دوسری اُس عورت کی...
جو بہت دیر سے اپنے گناہوں کی سزا جھیل رہی تھی۔

☆☆☆

آج رات گھر کے باقی لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔

پورے گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی جبکہ باہر ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

مگر اِسی خاموشی کے درمیان...

مناہل اپنے کمرے میں بیٹھی کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔

اُس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

وہ بار بار اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی جبکہ اُس کی آواز میں بناوٹ بھری نرمی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"اوہ پلیز..."

وہ ہلکے سے ہنسی،

"تم بھی نا... بہت فکر کرتے ہو میری..."

دوسری طرف شاید اُس کا کوئی نیا عاشق تھا۔

ایک ایسا لڑکا جسے مناہل نے اپنی باتوں اور جھوٹی محبت کے جال میں پوری طرح پھنسا لیا تھا۔

مناہل بستر پر آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔

اُس کی آنکھوں میں لالچ چمک رہی تھی۔

"بس تھوڑا سا انتظار کرو..."

وہ دھیرے لہجے میں بولی،

"پھر دیکھنا، میں سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گی..."

اُس کے ہونٹوں پر شیطانی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ویسے بھی..."

وہ طنزیہ انداز میں ہنسی،

"یہ پورا گھر میرے نام پر ہے۔"

دوسری طرف سے شاید کچھ کہا گیا جس پر مناہل مزید خوش ہو گئی۔

"ہاں جان... تم فکر مت کرو۔"

اُس نے نرمی سے کہا،

"میں اپنے شوہر کے سارے پیسے بھی لے لوں گی۔ اُس کے اکاؤنٹس، پراپرٹی... سب کچھ۔"

اُس کی آواز میں لالچ اتنی واضح تھی کہ جیسے اُسے صرف دولت اور آزادی چاہیے ہو۔

"اور سنو..."

وہ ذرا آہستہ آواز میں بولی،

"میں صرف اُسے چھوڑنے والی نہیں ہوں..."

اُس کی آنکھوں میں اچانک خطرناک چمک اُبھر آئی۔

"میں اُس پر ایسا الزام لگاؤں گی کہ سیدھا جیل جائے گا..."

وہ ہنسنے لگی۔

ایسی ہنسی جس میں محبت نہیں... صرف دھوکہ تھا۔

"پھر جب وہ جیل میں ہوگا نا..."

وہ مطمئن انداز میں بولی،

"تب میں ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس آجاؤں گی۔"

مناہل بستر سے اُٹھی اور آئینے کے سامنے جا کر خود کو دیکھنے لگی۔

اُسے اپنے حسن اور چالاکی پر عجیب سا غرور تھا۔

"تمہیں پتہ ہے؟"

وہ فون پر بولی،

"وہ لوگ مجھ پر اندھا یقین کرتے ہیں۔ کسی کو اندازہ تک نہیں کہ میں کیا کرنے والی ہوں..."

اُس نے ہلکے سے قہقہہ لگایا۔

"اور پھر..."

وہ مسکراتے ہوئے بولی،

"تم مجھ سے شادی کر لینا..."

فون کے دوسری طرف سے شاید اُس لڑکے نے محبت بھری بات کی، جس پر مناہل نے مصنوعی شرماتے ہوئے کہا،

"آئی لو یو ٹو..."

مگر حقیقت یہ تھی کہ مناہل کسی سے محبت نہیں کرتی تھی۔

وہ صرف اپنے مطلب، اپنی آزادی اور اپنے فائدے سے محبت کرتی تھی۔

وہ اپنے شوہر، اپنے گھر، اور اُن لوگوں کے اعتماد کو استعمال کر رہی تھی...
جنہوں نے شاید کبھی اُس پر شک تک نہیں کیا تھا۔
مناہل اب بھی فون پر اپنے دوسرے عاشق سے مستقبل کے خواب سجا رہی تھی۔
ایک ایسا مستقبل...
جو دھوکے، لالچ اور جھوٹ کی بنیاد پر کھڑا ہونے والا تھا۔
رات کا وقت تھا۔
پورے گھر میں عجیب سی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔
مناہل اپنے کمرے میں کھڑی آئینے کے سامنے خود کو غور سے دیکھ رہی تھی۔
اُس کی آنکھوں میں اب محبت نہیں... صرف نفرت، لالچ اور انتقام باقی رہ گیا تھا۔
وہ آہستہ آہستہ اپنے کپڑوں کو مختلف جگہوں سے پھاڑنے لگی۔
کبھی دوپٹہ کھینچتی، کبھی آستین پھاڑتی، کبھی اپنے بال بکھیر دیتی۔
پھر اُس نے میک اپ باکس کھولا۔
مگر آج وہ خوبصورت لگنے کے لیے تیار نہیں ہو رہی تھی۔
آج وہ خود کو "مظلوم" دکھانے کے لیے تیار کر رہی تھی۔
اُس نے اپنے چہرے پر عجیب سا بگڑا ہوا میک اپ کیا۔
کاجل پھیلا دیا...
لِپ اسٹک خراب کر دی...
اور اپنے گالوں پر ایسے نشان بنا دیے جیسے کسی نے اُسے مارا ہو۔
آئینے میں خود کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر خطرناک سی مسکراہٹ آ گئی۔
"اب دیکھتی ہوں... کون بچاتا ہے تمہیں ظہیر..."
دوسری طرف...
قدسیہ بیگم اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم مردہ سی پڑی تھیں۔
ان کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔
بلڈ کینسر نے اُن کے جسم کو مکمل کمزور کر دیا تھا۔

وہ ٹھیک سے اٹھ بھی نہیں سکتی تھیں۔
سانس لیتے وقت اُنہیں شدید تکلیف ہوتی تھی۔
تبھی گھر میں چیزیں ٹوٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔
قدسیہ بیگم گھبرا گئیں۔
"م... مناہل...؟"
وہ بڑی مشکل سے آواز نکال پائیں۔
ادھر مناہل پورے گھر کا سامان توڑ رہی تھی۔
کبھی شیشے توڑتی، کبھی چیزیں زمین پر پھینکتی۔
پورا گھر بکھر چکا تھا۔
قدسیہ بیگم نے روتے ہوئے کہا،
"بیٹا... یہ کیا کر رہی ہو...؟"
اُن کی آواز کمزور اور کانپتی ہوئی تھی۔
"خدا کے لیے ایسا مت کرو..."
مگر مناہل نے ایک بار بھی اُن کی طرف نہیں دیکھا۔
اُس کے دل میں اب کسی کے لیے رحم باقی نہیں تھا۔
کچھ دیر بعد وہ اسی حالت میں گھر سے نکل گئی۔
کپڑے پھٹے ہوئے...
بال بکھرے ہوئے...
چہرہ بگاڑا ہوا...
اور سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔
وہاں جاتے ہی اُس نے رونا شروع کر دیا۔
"پلیز میری مدد کریں..."
وہ زور زور سے بول رہی تھی،
"میرا شوہر مجھے بہت مارتا ہے..."

پولیس والے فوراً اُس کی بات سننے لگے۔
مناحل نے روتے ہوئے مزید کہا،
"اُس نے اپنی پہلی بیوی کو بھی مار دیا تھا..."
اُس نے جان بوجھ کر جھوٹے آنسو بہائے۔
"لیکن اُس وقت کسی نے کچھ نہیں کہا..."
وہ چیخ کر بولی،
"میں نہیں چاہتی کہ وہ مجھے بھی مار ڈالے!"
دوسری طرف...
ظہیر اپنے گھر میں بے خبر بیٹھا تھا۔
وہ اب بھی مناہل سے محبت کرتا تھا۔
اُسے اندازہ تک نہیں تھا کہ جس عورت پر وہ جان وارتا ہے، وہی عورت اُس کی زندگی برباد کرنے جارہی ہے۔
رات کچھ دیر بعد پولیس کی گاڑیاں گھر کے باہر آکر رک گئیں۔
پورا گھر چونک گیا۔
ظہیر باہر نکلا۔
"جی؟ کیا بات ہے؟"
مگر جیسے ہی مناہل نے پولیس والوں کو دیکھا، وہ فوراً دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی۔
وہاں جا کر اُس نے خود کو مزید خراب حالت میں کیا، پھر باہر آئی اور فوراً رونا شروع کر دیا۔
"دیکھیے نا!"
وہ پولیس والوں سے لپٹ کر بولی،
"اِنہوں نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے..."
پھر اُس نے کانپتی انگلی سے ظہیر کی طرف اشارہ کیا۔
"پلیز... اِسے یہاں سے لے جائیں..."
پھر اُس نے قدسیہ بیگم کی طرف دیکھا۔
"اِس کی ماں بھی اِس سب میں شامل ہے..."

قدسیہ بیگم یہ سن کر جیسے پتھر کی ہو گئیں۔
"ن... نہیں..."
وہ روتے ہوئے بولیں،
"ہم نے کچھ نہیں کیا..."
مگر پولیس والے اب پرانی فائلیں نکال چکے تھے۔
دس سال پہلے کے کیس...
مریم کی موت...
اُس وقت کے شک...
اور اب مناہل کے الزامات۔
سب کچھ دوبارہ کھولا گیا۔
ظہیر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
اُسے اچانک مریم یاد آنے لگی۔
وہ معصوم چہرہ...
وہ خاموش آنسو...
وہ ظلم...
آج قسمت جیسے اُسے وہ سب واپس دکھا رہی تھی۔
"شاید... یہ میرے گناہوں کی سزا ہے..."
اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔
ادھر قدسیہ بیگم کو بھی بتول اور مریم دونوں یاد آنے لگیں۔
وہ دونوں عورتیں...
جن کی زندگیاں ظلم سے تباہ ہوئی تھیں۔
آج وہی درد پلٹ کر اُن کے دروازے پر کھڑا تھا۔
کچھ ہی دنوں بعد عدالت نے فیصلہ سنا دیا۔
ظہیر کو عمر قید کی سزا دے دی گئی۔

جبکہ قدسیہ بیگم کو دس سال قید کی سزا سنائی گئی۔
یہ سنتے ہی قدسیہ بیگم زمین پر گر پڑیں۔
"یا اللہ..."
وہ روتے ہوئے بولیں،
"یہ ہم نے کیا کر دیا..."
ظہیر خاموش کھڑا تھا۔
اُس کی آنکھوں میں اب صرف پچھتاوا تھا۔
وہ پولیس والوں کے ساتھ جانے لگا۔
ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں...
دل میں مریم کی یادیں۔
اُسے ہر لمحہ وہ ظلم یاد آ رہا تھا جو اُس نے مریم کے ساتھ کیا تھا۔
اور آج...
وہی زندگی اُس سے حساب لے رہی تھی۔
پولیس والے اُسے لے کر چلے گئے۔
قدسیہ بیگم بھی روتی ہوئی جیل بھیج دی گئیں۔
بیماری، بڑھاپا اور تنہائی...
اب اُن کے ساتھ صرف یہی رہ گیا تھا۔
اور دوسری طرف مناہل...
وہ خاموش کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔
اُس کے چہرے پر آنسو تھے...
مگر دل میں کوئی افسوس نہیں تھا۔
کیونکہ اُس نے آخر کار وہ سب حاصل کر لیا تھا...
جو وہ چاہتی تھی۔
ظہیر آج جیل کے ایک اندھیرے کونے میں خاموش بیٹھا تھا۔

اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تو اب کھل چکی تھیں...
مگر اُس کی روح اب بھی قید تھی۔
جیل کی وہ بدبودار، تنگ اور تاریک جگہ اُس جیسے انسان کے لیے کسی جہنم سے کم نہیں تھی۔
چاروں طرف عجیب شور تھا۔
کسی قیدی کی چیخیں...
کسی کی گالیاں...
کسی کی سسکیاں...
اور اُن سب آوازوں کے درمیان ظہیر خاموشی سے زمین پر بیٹھا صرف اپنے نصیب پر افسوس کر رہا تھا۔
اُس کے کپڑے میلے ہو چکے تھے۔
چہرہ تھکن اور پچھتاوے سے مرجھا گیا تھا۔
آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے بن چکے تھے۔
وہ دیوار کے ساتھ سر لگا کر بیٹھا تھا جبکہ اُس کی نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔
آج پہلی بار اُسے احساس ہو رہا تھا کہ آزادی کتنی قیمتی چیز ہوتی ہے۔
جیل کے اندر بہت سے قیدی تھے۔
کچھ خطرناک مجرم...
کچھ غریب لوگ...
اور کچھ ایسے لوگ جن کی حالت دیکھ کر لگتا تھا جیسے زندگی پہلے ہی اُن سے سب کچھ چھین چکی ہو۔
کوئی کھانس رہا تھا...
کوئی بھوک سے کراہ رہا تھا...
اور کوئی خاموشی سے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔
ظہیر کے پاس بیٹھا ایک بوڑھا قیدی مسلسل کھانس رہا تھا۔
اُس کی حالت اتنی خراب تھی کہ سانس لینا بھی مشکل لگ رہا تھا۔
مگر وہاں کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔
جیل کا کھانا بھی وقت پر نہیں دیا جاتا تھا۔

اور جب دیا جاتا تو ایسا بے ذائقہ اور خراب کہ کئی لوگ کھا بھی نہیں پاتے تھے۔
ظہیر صبح سے بھوکا بیٹھا تھا۔
پیٹ میں شدید درد ہو رہا تھا مگر اُس کے پاس کچھ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔
اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
اور پھر...
مریم یاد آنے لگی۔
وہ معصوم چہرہ...
وہ خاموش لڑکی...
جس کی زندگی اُس نے اپنے ظلم سے تباہ کر دی تھی۔
اُسے یاد آیا کیسے مریم بھی شاید اسی طرح خاموشی سے تکلیف سہتی رہی ہو گی۔
آج قسمت نے اُسے وہی درد چکھانا شروع کر دیا تھا۔
ظہیر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔
"یا اللہ..."
وہ دھیرے سے بولا،
"مجھے معاف کر دے..."
اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔
"میں نے بہت ظلم کیا..."
وہ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگا۔
ادھر عورتوں والی جیل میں...
قدسیہ بیگم کی حالت بھی بہت خراب تھی۔
بلڈ کینسر نے پہلے ہی اُنہیں کمزور کر دیا تھا، اور اب جیل کی سخت زندگی اُنہیں مزید توڑ رہی تھی۔
وہ ایک گندے سے بستر پر بیٹھی تھیں۔
چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔
ہاتھ کانپ رہے تھے۔

وہ بار بار کھانس رہی تھیں۔
جیل کی دوسری عورتیں بھی اپنی اپنی تکلیفوں میں مبتلا تھیں۔
کوئی اپنے بچوں کے لیے رو رہی تھی...
کوئی بیماری سے کراہ رہی تھی...
اور کوئی خاموشی سے چھت کو دیکھ رہی تھی۔
قدسیہ بیگم کے پاس اتنی طاقت بھی نہیں بچی تھی کہ وہ ٹھیک سے کھڑی ہو سکیں۔
وہ بھوک سے نڈھال تھیں۔
صبح سے اُنہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔
ایک وقت تھا جب اُن کے گھر میں ہر چیز موجود تھی۔
نوکر، آرام، عزت...
اور آج...
وہ ایک قیدی کی طرح جیل کے فرش پر بیٹھی تھیں۔
اُن کی آنکھوں میں مسلسل مریم اور بتول کے چہرے گھوم رہے تھے۔
وہ بچی مریم...
جس کی آہیں شاید آج اُن کی زندگی برباد کر چکی تھیں۔
قدسیہ بیگم روتے ہوئے بولیں،
"یا اللہ... ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں..."
اُن کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔
"کاش... ہم نے کسی کا دل نہ دکھایا ہوتا..."
اُن کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
ادھر ظہیر بھی جیل کے کونے میں بیٹھا اپنی قسمت پر رو رہا تھا۔
اُسے اب احساس ہو رہا تھا کہ انسان جب کسی مظلوم کو رلاتا ہے...
تو وقت ایک دن اُسے بھی اُسی اندھیرے میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔
کیونکہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔
جیل کی دیواروں کے اندر صرف دو چیزیں باقی تھیں...
پچھتاوا...
اور درد۔

☆☆☆

عزرا بیگم اب کافی بوڑھی ہو چکی تھیں۔
وقت نے اُن کے چہرے پر جھریاں تو ڈال دی تھیں، مگر اُن کی آنکھوں میں آج بھی وہی محبت باقی تھی جو ہمیشہ اپنے گھر والوں کے لیے ہوا کرتی تھی۔
اُن کے ہاتھ اب پہلے جیسے مضبوط نہیں رہے تھے۔
ہلکا سا کام کرنے سے بھی ہاتھ کانپنے لگتے تھے، سانس پھول جاتی تھی، مگر پھر بھی وہ اپنی اولاد کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں۔
آج صبح بھی گھر کا ماحول کافی پُرسکون تھا۔
ہلکی دھوپ کھڑکیوں سے اندر آ رہی تھی جبکہ گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔
میرا آج تھوڑی ضد کر رہی تھی۔
اُس نے عزرا بیگم سے کہا تھا کہ اُسے سوپ پینا ہے۔
اور بس...
اپنی بیٹی کی ضد کے آگے عزرا بیگم پھر خود کو روک نہ سکیں۔
وہ اپنے کمزور قدموں سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کچن میں آئیں۔
اُن کے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔
وہ بڑی احتیاط سے برتن نکال رہی تھیں۔
کچن میں پہنچ کر اُنہوں نے چولہا جلایا اور میرا کے لیے سوپ بنانے لگیں۔
وہ آہستہ آہستہ چمچ ہلا رہی تھیں جبکہ اُن کے چہرے پر ہلکی سی تھکن نمایاں تھی۔
تبھی پیچھے سے ایک نرم آواز آئی،
"ارے امی...!"

عذرا بیگم نے مُڑ کر دیکھا۔
وہ اقراش کی بیوی، ارفات تھی۔
ارفات جلدی سے اُن کے پاس آئی اور پریشانی سے بولی،
"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"
پھر اُس نے فوراً اُن کے ہاتھ سے چمچ لے لیا۔
"آپ کو کس نے کہا کہ آپ بستر سے اٹھیں؟"
اُس کی آواز میں محبت اور فکر دونوں شامل تھیں۔
عذرا بیگم ہلکا سا مسکرائیں۔
"وہ... میرا ضد کر رہی تھی نا..."
اُنہوں نے دھیرے سے کہا،
"اُسے سوپ پینا تھا، تو میں نے سوچا بنا دوں..."
ارفات نے فوراً محبت سے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"نہیں امی..."
وہ نرمی سے بولی،
"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں؟ میں ہوں نا یہاں۔"
پھر وہ ہلکے سے مسکرائی۔
"میں صرف اقراش کی بیوی نہیں ہوں..."
اُس نے محبت سے عزرا بیگم کی طرف دیکھا۔
"میں آپ کی بھی بیٹی ہوں۔"
یہ سنتے ہی عزرا بیگم کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔
اُن کے چہرے پر ایک پُر سکون سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
شاید قسمت نے اُنہیں بہت سے درد دیے تھے...
مگر ارفات کی شکل میں اُنہیں ایک بیٹی جیسا سہارا بھی دیا تھا۔
ارفات نے ہلکے سے شکوہ کرتے ہوئے کہا،

"شاید آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتیں، اسی لیے خود کام کرنے لگ جاتی ہیں..."
"ایسی بات نہیں ہے بیٹا..."
عزرا بیگم فوراً بولیں۔
اُن کی آواز محبت سے بھری ہوئی تھی۔
"تم تو واقعی میری بیٹی ہو..."
ارفات مسکرا دی۔
"تو پھر اب آپ آرام کریں گی۔"
پھر اُس نے ہلکے سے اُنہیں کچن سے باہر کی طرف کیا۔
"جائیں... بیٹھیں جا کر۔ سوپ میں خود بنالوں گی۔"
عذرا بیگم نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"اچھا ٹھیک ہے ارفات... تم بنالو پھر..."
ارفات مسکراتے ہوئے دوبارہ چولہے کے پاس آ گئی۔
وہ بہت پیار سے سوپ بنانے لگی۔
کبھی چمچ ہلاتی، کبھی ذائقہ چیک کرتی۔
کچن میں ہلکی ہلکی خوشبو پھیلنے لگی تھی۔
کچھ دیر بعد سوپ تیار ہو گیا۔
ارفات نے احتیاط سے سوپ ایک خوبصورت پیالے میں نکالا، اوپر ہلکی سی کالی مرچ ڈالی اور ٹرے اٹھالی۔
پھر وہ مسکراتے ہوئے میرا کے کمرے کی طرف چل دی۔
میرا بیڈ پر بیٹھی تھی۔
جیسے ہی اُس نے ارفات کو دیکھا، فوراً خوش ہو گئی۔
"سوپ آ گیا؟"
ارفات ہنس پڑی۔
"جی madam، آپ کا سوپ حاضر ہے!"
کمرے میں ایک ہلکی سی خوشی بھر گئی۔

اور دروازے کے باہر کھڑی عزرا بیگم یہ سب دیکھ کر خاموشی سے مسکرا رہی تھیں۔
شاید یہی وہ سکون تھا...
جس کے لیے اُنہوں نے پوری زندگی دعائیں مانگی تھیں۔

☆☆☆

اگلی صبح گھر میں بہت پُر سکون سا ماحول تھا۔
کھڑکیوں سے ہلکی ہلکی دھوپ اندر آ رہی تھی۔ جبکہ ٹھنڈی ہوا پردوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔
عذرا بیگم ڈرائنگ روم کے صوفے پر خاموش بیٹھی تھیں۔
اُن کا چہرہ دیوار کی طرف تھا، جبکہ اُن کی پشت دروازے کی طرف تھی۔
اُن کے کمزور اور کانپتے ہاتھوں میں عبدالرحمان کی ایک پرانی تصویر تھی۔
وہ تصویر کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔
کبھی اُس تصویر پر ہاتھ پھیرتیں...
کبھی اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کر لیتیں۔
"عبدالرحمان..."
اُنہوں نے دھیرے سے کہا،
"آپ اتنی جلدی کیوں چلے گئے...؟"
اُن کی آواز میں برسوں کی محبت اور جدائی کا درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔
"دیکھیں نا... اب سب کچھ بدل گیا ہے..."
اُن کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔
"اگر آپ آج ہوتے نا... تو شاید سب کچھ اور خوبصورت ہوتا..."
پورا کمرہ خاموش تھا۔
صرف اُن کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔
تبھی پیچھے سے ننھے ننھے قدموں کی آواز آئی۔
چھوٹی سی مریم اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پھیلائے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عذرا بیگم کے پاس آئی۔
اُس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح معصوم سی مسکراہٹ تھی۔

وہ عذرا بیگم کے قریب آ کر رکی اور اپنے ننھے ہاتھ اُن کے کندھے پر رکھ دیے۔

"نانی..."

اُس نے معصوم آواز میں کہا،

"آپ کیوں رو رہی ہیں...؟"

عزرا بیگم چونک گئیں۔

اُنہوں نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور مڑ کر مریم کو دیکھا۔

مریم کی بڑی بڑی آنکھوں میں فکر تھی۔

"آپ نہ روئیں..."

وہ معصومیت سے بولی،

"مجھے بھی رونا آجاتا ہے..."

یہ سنتے ہی عزرا بیگم کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

وہ ہلکا سا مسکرائیں اور فوراً مریم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"نہیں میری بچی..."

وہ کپکپاتی آواز میں بولیں،

"میں نہیں رو رہی..."

مریم بھی ہنس کر اُن کے گلے لگ گئی۔

وہ منظر اتنا خوبصورت تھا کہ جیسے زندگی کے تمام دکھوں کے بعد آخر کار سکون نے اُن کے گھر میں جگہ بنالی ہو۔

تبھی ماہم اور ضرار بھی وہاں آ گئے۔

ماہم نے جیسے ہی اپنی بیٹی کو عذرا بیگم کے گلے لگے دیکھا، اُس کے لبوں پر پیاری سی مسکراہٹ آ گئی۔

ضرار خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اُس کی آنکھوں میں سکون اور شکر دونوں موجود تھے۔

اقراش آفس گیا ہوا تھا، اس لیے وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

کچھ ہی دیر میں سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

گھر کا ماحول اب پہلے سے کافی خوشگوار لگ رہا تھا۔

تبھی اچانک میرا تیزی سے اندر آئی۔

"ارے واہ!"

وہ ناراض بننے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی،

"میرے بغیر باتیں ہو رہی ہیں؟ یہ تو بہت غلط بات ہے!"

سب لوگ ہنس پڑے۔

چھوٹی مریم فوراً کھڑی ہوئی اور ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی،

"ہاں میرا خالہ!"

سب کی نظریں فوراً اُس کی طرف چلی گئیں۔

"آپ کے بغیر باتیں ہو رہی ہیں..."

وہ بڑی معصومیت سے بولی،

"آپ... جا کر رو دو!"

یہ سنتے ہی پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

میرا فوراً اُس کے سامنے آ کر بولی،

"اچھا جی؟ اب تم مجھے گھر سے نکالو گی؟"

مریم نے فوراً منہ پھلا لیا۔

"ہاں!"

وہ ضد سے بولی،

"کیونکہ آپ بہت باتیں کرتی ہیں!"

سب لوگ اُن دونوں کی معصوم لڑائی دیکھ کر ہنسنے لگے۔

ماہم اپنی بیٹی کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی، جبکہ عذرا بیگم کی آنکھوں میں خوشی چمک رہی تھی۔

وہ خاموشی سے اپنے خاندان کو دیکھ رہی تھیں۔

وہی گھر...

جو کبھی دکھ، آنسو، نفرت اور بے بسی سے بھرا ہوا تھا...

آج وہاں ہنسی تھی۔

محبت تھی۔
اپنائیت تھی۔
زندگی نے بہت کچھ چھین لیا تھا۔
بہت سے لوگ بچھڑ گئے تھے۔
بہت سی غلطیوں نے کئی زندگیاں تباہ کر دی تھیں۔
مگر شاید آخر کار وقت نے سب کو اُن کے اعمال کا حساب دے دیا تھا۔

اور اب...
اس گھر میں صرف سکون باقی رہ گیا تھا۔
عزرا بیگم نے خاموشی سے عبدالرحمان کی تصویر کو دیکھا... پھر اپنے خاندان کو۔
اُن کے لبوں پر ایک پُر سکون مسکراہٹ آگئی۔
"الحمدللہ..."
اُنہوں نے دل ہی دل میں کہا۔
کیونکہ لمبی اندھیری راتوں کے بعد...
آخر کار اُن کے گھر میں سکون کی صبح آچکی تھی۔
اب اس گھر میں پہلے جیسا شور، نفرت اور درد نہیں رہا تھا۔
وقت نے سب کو بہت کچھ سکھا دیا تھا۔
عذرا بیگم اب اپنی زندگی کے اُس حصے میں تھیں جہاں انسان صرف سکون چاہتا ہے، اور اللہ نے آخر کار اُنہیں وہ سکون دے دیا تھا۔
وہ میرا، اقراش اور اپنے پورے خاندان کے ساتھ بہت خوش تھیں۔
اقراش کی بیوی عرفات بھی اُن کا بے حد خیال رکھتی تھی۔
وہ صرف بہو نہیں تھی...
بلکہ حقیقت میں بیٹی بن کر اس گھر میں آئی تھی۔
عرفات ہر وقت عذرا بیگم کی دوائیوں، کھانے پینے اور آرام کا خیال رکھتی۔
اگر عزرا بیگم ذرا سا بھی کام کرنے لگتیں تو فوراً اُن کے ہاتھ سے چیز لے لیتی۔

"امی، اب آپ آرام کریں..."
وہ ہمیشہ محبت سے یہی کہتی۔
عزرا بیگم یہ سب دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتیں۔
دوسری طرف ماہم بھی اپنی زندگی میں خوش تھی۔
وہ کبھی کبھار چھوٹی مریم کو لے کر عذرا بیگم کے گھر آجاتی تھی۔
گھر میں پھر سے رونق لگ جاتی۔
ننھی مریم کی معصوم باتیں، اُس کی ہنسی اور اُس کی شرارتیں پورے گھر کو خوشیوں سے بھر دیتی تھیں۔
ماہم کی بس ایک ہی بیٹی تھی...
اور وہ تھی اُس کی جان، اُس کی چھوٹی مریم۔
اقراش کی شادی کو ابھی صرف ایک یا دو سال ہی ہوئے تھے، اس لیے اُس کے ابھی بچے نہیں تھے۔
مگر وہ اور عرفات اپنی زندگی میں بہت خوش تھے۔
وہ گھر...
جو کبھی بے بسی، ظلم، آنسو اور نفرت سے بھر گیا تھا...
آج وہاں محبت تھی، سکون تھا اور اپنائیت تھی۔
اور دوسری طرف...
جن لوگوں نے دوسروں کے ساتھ ظلم کیا تھا، وقت نے اُنہیں اُن کے اعمال کا انجام دے دیا تھا۔
بتول کو بھی اُس کے کیے کی سزا مل گئی۔
قدسیہ اور ظہیر بھی اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ اپنی سزائیں بھگت رہے تھے۔
کیونکہ زندگی ایک نہ ایک دن انسان کو اُس کے اعمال کا حساب ضرور دیتی ہے۔
آخر کار سب لوگ اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے۔
کچھ لوگوں کو سکون مل گیا...
اور کچھ لوگ اپنی غلطیوں کے پچھتاوے میں کھو گئے۔
اور یہاں... ہماری کہانی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

☆☆☆

اگر آپ کو یہ کہانی پسند آئی ہو تو مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔
اللہ تعالیٰ میرے لیے آسانیاں پیدا فرمائے اور مجھے ہمت دے کہ میں آنے والے وقت میں آپ لوگوں کے لیے مزید اچھے ناولز لکھ سکوں۔

میں، آفاق خان، خود یہ بات بیان کرتا ہوں کہ یہ میرا دوسرا ناول ہے۔
آپ سب سے صرف ایک دعا کی درخواست ہے...
کہ اللہ تعالیٰ میرے اس سفر کو آسان بنائے، میری قلم میں برکت دے، اور مجھے ہمیشہ آپ لوگوں کے لیے خوبصورت اور دل کو چھو لینے والی کہانیاں لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ سب کا دل سے شکریہ۔